PDFBOOKSFREE.PK

مکتبہ تعمیرِ انسانیت، اردو بازار، لاہور

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

غزواتِ مُقدّس

PDFBOOKSFREE.PK

مولینا محمد عنایت اللہ وارثی

مدیر پندرہ روزہ "العصر" کوٹ وارث (گوجرانوالہ)

مکتبۂ تعمیرِ انسانیت ـــــ اردو بازار ـــــ لاہور

PDFBOOKSFREE.PK

اللہ بس

عالم ہمہ شورِ لا اِلٰہ اِلّا ھو است

غافل بہ گماں کہ دشمن است ایں آں دوست

دریا بہ وجودِ خویش موجے دارد

خس پندارد کہ ایں کشاکش با اوست

ترجمہ

سارا عالم لاالٰہ الا ہُو کے شور سے گونج رہا ہے، بے خبر انسان اِس گمان باطل میں ہے کہ "یہ دشمن ہے اور وہ دوست"۔ دریا تو اپنی جگہ پر بذات خود موجزن ہے لیکن تنکا یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ تمام کشمکش محض اُس کی مخالفت کی بنا پر ہی برپا کی گئی ہوئی ہے۔"

PDFBOOKSFREE.PK

PDFBOOKSFREE.PK

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : ـــــ غزواتِ مقدس

مصنف : ـــــ مولانا محمد عنایت اللہ وارثی

بار سوم ـــــ تعداد : ۱۰۰۰

ناشر : ـــــ مکتبہ تعمیرِ انسانیت۔ لاہور

مطبع : ـــــ زاہد بشیر پرنٹرز۔ لاہور

قیمت :- [illegible]6 - [illegible] روپے

فہرست مضامین

ماہ نامہ "تذکرہ" کراچی۔ جنوری ۱۹۵۸ء

مومن کی زندگی کا جو لائحۂ عمل قرآن مجید نے مرتب کیا ہے وہ اتنا جامع و مکمل ہے کہ ہر پہلو سے زندگی اور زندگی کے تمام تر متعلقہ امور کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کا جاگنا سونا ہی نہیں، جینا مرنا بھی اللہ ہی کے لیے ہے۔ فاضل مؤلف نے اپنے اکیس صفحاتی مقدمہ میں قرآن و حدیث کے حوالوں کے ساتھ جہاد کے متعلقہ مسائل اور فطرتِ انسانی کے رجحاناتِ جنگ پر بحث کرتے ہوئے کئی اہم اور ضروری موضوعات پر اجمالی تبصرہ کیا ہے۔

اسلامی عقاید نہ صرف روحانی غذا کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان پر عامل ہونے والے کی زندگی دنیاوی اعتبار سے بھی درخشاں و تاباں گزرتی ہے۔ غزواتِ مقدس ہماری زندگی کے اس عملی پہلو کی جانب واضح اشارہ کرتے ہیں، جسے اختیار کر لینے کے بعد مسلمان اپنی زندگی کا آخری قطرۂ خون بہا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا اور اسی کو اپنے لیے ذریعۂ نجات اور بقائے حیات کا ضامن سمجھتا ہے۔

عام اذہان میں تصورِ جنگ، خونریزی اور غارت گری کے سوا اور کچھ نہیں، لیکن مولانا محمد عنایت اللہ وارثی نے تفصیل کے ساتھ نظریۂ جہاد، مقصدِ جہاد اور ضرورتِ جہاد کا جائزہ لیتے ہوئے اَن گنت عنوانات کے تحت ٹھوس اور وقیع بحث کی ہے یہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جس پر اہلِ علم نعرہ ہائے تحسین و آفرین بلند کیے بغیر نہ رہیں گے۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں نبی صلعم کے غزوات کا پس منظر پیش کرتے ہوئے محقق اسلام کے لیے راہیں نکال دی ہیں۔ اس کتاب کو بلاشبہ ہم غیر مذاہب

کے ماننے والوں کے سامنے دعواہائے امن اور اصول و معمولاتِ جنگ کے جواب میں به بانگِ دہل پیش کر سکتے ہیں۔ اسی لیے اس کتاب کا دیگر زبانوں بالخصوص انگریزی میں ترجمہ اسلام کی خدمت بھی ہوگی اور حصولِ ثواب کا ذریعہ بھی۔ تاکہ وہ نوجوان جو اپنی خوبیوں کو جانچنے کا پیمانہ انگریزی زبان کو سمجھتے ہیں اپنے آباؤ اجداد کی زندگیوں کے عملی پہلوؤں کو دیکھ اور سمجھ سکیں۔

یہود کی سازش، سیاسی اثرات اور دورانِ جنگ اسلامی اخلاق و سلوک اور مساوات کا صحیح نقشہ، افواج کی ترتیب اور سائنٹفک صف آرائی، وفائے عہد اور صلح جوئی، مغلوب و مفتوح سے برتاؤ، تاخت و تاراج اور تخریب سے گریز، اور ان کے متعلق صحیفۂ آسمانی کے اشارات، اس کتاب کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ بن گئے ہیں۔

آخری باب اقوامِ عالم کی لڑائیاں اور جہادِ اسلام کے زیرِ عنوان قلم بند کیا گیا ہے جس میں اسلامی جنگوں کے ساتھ اعداد و شمار کی روشنی میں حقیقت آفریں موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں بے شمار تاریخی حوالہ جات پیش کرنے کی گنجائش ہے۔ امید ہے دوسرے ایڈیشن میں اس جانب توجہ کی جائے گی اور اسے مزید اہتمام و دیدہ زیبی کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔

پیش لفظ

از جناب خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی شیخ التفسیر والحدیث جامعہ ملیہ دہلی

غزوات مقدس کو میں نے مختلف مقامات سے خود دیکھا ہے مصنف علام نے جنگ پر جو مفصل تبصرہ کیا ہے، اور قبل از اسلام جو اس کی کیفیت رہی ہے اُس کا موازنہ کر کے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قلیل ترین زمانۂ نبوت کی ۲۳ سالہ زندگی میں جو حیرت انگیز اصلاحیں فرمائیں، اس کی وحشتناکی اور بربریت کو تقدلیس میں تبدیل کر دیا اور اس کی سفاکی وہولناکی کو رحمت کی شکل مے دی، جس کی مثال نہ تو اسلام سے قبل ملتی ہے اور نہ اسلام کے ظہور کے بعد کسی اور نے اس سے آگے قدم بڑھایا ہے۔

آپ کی مقدس زندگی کا یہی ایک تابناک اور درخشندہ پہلو ہے کہ آپ کی صداقت اور من جانب اللہ ہونے میں کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

مصنف نے غزوات کے بیان کرنے میں یہ اچھوتا انداز اختیار کیا ہے کہ ہر جنگ کے لیے پہلے اس کے اسباب و علل پر قلم اُٹھایا ہے، پھر اس کی تفصیل دی اور آخر میں اس کے نتائج پر سیر حاصل بحث کی۔

کتاب کے آخر میں مختلف قوموں کی لڑائیوں کے اعداد و شمار سے مقابلہ کر کے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لڑائیوں میں جو کچھ خرچ کیا، جس قدر لوگ اس میں مارے گئے اور جو نتائج

دنیا کے سامنے آئے انسانیت کی پوری تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

مولانا محمد عنایت اللہ صاحب وارثی ایڈیٹر "العصر" نے یہ کتاب لکھ کر اُردو والوں پر بڑا احسان کیا ہے

اللہ تعالیٰ اسے قبولِ عام عطا فرمائے مصنف کو جزائے خیر دے اور انہیں زیادہ لکھنے کی

توفیق بخشے۔ آمین۔

۱۳ فروری ۱۹۵۲ء   عبدالحی فاروقی وسن پورہ لاہور

مُقدّمہ

(از مصنّف)

جنگ و جدال کے نتیجہ میں انسان اپنے دشمن، بدخواہ، حاسد اور بداندیش تو پیدا کرلیتا ہے، دوست، خیرخواہ اور جاں نثار ساتھی حاصل نہیں کرسکتا۔ جنگجو، شمشیر زن، فاتح حکمران، بہادر قومیں اور حملہ آور ملک، مفتوح علاقوں اور ملکوں کی تسخیر و تسلط پر قادر ہو کر فتح کا فخر تو ضرور حاصل کر لیتے اور کرتے رہے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ مفتوح قوموں اور شکست خوردہ لوگوں کے دلوں میں بھی اپنے لیے عزت اور محبت کا مقام پیدا کرلیں۔

دلوں کی تسخیر تلوار کا کام نہیں، تلوار کا زخم تو نفرت اور عداوت پیدا کرتا ہے، محبت اور اخوت کا پھل نہیں دے سکتا۔ ایک شخص کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا کر، پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر، آنکھوں پر پٹی باندھ کر، کان بند کر کے اور زبان بند کر کے اُس کی تمام مدافعانہ قوتوں اور سارے اختیارات کو اپنے قبضہ میں لے کر بھی اگر کسی ذریعہ سے اُس کے دل کی رائے کو معلوم کرسکو تو وہ رائے اِس بااختیار فاتح کی مخالفت میں آزاد ہی نظر آئے گی۔

اسلام کی جنگوں کو دنیا کی جنگوں پر قیاس کرنا ہی سرے سے غلط ہے، غلط طرز استدلال اور قیاس مع الفارق ہے۔ اِس لیے کہ ان جنگوں کی بنیاد دنیا کی جنگوں سے قطعاً مختلف ہے، نظریہ مختلف ہے، مقصد اور نصب العین مختلف ہے، اور اس کے اسباب اور بنیادی محرکات ہی مختلف ہیں ــــ ان جنگوں میں لڑنے والوں نے لڑ کر اپنے دشمن، بدخواہ اور حاسد نہیں پیدا کیے، اِس لیے کہ وہ کسی ذاتی دشمنی، بدخواہی اور حسد کی بنیاد پر نہیں لڑے، دشمنوں کو دشمن، بدخواہوں کو بدخواہ اور حاسدوں کو حاسد جان کر بھی نہیں لڑے، غرض نہ دشمنی سے لڑے ہیں نہ دشمنوں سے لڑے ہیں۔ ماں بیٹوں سے، بیٹے ماؤں سے، بھائی

بھائیوں سے اور دوست دوستوں سے لڑے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں
معاملہ کچھ اور تھا۔ اس لیے مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑنے والوں میں سے جس جس کو جس جس وقت
حقیقت نظر آتی گئی، دشمنی، بدخواہی اور حسد کے رنج اور غصے کا غبار چھٹتا چلا گیا، اُسے نظر آ گیا کہ
میں جس کو دشمن سمجھ کر لڑ رہا تھا، وہ میرا دشمن نہیں کسی اور شے کا دشمن ہے اس لیے میرا دوست ہے
یہ بُرائی کا دشمن ہے اور بُرائی میری بھی دشمن ہے۔ دشمن کا دشمن کا دشمن اسی طرح دوست ہوتا
ہے جس طرح دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے۔ اب اُسے دوست دشمن ایک جگہ کھڑے
نظر آئے۔ انہیں آپس کے جنگ وجدال کے زخم صرف بھولے ہی نہیں، باقی زندگی ان زخموں
اور رنجوں کی تلافی میں گزار دی بلکہ شکریے ادا کرتے بیت گئی۔ آپس میں مل کر اور یک رُخ
ویک دل ہو کر پوری اخلاصمندی سے تلافی کی یہاں تک کہ زخموں کو زخم ہی نہ مانا۔

بھائی ہمیشہ بھائیوں کی مدد میں لڑے ہیں، قبیلے قبیلوں کی حمایت میں، خاندان خاندانوں
کی عصبیت میں، حتیٰ کہ اہلِ ملک ملک کی حمایت اور حفاظت میں لڑتے اور جانیں دیتے رہے
ہیں۔ اس لیے یہ تمام تعلقات، کششیں اور داعیات دوسری جانب حریفِ مقابل میں بھی
اسی طرح کام کرتے ہیں اور انتقام در انتقام کا غیر متناہی سلسلہ فرزندانِ آدم کو ہمیشہ باہم لڑاتا
رہا ہے۔ اسلام نے اس کے بالکل برعکس جنگ کی جو طرح ڈالی ہے، وہ یہ ہے کہ بھائی
بھائی کی حمایت میں، خاندان خاندان کی امداد میں، کوئی قبیلہ کسی قبیلے کی عصبیت کی بنا پر،
بلکہ کوئی ملک، ملک کی حفاظت کا داعیہ لے کر میدان میں نہیں آیا اور نہیں لڑا، بلکہ بھائی
بھائیوں سے، قبیلے اپنے ہی قبیلوں سے، خاندان خاندانوں ہی کے افراد سے اور ملک
اپنے ہی اہلِ ملک سے جس ملک کی حفاظت بلکہ اُسے چھوڑ دینے اور وہاں سے ہجرت کر جانے
پر ان لوگوں نے اپنی تاریخ کی بنیاد رکھی ہے۔ اس عصبیت کے خلاف اسی عصبیت کو ختم
کرنے کا مقصدِ وحید لے لڑے ہیں۔ اسلام کے پیش نظر مقصد انتقام اور انتقام در انتقام

فتنے کو ختم کرنا ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ "اُس وقت تک لڑو کہ فتنہ ختم ہو جائے"

مسلمان اِس لیے ہتھیار اُٹھاتا ہے کہ فتنہ پرداز ہتھیار بندوں کو ہتھیار رکھ دینے پر مجبور کر دے۔

حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا "یہاں تک کہ خود جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے"

اسلام کی جنگ کا مقصد قتل و غارت نہیں قتل و غارت کو ختم کرنا ہے۔

اِس لیے وہ مقدس جنگیں جو رحمتِ عالم محسنِ کائنات فخرِ موجودات سیّد وُلدِ آدم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زیرِ قیادت اور حسب الحکم لڑی گئی ہیں چونکہ یہ خدا کے حکم سے، خدا کے سچے دین کے نام پر انسانی بہی خواہی کے فطری جذبے اور مقدس نظریے کے تحت ہر ذاتی غرض سے بالکل خالی ہو کر لڑی گئیں۔ لہٰذا ان جنگوں نے دشمن نہیں دوست پیدا کیے، بدخواہ اور بداندیش نہیں خیر خواہ بنائے، اور حاسد نہیں ہم مقصد اور ہم سفر جاں نثار رفیق تیار کیے۔

یہی وجہ ہے کہ اِن جنگوں کا نتیجہ بالآخر دنیا کی جنگوں کی طرح دشمنوں کی کثرت کی صورت میں سامنے نہیں آیا، مفتوح قومیں انتقامی جذبوں اور حسد و عداوت کے رنج کا شکار نہیں ہوئیں اور فاتحین کے خلاف نفرت پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس دوستوں اور جاں نثاروں میں اضافہ ہوا، ہوتا رہا اور اب تک ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ابوجہل جیسے دشمن کی جگہ اسلام اور مسلمانوں کو حضرت عکرمہؓ ایسے جاں نثار ملے، نجاشی کے دربار میں مظلوم مہاجروں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے عمرو بن العاص کو مبلغِ اسلام کا مقام نصیب ہوتا ہے اور مقام حدیبیہ میں دشمنوں کا نمائندہ سہیل بن عمروؓ وفاتِ نبوی کے وقت اہلِ مکہ کی استقامت کا باعث بنتا ہے۔ ان جنگوں نے ہمیشہ ہر دور میں خود بتوں کے پجاریوں ہی کو بت شکنی کے فرائض سپرد کیے۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اسلامی جنگوں کی تاریخ کا خلاصہ یہی ہے۔

اس لیے ان جنگوں کے ظاہری اسباب و محرکات بھی بڑی حد تک دنیا کی جنگوں سے مختلف ہیں۔ وہ بھی ایک جانب کچھ اور دوسری طرف کچھ اور۔ پھر جنگ کا طریقہ اور انداز اس سے بہت زیادہ مختلف ہے بالخصوص مسلمانوں کی جنگ کا۔ اور تیسرے درجہ پر رہے نتائج، سو وہ قطعی طور پر مختلف ہیں جیسا کہ اوپر کی سطور پڑھنے سے نظر آ چکا ہے۔ اس سارے اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ جنگیں سرے سے جنگیں ہی نہیں ایک مقدس مشن (انسانیت کی تعمیر) کی آبیاری کے لیے مخلصانہ اور ہمدردانہ جد و جہد ہے جسے جہاد کہا گیا ہے اور عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

اسلام کی تاریخ یا مسلمانوں کی تاریخ

تاریخ اور ان جنگوں میں پیش آنے والے واقعات کے تذکرے جن میں دونوں طرف سے کم و بیش لوگ کام آئے، علاقے فتح ہوئے، ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً حکام مقرر ہوئے اور ہوتے رہے، عدلیہ اور انتظامیہ کے شعبے قائم ہوئے، فوجی نقل و حرکت ہوتی رہی، کسی کی تقرری کسی کی معزولی عمل میں آئی، غرض اس نوعیت کے کوائف و حالات کا ذکر مسلمانوں کی تاریخ تو ہو سکتی ہے، "اسلام" کی تاریخ نہیں کہلا سکتی۔ اسلام کی تاریخ فی الحقیقت وہ ہے جس میں اسلامی تحریک کے نشیب و فراز، قوت و ضعف، حمایت و مخالفت، تردید و تائید کے عوامل کے آگے بڑھنے اور رک جانے پر بحث ہو اور ان اسباب پر تبصرہ کیا جاتے کہ کن کن واقعات کا اس تحریک پر کیا کیا اثر پڑا۔ کون سے حالات مفید ثابت ہوئے اور کون سے غیر مفید۔

غرض اسلام کی اصل تاریخ یہی ہے جس پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ یہی وہ تاریخ ہے جس کا مطالعہ تلاشِ حق کی راہ میں کسی متلاشی حق اور مسترشد کا رہنما بن سکتا ہے اور بقیہ تاریخ ہے فتح و شکست کی یادیں رنج و غضب کے غبار اور انتقامی جذبات کے سیاہ دھوئیں ہی دل و دماغ میں اُٹھا سکتے ہیں نورِ ایمان کی روشنی نہیں پھیلا سکتے۔ اسلام نے نہ فتح کو فتح کے غرور سے اُچھالا ہے اور نہ شکست کو شکست کی ہی رُلے دل سے ہی محسوس کیا ہے فتح کو خدا کا انعام

اور حکمت کو ہی شفقانہ تنبیہہ قرار دیا ہے، اصل مقصد ہر حیثیت میں محض پیغامِ حق کو مخلوقِ خدا تک پہنچانا ہی اس کے پیشِ نظر ہے۔ جنگ ہے تو محض اس لیے کہ اشاعت اسلام کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو اور صلح ہے تو محض اس لیے کہ خدا کا پیغام اُس کے بندوں تک آسانی اور آزادی سے پہنچ جائے اور بنی نوع کی بہی خواہی اور ہمدردی کا اصل فریضہ ادا ہو سکے۔

از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس
ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

"ہم سے مہر و وفا کی بات کے علاوہ کچھ نہ پوچھو، ہم نے سکندر و دارا کا قصہ نہیں پڑھا۔"

مدت تک ذہن میں یہ خیال بار بار اُبھرتا رہا کہ اسلام کی تاریخ اس نہج پر لکھی جائے جو مسلمانوں کی تاریخ کے بجائے اسلام کی تاریخ ہو یا کم از کم مسلمانوں کی تاریخ کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کی بھی تاریخ ہو بلکہ مسلمانوں سے زیادہ اسلام کی ہو لیکن اس سلسلہ میں تاریخی کتابوں کی جس قدر ورق گردانی، مطالعہ اور دینِ اسلام کی جامعیت کے پیشِ نظر ہر شعبۂ حیات کے متعلق بار بار مطالعہ اور ہر پہلو کو زیرِ نظر لانے کی ضرورت تھی، افسوس نہ وہ کتب خانہ مہیا تھا نہ میری پُر فتن اور پُر آشوب زندگی کے آشفتہ لمحات اس کے متحمل ہو سکے۔ اور سب سے بڑھ کر اپنی محدود استعداد اور علمی کم بضاعتی پر بھی اتنے بڑے کام کے لیے اعتماد کا حوصلہ نہ نظر آیا۔ گو یہ شوق بڑھتا رہا لیکن اسی قدر وسائل کی کمی کا احساس بھی ہر مرحلہ پر راستہ روکتا رہا نتیجہ یہی رہا کہ کام نہ ہو سکا اور جو ہوا وہ حسبِ تمنا نہ ہوا۔

غمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مرے شوق کی بلندی مری ہمتوں کی پستی

۱۹۵۲ء میں ایک مرحوم بزرگ (خدا انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے) کے اصرار پر محض شوق کے سہارے جو لکھنا شروع کر دیا، لکھا اور لکھا ہوا چھپ بھی گیا، وہ یہ تھا کہ چونکہ اسلام

سمجھی جاتی ہیں ، اسلام کی قوت اور ترقی کو عقیدت کی نگاہوں سے دیکھنے والے دوستوں میں بھی اور طعن و اعتراض کے مواقع تلاش کرنے والے دشمنوں اور معاندوں کے سامنے بھی صرف جنگی واقعات ہی استدلال کی بنیاد ہیں ، اس لیے میں نے نبوت کے ابتدائی پندرہ سال (۱۳ سال مکی زندگی اور دو سال جنگ بدر سے پہلے کی مدنی زندگی) کے حالات اور پھر غزوہ تبوک کے بعد دو سال چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی میں سے صرف سات آٹھ سال کی اُس پُرآشوب جنگی زندگی ہی کے واقعات کو سامنے رکھا جسے آج کی سیاسی زبان میں "ہنگامی حالات" کہا جاتا ہے اور جس میں "سب کچھ" جائز سمجھا جاتا ہے ۔ تاکہ واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے کہ جس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہستی کی لڑائیاں ، جنگ و جدل کی مصروفیتیں یا مجبوریاں اس قدر خیر و برکت ، رحمت و شفقت اور حسنِ اخلاق کی حامل ہیں اور اسلامی تحریک کی ترقی کا سبب بنی ہیں ، اس کی خالص پیغمبرانہ اور تبلیغی زندگی اور ہدایت و راہنمائی کی مشفقانہ اور مربیانہ توجہات ، بنی نوع انسان کے لیے کس قدر امن و اطمینان اور صلح و سلام کا سامان ہو سکتی ہیں ۔

پہلے ہر جنگ کے اسباب و علل ۔ پھر جنگ کی واقعاتی کیفیت اور آخر نتائج جنگ کی سُرخی دے کر اُس اصل موضوع پر بحث کی ہے کہ ان واقعات کا اسلامی تحریک پر کیا اثر مرتب ہوا ــــــ ؟

مجھے اپنے اس ارادے میں کس قدر کامیابی ہوئی ؟ اس سلسلہ میں مجھے کوئی دعویٰ نہیں رہا قارئین کے تاثر اور اندازے کا سوال ، سو یہ فیصلہ اُن کے ہاتھ میں ہے ۔ مجھے اپنی جگہ یقین ہے کہ اس بلند ، جامع اور وسیع موضوع پر جو کچھ کہنا چاہیے تھا میں نہ کہہ سکا ہوں نہ میری بساط ہے کہ کہہ سکوں ۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب توفیق بزرگ کو اس سے تحریک ہو اور وہ اس طرف توجہ دیں اور اس موضوع پر بایدو شاید حیثیت سے قلم اُٹھا سکیں ۔

احباب کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ اس پر بعض بزرگوں، دوستوں اور اخبارات و رسائل نے تقریظیں اور تبصرے بھی لکھے۔ طویل عرصہ سے اس کی دوبارہ طباعت کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن خیال تھا کہ اس پر نظرِ ثانی کر کے کچھ مناسب اضافہ کیا جائے۔ یہی خواہش احباب کے طلب تقاضوں کے باوجود اس کی دوبارہ طباعت میں حائل رہی۔ نہ میں نظرِ ثانی کر سکا نہ یہ نوبت آئی۔

انسان کو دنیا میں آئے ہوئے جس قدر زیادہ وقت گزرتا جاتا ہے، اسی قدر وہ اپنے لیے مصائب اور مصیبت ناک مصروفیتوں کا ذخیرہ بھی زیادہ جمع کر لیتا ہے۔ میری کم فرصتی اب پہلے سے بھی زیادہ تھی، تاہم میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکا کیا۔ اکثر جگہ معتد بہ اضافے کیے، جو کمی نظر آئی حتے الامکان اُسے پورا کرنے کی کوشش کی اور نقشِ ثانی کی صورت میں یہ دوستوں کی خدمت میں حاضر ہے۔ تاہم موضوع کی اہمیت اور وسعت کے پیشِ نظر تشنگی ہی کا احساس اور اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

"نہ اُس کے حُسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدی کی بات ختم ہو جانے والی ہے استسقاء کا مریض مر جاتا ہے اور دریا ویسے ہی موجزن رہتا ہے۔"

اپنی علمی بے بضاعتی، کوتاہی ہمت اور بلندیِ شوق میں چونکہ پہلے کی نسبت بھی مزید اضافہ ہی کا احساس ہوا ہے، اس لیے تکمیلِ آرزو کی حسرت میں بھی اسی قدر کچھ اضافہ ہی محسوس ہوتا ہے۔ دوست اور مہربان قارئین حضرات چاہیں تو بندہ کو اس ہوس ناک حسرت میں معذور قرار دیدیں، چاہیں تو ملزم گردان لیں۔ بہرحال رسمِ دنیا تو یہی چلی آ رہی ہے کہ اس پُر تمنا اور سراپا شوق تکمیل کی کمی کو خدا کی رحمتِ بے پایاں کا گوشۂ التفات اور شفیعِ اُمم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ عاطفت کی وسعتیں ہی پورا کر سکتی ہیں۔

کمند کوتہ و بازوئے سست و بام بلند
بمن حوالہ و نومیدیم گنہ گیرند

"کمند کوتاہ ہے، بازو سست ہیں اور بام بلند میرے سامنے کھڑا کر دیا گیا ہے اور پھر میری مایوسی کو میرا ہی گناہ قرار دیا جاتا ہے۔"

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بضاعت مزجات کی عقیدت مندانہ پیش کش کو شرف قبول بخشے اور زادِ راہِ آخرت بنائے۔ آمین۔

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم
صد شکر آمدم میانِ دو کریم

یکم صفر ۱۳۹۹ھ
یکم جنوری ۱۹۷۹ء

محمد عنایت اللہ وارثی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

انسانی فطرت اور جنگ

انسانی وجود مختلف الکیفیات عناصر کی ترکیب سے بنایا گیا ہے جو بالکل ایک دوسرے کے مخالف اور ایک دوسرے کی ضد ہیں، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ ضد اور لڑائی جھگڑا انسان کی طبیعت میں پیدائشی طور پر شامل ہے، تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس مرکب کے ہر ایک جزو کی ایک علیحدہ خواہش اور جُداگانہ تقاضا ہے۔ مثلاً پانی اگر اپنے فطری تقاضے اور خواہش کے مطابق ٹھنڈک کا اثر پیدا کرنا چاہے، تو آگ اپنی ذاتی گرمی سے اس کا راستہ روکنا چاہے گی۔ اور اگر آگ تیزی دکھانا چاہے تو پانی اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوگا۔ اس لیے جہاں یہ علیحدہ علیحدہ اور مختلف تاثیریں رکھنے والے عناصر جمع ہوں گے وہاں تنازع اور لڑائی جھگڑے کا وجود بھی موجود رہے گا۔

غالباً آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جب خدا تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔۔۔ میں زمین میں اپنا نائب مقرر کرنیوالا ہوں

تو فرشتوں نے آگ پانی سے مل کر وجود میں آنے والی اس مخلوق اور اس کی زندگی اور زندگی کے تقاضوں کے متعلق اسی بنا پر یہ اندازہ لگایا تھا:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا ۔۔۔ اے باری تعالیٰ! تو ایسا وجود پیدا کر
وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ (البقرہ) ۔۔۔ رہا ہے جو زمین میں فساد اور خونریزیاں کرے گا۔

بہر حال یہی وجہ ہے کہ انسان تو درکنار ہر جاندار اپنے مقصد اور مدعا کو حاصل کرنے کے لیے

دوسرے ہم جنس یا ہر اُس شخص سے لڑنے جھگڑنے اور ہر اُس طاقت سے اُلجھنے کو تیار ہوتا ہے جس کو اپنے مقصد اور مدعا کے حاصل ہونے میں رکاوٹ خیال کرتا ہے۔ کیونکہ لڑنا جھگڑنا اُس کا طبعی اور پیدائشی تقاضا ہے۔

جنگ کی حقیقت

یہ مان لینے کے بعد بھی کہ لڑنا جھگڑنا انسان کا طبعی تقاضا ہے اور اپنے مدعا کو حاصل کرنے کے لیے اُسے لڑنے کا ہر وقت حق حاصل ہے۔ اِس امر کا فیصلہ کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ وہ مقصد اور مدعا جس کو حاصل کرنے کے لیے کوئی لڑنے والا لڑ رہا ہے کہاں تک صحیح ہے؟ کیونکہ لڑائی جھگڑے کا جائز و ناجائز اور حق و ناحق قرار دینا صرف تنازعہ کرنے والے کے مدعا او مقصد کے حق و ناحق، جائز و ناجائز اور درست و نادرست پر موقوف ہے۔ اگر مدعا صحیح ہے، تو اُسے حاصل کرنے پر جھگڑنا بھی جائز اور درست ہوگا اور اگر مدعا ہی غلط اور ناجائز ہے، تو اس پر لڑنا اور زور دینا اَور بھی بُرائی اور فتنہ پروری ہوگا۔ اور لڑنے والا ایسا گنہگار اور غلط کار سمجھا جائے گا جس طرح قدرت کی بخشی ہوئی پیدائشی نعمتوں کو بے محل اور بے جا بلکہ خلاف فطرت استعمال اور صرف کرنے والا ہر احمق دنیا کی نگاہ میں ذلیل اور بداعمال سمجھا جاتا ہے۔

جھگڑے کی ایک قسم تو ایسی ہے جو بالکل ناجائز ہوگی۔ لیکن جائز جھگڑوں کے بھی مدعا او مقصد کے رتبے کے مطابق مختلف درجے ہوں گے۔ جس قدر کسی کا مقصد بلند ہوگا اس مقصد کے حاصل کرنے پر لڑنے والا بھی اسی قدر درجے کا مستحق ہوگا یعنی ہر لڑنے والا اپنے مقصد کی بلندی اور پاکیزگی کے مطابق رتبہ پائے گا۔

چند توضیحی مثالیں

حیوان دوسری دنیا کے تصور سے محض بے خبر ہیں اور آخرت کے عقیدے سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ ان کی دنیا یہی دنیا ہے۔ یہیں کا نفع نفع اور یہیں کا نقصان،

نقصان۔ بلکہ ان میں بھی کئی پرندے چرندے اور درندے ایسے ہیں جنہیں اس دنیا میں بھی کل کے لیے ذخیرہ کرنے کا پورا شعور نہیں۔ دن کو گھونسلے سے اُٹھے دانہ دُنکا چُگ کر پیٹ بھرا اور رات کو لوٹ آئے۔ نت نئے میدان اور جنگل میں چرچُگ کر گذر اوقات کر لیا شکاری جانوروں اور اکثر درندوں کا یہی حال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کا تنازع اور جنگ بھی کسی عقلی اور شعوری بنیاد پر مبنی نہیں محض خواہش نفس اور پیٹ کا ادنیٰ دھندا ان کے سامنے ہے جس طرح ان کا مقصد عارضی اور سطحی ہے اسی طرح ان کا تنازع اور ان کی جنگ بھی سطحی اور وقتی ہوتی ہے جس کا کوئی مستقل نتیجہ نہیں۔

۲۔ بچے اپنی ضرورت کی چیزوں پر لڑتے جھگڑتے ہیں۔ ان کے مقاصد کی بلندی اس حد تک ہوتی ہے جو ان کی چھوٹی سی عقل، تھوڑے سے تجربے اور مختصر ماحول نے اپنے حالات کے مطابق مقرر کر لی ہے۔

ایک لڑکا جھگڑ کر، رو کر، اماں سے شکایت کر کے جب اپنے حصہ سے زائد بہن یا دوسرے بھائی سے حاصل کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی اپنے تجویز کیے ہوئے مقصد کے طبعی تقاضے کے مطابق کشمکش حیات کی منزلیں طے کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے مقصد کی بلندی ظاہر ہے۔ اس کی نسبت وہ بچہ جو کاغذ، قلم اور حسب ضرورت کتاب خریدتے وقت یا فیس مہیا کرنے یا اسکول کی بروقت حاضری کے لیے ضروری سامان کی فراہمی کے سلسلہ میں خواہ ماں اور باپ ہی سے جھگڑا کرتا ہے، مقصد کے لحاظ سے اس کا جھگڑا پہلے بچے کی نسبت یقیناً بلند اور قیمتی ہوگا اور ہر دیکھنے سننے والا اسے جھگڑنے میں حق بجانب سمجھے گا خواہ وہ ماں باپ ہی سے کیوں نہ جھگڑ رہا ہو۔

جنگ کی مختلف حیثیتیں

جس طرح انسان کے بچپن کی یہ دو حیثیتیں ہیں یعنی ایک حیثیت وہ جس میں صرف

کھانے پینے پہننے اور کھیلنے کے مقصد کو سامنے رکھ کر ایک بچہ دوسرے ہم جنسوں ساتھیوں اور اپنے چھوٹے بڑے متعلقین سے لڑتا ہے، اور دوسری حیثیت وہ جس میں کوئی سعادتمند بچہ علمی شوق میں تعلیمی ضروریات کے حصول جیسے بلند مقصد پر جھگڑتا ہے۔ بعینہٖ انسان جس وقت بالغ ہو جاتا ہے اور سن شعور کو پہنچتا ہے تو اُس وقت بھی اُس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں:

۱۔ ایک مادی حیثیت جس کے تحت انسان جسمانی اور نفسانی تقاضے پورے کرتا ہے اور پورا کرنے کے لیے جد وجہد کرتا ہے۔

۲۔ دوسری روحانی اور اخلاقی حیثیت جو انسان کے حقیقی کمال کی ضامن اور اس مقصد و مدعا کی راہنما ہے جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

پھر ان دونوں حیثیتوں میں سے ہر ایک حیثیت کے دو درجے ہیں۔

پہلی یعنی انسان کی مادی حیثیت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان انفرادی اور ذاتی حیثیت سے زندگی بسر کرے۔ اپنے اور بیوی بچوں کی حفاظت و نگہداشت میں لگا رہے۔ کمائے تو اپنے لیے اور خرچ کرے تو صرف اپنی ضروریات پر۔ اس صورت میں اس کے جھگڑے تنازعے گو بچپن کے جھگڑوں سے ذرا وسیع ہوں گے لیکن پھر بھی وہ اتنے ہی پھیل سکیں گے کہ جہاں بچپن میں وہ کھلونوں اور مٹی کے گھروندوں پر بگڑتا اور اپنے ساتھ کھیلنے والے بچوں سے لڑتا جھگڑتا تھا، آج وہ زمین، مکان اور خاندانی جائداد حاصل کرنے پر حصہ داروں سے لڑتا ہے، اپنی عزت، بچوں کی حفاظت اور بیوی کے ناموس پر لڑتا ہے اور اپنے خاندان آبرو پر جان دیتا ہے۔ اور ان تقاضوں پر مر مٹنا کامیاب اور آبرومند زندگی کی علامت یقین کرتا ہے۔

اس کا یہ جذبہ جب ترقی کرتا ہے اور مادی حیثیت کا دائرہ وسیع ہو کر انفرادی حیثیت سے اجتماعی صورت اختیار کرتا ہے، تو انسان کی جد وجہد ایک مکان کی حفاظت، ایک مکان میں رہنے والے چند افراد کی نگہداشت اور ایک ہی خاندان کی عزت و ناموس پر مٹنے

کی حد تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ پھیل کر ایک بہت بڑے ملک کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے اور وسیع خطۂ ارضی کو اپنی ہمدردیوں اور حمایتوں کا مستحق قرار دے لیتی ہے۔
یہاں پہنچکر انسان صرف اپنے روٹی کپڑے، مکان اور ذاتی ضروریات کے لیے نہیں لڑتا بلکہ اب اُس کی جنگ ایک مکان کے بجائے کئی شہروں کی فتح اور ملکوں کی تسخیر کے لیے ہوتی ہے اور لاکھوں افراد اپنے سربراہِ مملکت اور اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جانیں دے دیتے ہیں —— گو اس سلسلہ میں ایک انسان دوسرے کے لیے جان دے دیتا ہے لیکن مقصد پھر بھی مادی ہوتا ہے۔
یہ انسان کی مادی حیثیت کی ترقی یافتہ صورت میں دنیوی بادشاہت کا رتبہ ہے یہاں ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سے لڑتا ہے۔
اب انسان کی روحانی حیثیت پر غور کرو۔ انسان کی اس حیثیت کے بھی مادی حیثیت کی طرح انفرادی اور اجتماعی دو درجے ہیں۔

جس طرح انسان مادی حیثیت کے پہلے درجہ میں انفرادی طور پر صرف اپنے مال و جان، عزت و آبرو اور اپنے خاندان کی حفاظت میں لڑتا ہے، اسی طرح اخلاقی اور روحانی حیثیت کا بھی پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان ذاتی طور پر اپنے عقیدہ، ایمان اور اخلاق و عادات کی حفاظت کرے اور اس حفاظت میں اپنی تمام جدوجہد صرف کرے۔ جو طاقت اُسے اپنے عقیدہ میں خلل ڈالتی نظر آئے، اُس سے ٹکرا جائے اور ہر اُس شخص کا مقابلہ کرنا اپنا فرض یقین کرلے جو اس کے ایمان اور پاکیزہ اخلاق کو بگاڑتا نظر آئے۔ خواہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار بہن بھائی اور ماں باپ ہی کیوں نہ ہو۔ بیوی، بچوں، نوکروں اور گھر میں رہنے والے تمام زیرِ اثر لوگوں کے عقیدہ اور اخلاق کی حفاظت اس طرح فرض جانے جس طرح اپنے عقیدہ کو محفوظ رکھنا ضروری خیال کرتا ہے۔ نماز، روزہ اور انفرادی حیثیت کی ہر عبادت بھی اسی ضمن میں آجائے گی ...

جنگ کی آخری اور اعلیٰ حیثیت

اس حیثیت کا دوسرا اور بلند درجہ یہ ہے کہ جس طرح مادی دنیا میں انسان ایک گھر کی ذمہ داریوں سے ترقی کر کے ملک گیری اور شاہنشاہیت تک پہنچا اور اپنے آپ کو دوسروں کی عزت و ناموس اور مال و جان کا محافظ تصور کرنے لگا تھا۔ اور اس وسیع تر ذمہ داری میں مرنا مارنا اور لڑنا ضروری خیال کیا گیا۔ ٹھیک اسی طرح کمال عقل و شعور اور حق آگاہی سے اپنے صحیح عقیدے اور بلند اخلاق کی حفاظت کے ساتھ صرف ایک خاندان نہیں بلکہ تمام نسل آدم اور ایک ملک نہیں بلکہ ساری دنیا میں صحیح عقیدے کی اشاعت اور بلند اخلاقیوں کی حفاظت اور نگہداشت کو اپنا فرض لقین کرے۔ کیونکہ خدا نے اسے اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کہہ کر زمین پر اپنا نائب مقرر کر کے اپنے قانون کے نفاذ کی ذمہ داری اس کے سپرد کی ہے۔

اس کا یہ مقصد اتنا بلند اور پاکیزہ ہے کہ کوئی مقصد و مدعا اس کے مقابلہ میں اپنے اندر اس قدر پاکیزگی، بلندی اور وسعت و جامعیت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقصد پر اس کا لڑنا اور جھگڑنا جائز، درست اور ہر لحاظ سے صحیح ہے بلکہ مقصد کی بلندی کے مطابق بلندئ درجات کا موجب۔

دلائل

اس مقصد پر لڑنے والا کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے مفاد کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے اور محض احکم الحاکمین کے حکم کی تعمیل کو اپنا فرض یقین کرتا ہے۔ جس طرح فرشتے خدا تعالیٰ کے احکام اور منشا کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت کام میں لگے ہوئے ہیں، بالکل اسی طرح خدا کے یہ بندے خاص ڈیوٹی پر متعین ہیں۔ یہ اگر کسی کو قتل بھی کرتے ہیں تو ان کی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح جلاد بادشاہ کے حکم سے کسی مجرم کو قتل کرتا ہے اور اس صورت میں یہ قتل براہِ راست بادشاہ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ جلاد کی طرف۔

خدائے تعالیٰ نے سورہ انفال میں جنگ بدر کے موقع کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (انفال۔ رکوع ۲)	ان کافروں کو تم نے نہیں قتل کیا بلکہ خدا نے قتل کیا ہے۔

مسلمان کا فرض

انسان کو یہ رتبہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جس صورت میں انسان کا لڑنا محض خدا کے حکم کی تعمیل کے لیے اور مقصد صرف خدا کے قانون کو خدا کی زمین پر نافذ کرنا ہو تاکہ خدا کا منشار پورا ہو اور ہر طرف نیکی ہی نیکی پھیل سکے اور انسان دنیا میں خدا کی نیابت اور خلافت کا حق صحیح معنوں میں ادا کر سکے۔ چونکہ اسلام ہی ایک ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے جو اس جلیل القدر ذمہ داری کو پورا کرنے کا اہل ہے اس لیے اسی کو حق پہنچتا ہے کہ دوسرے تمام نظاموں پر غلبہ حاصل کرے۔ قرآن فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (فتح۔۴)	وہ خدا جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ تمام دینوں پر اسے غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔

کیونکہ حق اگر باطل کے مقابلہ میں مغلوب ہو جائے تو اس کا نتیجہ تباہی کے بغیر اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ قرآن فرماتا ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ	اگر حق ان کی خواہشات کے پیچھے لگ جائے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔

شرائط جہاد

یہی وجہ ہے کہ اس ذمہ داری کو خاص شرائط سے مشروط کر کے تمام نیک اعمال سے بڑھ کر اس کو رتبہ دیا۔ ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں:

جآء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رجلٌ یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیُری مکانہٗ فمن فی سبیل اللہ، فقال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العُلیا فھو فی سبیل اللہ ۔	ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ایک آدمی غنیمت حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے اور ایک شہرت و ناموری کے لیے اور ایک کا مقصد عزت و مرتبہ حاصل کرنا ہے، ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں لڑنے والا وہ ہے جو محض اللہ کی بات بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے۔

ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت کی ہے :

ان رجلا قال یا رسول اللہ رجل یرید الجھاد فی سبیل اللہ وھو یبتغی عرضًا من عرض الدنیا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا اجر لہٗ ۔	ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ایک شخص جہاد میں شریک ہوتا ہے مگر وہ دنیوی مقاصد میں سے کسی مقصد کا طالب ہوتا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اُسے کوئی اجر و ثواب نہیں ۔

جہاد یا اسلامی جنگ کا درجہ

جہاد وہ جنگ ہے جسے اکثر حدیثوں میں افضل الاعمال (تمام نیک اعمال سے افضل عمل) کہا گیا ہے۔ جب بعض صحابہؓ نے نیکی کے شوق میں بہترین عمل کے متعلق دریافت کیا تو سورۂ صف نازل ہوئی۔

اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا	خدا یقیناً اُن لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی

كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۔ دیوار کی طرح کھڑے ہو کر لڑتے ہیں۔

اس بلند مقصد پر لڑنے والوں کا اجر و ثواب مقصد کے لحاظ سے ایسا ہی بلند ہے۔

حضور نرم فرماتے ہیں :

رباط یوم فی سبیل اللہ اللہ کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری

خیر من الدنیا وما فیھا۔ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔

آپ فرماتے ہیں :

"جس شخص نے خدا پر یقین رکھ کر اور اس کے وعدے کو سچا سمجھ کر اس کی راہ میں گھوڑا باندھا، یقیناً اس کو چارہ ڈالنا، پانی پلانا اور اس کی لید پیشاب کی تکلیف برداشت کرنا، یہ سب کچھ قیامت کے دن اس کی میزان حساب میں شمار ہو گا"

پھر فرمایا :

من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہٗ مات علیٰ شعبۃ من النفاق۔ جو شخص اسی حالت میں مر گیا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں ارادہ ہی پیدا ہوا، وہ نفاق کی موت مرا۔

درجے کا سبب

یہ سب کچھ کیوں ہے؟ محض اس لیے کہ اس لڑائی کا مقصد مال و دولت حاصل کرنا، عیش و عشرت کی خواہش، ملک گیری کی ہوس اور ظلم و تعدی یا جبر و تغلب نہیں۔ بلکہ صرف خدا کے قانون کی اشاعت و تبلیغ ہے جس کا نتیجہ انسانی معاشرے کا امن و امان، عدل و انصاف، راحت و آرام، عزت و ناموس کی حفاظت، مظلوم کی حمایت، ظالم کی سرکوبی، انسانیت کا بچاؤ، غرض نیکی کی تائید اور برائی کی مخالفت ہے۔ اس کے علاوہ کوئی غرض پیش نظر نہیں

انسانی جان کی قیمت

ان تمہیدی الفاظ سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ جہاد تمام نیکیوں سے افضل نیکی اور تمام اعمال سے افضل عمل ہے، وہاں یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ اسلام نے جہاد کے بغیر لڑنے کی کہیں اجازت نہیں دی۔ بلکہ ایک جان کے ناحق قتل کو تمام نسلِ آدم کے قتل کے برابر قرار دیا ہے۔ قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا۔

جس کسی نے ایک جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر یا فساد کی غرض سے مار ڈالا گویا اُس نے تمام لوگوں کو مار ڈالا۔

توضیحِ مطالب

اوپر کی سطور پڑھنے سے ذیل کے چند نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

(۱) انسان کی طبیعت میں لڑنے بھڑنے کے جذبات اور میلانات پیدائشی طور پر موجود ہیں۔

(۲) انسان جس چیز کو اپنی عقل و دانست کے مطابق اپنا حق سمجھتا ہے اسے حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے۔

(۳) اگر وہ چیز یا مقصد جسے حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے، اس کا حاصل کرنا صحیح اور درست ہے، تو اس کا لڑنا جھگڑنا بھی جائز اور درست ہوگا اور اگر وہ مقصد ہی ناجائز اور باطل ہے تو اس پر لڑائی جھگڑا بھی غلط اور ناجائز سمجھا جائے گا۔

(۴) چونکہ کسی چیز کو جائز اور ناجائز اور حق و ناحق قرار دینا کائنات کے پیدا کرنے والے سب کے خالق اور مالک خدا ہی کا حق ہے۔ اس لیے انسان جب خدا کے حکم کے مطابق کسی چیز کو حق سمجھ کر اُسے حاصل کرنے کے لیے لڑے گا تو یہ لڑنا بھی جائز

(۵) اسلامی عقیدے کی رو سے انسان دنیا میں خدا کا نائب اور اُس کے قانونِ فطرت کو روئے زمین پر نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے، اِس لیے مسلمان کا خدا کی راہ میں لڑنا انتہائی نیکی اور انسانیت کی خدمت ہے اور اس سے غفلت ویسے بڑا ہی عین گمراہی ہے۔

ابتدائی لڑائیاں

اب ان مقدمات کو سامنے رکھ کر ان لڑائیوں کے حالات اور واقعات پر غور کرو جو اسلام کو اپنے ابتدائی دور میں لڑنی پڑیں اور جن میں صحابہ کے مقدس گروہ کے علاوہ خود رحمتِ عالم رحمِ مجسم فخرِ وُلدِ آدم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ اقدس موجود تھے۔ اور دیکھو کہ جنگ جیسے وحشیانہ فعل کو اسلام کے خدائی قانون نے کن اخلاقی پابندیوں میں مقید کر کے تمام اعمالِ انسانی میں افضلیت اور اولیت کا رتبہ دے دیا اور لڑائی کو بنی آدم کی ہلاکت کے بجائے انسانیت کی خدمت کا شرف بخش دیا۔

اسبابِ جنگ قرآن کی روشنی میں

جنگ کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے پہلے قرآن کریم کے ان احکام کو دیکھ لینا مناسب ہے، جو جنگ کے متعلق حسبِ موقعہ وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے۔

قرآن نے ان سب اسباب و وجوہ کی وضاحت فرمائی ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی۔

سب سے پہلا تعلق انسان کو اپنے وجود سے ہے جس پر باقی تمام مقصدوں اور مدعاؤں کا انحصار ہے۔ اگر انسان کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے یا مٹ جائے تو پھر وہ تمام مقاصد جو انسانی زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں، خود بخود نابود ہو جائیں گے، خواہ وہ کتنے ہی اعلیٰ ارفع اور بلند ہوں۔

دوسرے درجے پر وہ مقصد سامنے رکھا جائے گا جو تمام مقاصد سے مقدم اور بلند ہے۔

مسلمانوں کی تمام لڑائیاں چونکہ محض دفاعی جنگیں تھیں یعنی صرف دشمن کے حملوں کی روک تھام اور ان کے جنگی منصوبوں کی مدافعت تھی نہ کہ جارحانہ اقدام جس میں خواہ مخواہ دوسرے فریق پر حملہ کیا گیا ہو، اس لیئے مسلمان کے دفاع کی بھی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اپنی جان کو ظلم و تعدی سے بچایا جائے۔

(۲) دوسرے یہ کہ قرآن کی سچی دعوت، اسلام کی پاک تعلیم اور نیکی کے بلند مقصد کو مخالفانہ او معاندانہ حملوں سے محفوظ رکھا جائے۔

دوسری قسم کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً اسلام کی طرف دعوت دینے والے کی راہ میں کاٹیں پیدا کی جائیں یا اسلام قبول کرنے والوں کو یہ حسب پسند عقیدہ اختیار کرنے میں مزاحمت کی جائے۔ یا اسلام قبول کر لینے پر مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر کے اختیار کردہ عقیدہ چھوڑ دینے پر کسی کو مجبور کیا جائے۔

قرآن کریم نے ان سب حالات پر بہ تفصیل روشنی ڈالی ہے اور ہر ایک صورت پر حسب مواقع احکام صادر فرمائے ہیں۔

اجازتِ جہاد کا پہلا حکم

سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے حسب ذیل ہے

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ	جن (مسلمانوں) سے (کافر) لڑتے ہیں ان
ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ	کو (بھی) ان کافروں سے (لڑنے کی) اجازت
لَقَدِيْرُ ۨالَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ	ہے۔ اس واسطے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور بیشک
دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ	اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ ہیں
يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْ لَا	جو صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار
دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ	اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے
[illegible]	گئے اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ

وَصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (الحج)

ہٹواتا رہتا تو (نصاریٰ کے) صومعے اور گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ ضرور اُس کی مدد کرے گا بے شک اللہ زبردست غالب ہے۔ یہ لوگ (یعنی مسلمان) اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو نمازیں پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کام کے لیے کہیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے اور سب چیزوں کا انجام کار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اجازت کی وجوہات

اس آیت میں حسب ذیل امور کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۱) جہاد کی اجازت۔

(۲) اجازت کی وجہ۔

(ا) پہلی وجہ مسلمانوں پر ظلم و ستم وہ بھی محض اس لیے کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار مان چکے ہیں اور اُسی کی حکومت کے تحت رہنا چاہتے ہیں۔

(ب) دوسری وجہ یہ کہ ان کو ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا ہے۔

(ج) تیسری وجہ یہ کہ اگر مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ دی گئی اور مخالفین حق کے فتنہ کی روک تھام نہ کی گئی تو ہر مذہب و ملت کی عبادت گاہیں تباہ و برباد ہو جائیں گی جہاں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ان کے اوصاف بیان فرماتے ہیں یا ان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ جب انہیں ظالموں پر فتح حاصل ہو تو ان کے لیے لازم ہے کہ نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کرتے رہیں لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکنا اپنا فرض سمجھیں۔

کن لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ
یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ
حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ
مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ
اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی
یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ
فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ
الْكٰفِرِیْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْهُمْ
حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ
الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا
عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝
اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ
وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی
عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ

اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے
لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، زیادتی کرنے
والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا اور مار دو ان کو
جہاں پاؤ اور نکالو اُن کو جہاں سے اُنہوں نے
تم کو نکال دیا اور دین سے بچلانا قتل سے
بھی بدتر ہے اور نہ لڑو اُن سے جب تک
وہ نہ لڑیں تم سے نزدیک مسجد حرام کے پس
اگر وہ لڑیں تم سے تو ان کو مارو یہی سزا ہے
منکروں کی۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو
اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور لڑو
اُن سے جب تک نہ باقی رہے فساد اور
رہے حکم اللہ کا۔ پھر اگر وہ باز آجاویں
تو زیادتی نہیں مگر بے انصافوں پر۔
حرمت کا مہینہ مقابل حرمت کے مہینے
کے اور ادب رکھنے میں بدلہ ہے۔ پھر
جس نے تم پر زیادتی کی تم اُس پر زیادتی کرو
جیسے اُس نے زیادتی کی تم سے اور

مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ	ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝	پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ ۲۴)

ان آیات میں اُن لوگوں کی نشان دہی کی گئی ہے جن سے لڑنے کی مسلمانوں کو اجازت دی گئی۔

- یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں سے لڑے ہیں۔
- جنھوں نے مسلمانوں کو اُن کے گھروں سے نکالا۔
- اور محض دین کی بنا پر مصیبت میں مبتلا کیا۔
- اور پھر اس جنگ کی ایک حد مقرر کر دی۔ یعنی فتنہ ختم ہونے تک، یہاں تک کہ ہر آدمی کو مذہبی آزادی حاصل ہو جائے اور اس خرابی کے فتنہ کو جنگ سے بھی بڑھ کر خطرناک اور فساد انگیز قرار دیا۔
- معاہدہ مقرر کیا جس سے حرم میں لڑنے سے روک کر جنگ کو محدود کر دیا گیا۔
- وقت کی پابندی لگا دی جس سے سال میں چار مہینے حرمت کے بالکل کاٹ دیئے ذی قعد، ذی الحج، محرم اور رجب۔ گویا مسلمان کی زندگی کا تیسرا حصہ شر سے جنگ سے خالی ہے۔ اور یہ خصوصیت مسلمان کے سوائے دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔
- زیادتی سے روک دیا اور وضاحت کر دی کہ زیادتی کرنے والا خدا کی ناراضگی کا مستوجب ہوگا۔ یہ نہیں کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ درست اور جائز ہے جو چاہو کرو۔

مظلوم کی امداد

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ	اور تم کو کیا ہے کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ	اور واسطے اُن کے جو مغلوب ہیں مرد،
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ	عورتیں اور لڑکے جو کہتے ہیں اے رب
الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا	ہمارے! نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ	ہیں لوگ اس کے اور پیدا کر واسطے
اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ	ہمارے اپنے پاس سے کوئی حمایتی
وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ	اور پیدا کر واسطے ہمارے اپنے پاس
نَصِيْرًا (النساء۔ رکوع ۶)	سے مددگار۔

اس آیت میں جہاد پر آمادگی کے دو سبب بیان فرمائے ہیں:

(۱) سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں آزادی حاصل کرنے کے لیے۔

(۲) کمزور مسلمانوں کو آزادی دلانے کے لیے جنہیں مکے میں بالجبر روک کر ظلم وستم کا تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے اور وہ خدا کے سوا کوئی سہارا نہ پاکر عاجزانہ دعائیں کر رہے ہیں ان کی تنگی، تکلیف اور بے کسی کی انتہا یہ ہے کہ یہ مظلوم اپنے وطن، اپنے شہر اور اپنے گھروں سے نکل جانے کی دعائیں کر رہے ہیں جہاں سے یہ ظالم نکل جانے کی اجازت اور گنجائش نہیں دیتے۔

صلح کی قدر وقیمت

پھر ان کفار سے لڑنے کی ممانعت کر دی جو فتنہ وجنگ سے علیحدہ رہیں اور مذبذب سے نہیں بلکہ حقیقتاً اُن کا میل صلح یا اسلام کی طرف ہو۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ	تو اگر تم سے کنارہ پکڑیں پھر نہ لڑیں
وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ	اور تمہاری طرف صلح ڈالیں تو اللہ نے ان
اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا (نساء ۹)	پر تمہیں کوئی راہ نہیں دی۔

پھر فرمایا:۔

فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ	اور اگر وہ صلح کو جھکیں تو تو بھی اُسی
لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ	طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ کر بے شک
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا	وہی ہے سننے والا جاننے والا اور اگر وہ

اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (انفال۔ رکوع ۸)

تجھ کو دھوکہ دینا چاہیں تو تجھ کو اللہ کافی ہے۔ اُسی نے تجھ کو اپنی مدد کا زور دیا اور مسلمانوں کا۔ اور ان کے دلوں میں الفت ڈالی ہے۔

اِس آیت نے بالکل مجبور کر دیا کہ دشمن جب صلح کے لیے نرمی کرے تو فوراً جھک جاؤ۔ خواہ دشمن اس سلسلہ میں دھوکہ ہی کیوں نہ دینا چاہتا ہو۔ کیونکہ اصل غرض محض دعوتِ اسلام کے لیے امن کی فضا قائم کرنا ہے اور فتنے کو ختم کرنا اور صلح سے بڑھ کر اس غرض کی کفیل اور ضامن اور کون سی صورت ہو سکتی ہے۔

عہد شکنی

ان تمام اسبابِ جہاد کے علاوہ قرآنِ پاک نے ایک اور سبب بھی بیان فرما دیا ہے اور وہ عہد شکنی ہے۔ اس سلسلہ میں فرمایا ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (توبہ۔ رکوع ۲)

اور اگر توڑیں اپنی قسمیں عہد کے پیچھے اور عیب دیویں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے۔ ان کی قسمیں کچھ نہیں شاید وہ باز آویں۔ کیوں نہ لڑو تم ایسے لوگوں سے کہ توڑیں اپنی قسمیں اور رسول کو نکال دینے کی فکر میں ہیں اور اُنہوں نے تم سے پہلے چھیڑ کی۔ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ کا ڈر تمہیں زیادہ ہونا چاہیے۔ اگر ہو تم ایماندار۔

چونکہ زیادتی کرنے والوں پر زیادتی کی اجازت دی جاچکی ہے اور یہ لوگ عہد شکنی کے ساتھ طعن فی الدین کے بھی مرتکب ہو رہے ہیں اور پھر ان تمام جرائم کے ارتکاب میں پہل کرنے والے بھی یہی ہیں اس لیے اب ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔

جہاد کی عمومیت

اب تک معاملہ صرف قریش مکہ سے تھا لیکن جب عہد شکنی کا سوال آتا ہے تو مدینہ کے یہود بھی اس ضمن میں آجاتے ہیں کیونکہ وہ بھی عہد توڑ کر قریش کے ساتھ شامل ہوئے تھے (تفصیل آئندہ واقعات میں آئے گی) اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر یقین
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا	نہیں رکھتے اور نہ آخرت کے دن پر اور
يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ	نہ حرام جانتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ
وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ	اور اس کے رسول نے حرام کیا اور نہ سچے دین کو
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى	قبول کرتے ہیں اہل کتاب سے یہاں تک
يُؤْتُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ	کہ وہ بے وقار ہو کر اپنے ہاتھ سے
هُمْ صٰغِرُوْنَ. (توبہ-۴)	جزیہ دیں۔

آخر میں جزیرۂ عرب کے قبائل بھی اسلام کے خلاف متحد ہو گئے تو حکم دیا۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً	لڑو مشرکوں سے ہر حال میں جیسے
كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً (توبہ-۵)	وہ لڑتے ہیں تم سے ہر حال میں۔

خلاصۂ مطالب

قرآن پاک نے جہاد کے متعلق جو احکام دیے ہیں یہ ان کا خلاصہ اور لب لباب ہے اور ان میں کا ہر ایک حکم صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اسلام نے صرف دفاعی ضرورت کے لیے جنگ کی اجازت دی

• اپنی جان کی حفاظت کر سکے۔

• دعوتِ حق کی راہ میں جو فتنے کھڑے کیے جائیں اُن کا سدِ باب کر کے امن و آزادی کی فضا پیدا کر سکے اور اشاعتِ دین اصل نصب العین کے مطابق مسلمان زندگی بسر کر سکے۔

• اور زیادتی کا مرتکب کسی حالت میں نہ ہو۔ جب کوئی صلح کی جانب مائل نظر آئے تو فوراً صلح کے لیے جھک جائے۔

صلح و سلام کے ان مقاصد کی تائید کے متعلق مفصل حکم دیکھنا چاہو تو سورۂ ممتحنہ کی حسب ذیل آیت ملاحظہ ہو۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۲)	اللہ تم کو ان کے ساتھ بھلائی کرنے اور انصاف کا سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے سلسلے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو تم کو ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین پر لڑے ہیں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے پر اجماع کیا تو جو ان سے دوستی کرے وہ ظالم ہیں۔

نتائج

اس تمہید سے جو قرآنِ پاک کے بیان کردہ حقائق کی روشنی میں لکھی گئی ہے اس قدر ضرور واضح ہو گیا ہو گا کہ مسلمانوں کی جنگ کے مقاصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان ظالموں کے ظالمانہ اقدامات کی مدافعت اور روک تھام کی جائے جو دعوتِ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں یا مسلمانوں پر حد سے زیادہ جبر و تشدد کرتے ہیں۔

۲ ۔ ہر ممکن طریقے سے قرآن کی نشر و اشاعت کو روکتے ہیں جو نوع انسانی کے لیے امن اور سلامتی کا پیغام لے کر آیا ہے ۔

۳ ۔ اسلام قبول کرنے والوں کو ان کے گھر بار سے نکالتے اور مال و املاک سے بے دخل کرتے ہیں ۔

۴ ۔ ان مظالم کو انجام دینے کے بعد بھی ان کی آتش غضب ٹھنڈی نہیں ہوتی اور پھر منظم صورت میں ان پر چڑھائیاں کرتے اور لڑتے ہیں ۔

آئندہ اوراق کے مطالعہ سے واقعات کی روشنی میں حرف بحرف اس دعوے کی تصدیق ہوگی ۔

اس کے مقابلہ میں آج کی مہذب دنیا کا حال دیکھو جو اسلامی جنگوں پر معترض ہے ایک ملک دوسرے پر اس مقصد کے پیش نظر چڑھائی کرتا ہے کہ زیر عتاب ملک میں سونے کی کانیں اور تیل کے چشمے ہیں اور ہر قسم کے غلے کی فراوانی ہے ، خام لوہے کے ذخیرے ہیں ، روئی پٹ سن اور دیگر خام اجناس جن پر عیش و عشرت کا مدار ہے ملک میں زیادہ پیدا ہوتے ہیں ۔ اگر کسی ملک سے معاہدے ہوتے ہیں تو انہی مقاصد کے تحت جنگ چھڑتی ہے تو اسی رشک و عناد کی بنا پر ۔ پھر نہ صلح پر کوئی بھروسہ نہ جنگ کا کوئی اصول ۔ ہوس ہی ہوس اور استحصال ہی استحصال ۔

قرآن پاک کا مقصد یہ نہیں کہ دنیا ان واقعات کو شہنشاہی تاریخ کی حیثیت سے یاد رکھے ، بلکہ غرض یہ ہے کہ ان حق و باطل کے معرکوں سے صحیح عبرت حاصل ہو ۔ اور نور ایمان چمک سکے ۔

خداوند کریم ہر سعید روح کو ہدایت کی توفیق دے ۔

جنگِ بدر

۲ ھ

تمہید

تاریخی واقعات کی کڑیاں ایک دوسری سے جڑی ہوتی ہیں۔ ایک واقعہ دوسرے کا سبب بن جاتا اور بنتا چلا جاتا ہے۔ اِس لیے جب تک واقعات کا سارا سلسلہ سامنے نہ ہو، بعد میں پیش آنے والے کسی واقعہ کی حقیقت اور اصلیت پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔ بدر کا واقعہ اگرچہ ۲ھ میں پیش آیا جب کہ حضور اکرمؐ کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لاتے بارہ مہینے سے زاید عرصہ گزر چکا تھا لیکن اس سے پہلے تیرہ سال مکے کی پُر آشوب زندگی بھی اپنے اندر گہرے نتیجہ خیز اور طوفانی واقعات کا ایک طویل سلسلہ محفوظ رکھتی ہے جن میں کا ایک ایک واقعہ بعد میں آنے والے بڑے بڑے حادثات کا واحد سبب بن سکتا ہے۔

صرف جنگ کے حالات قلمبند کرنے کی صورت میں ایسے تمام ابتدائی واقعات نظر انداز کرنے پڑیں گے جو آپس میں بالکل اسی طرح جڑے ہوئے اور ایک دوسرے سے متعلق اور وابستہ ہیں جس طرح درخت کی ٹہنیوں، شاخوں، پتوں اور پھلوں کے ساتھ جڑیں وابستہ ہوتی ہیں۔ خواہ وہ نظر نہ آئیں تاہم اُن کا پتوں اور درخت کے پھل پھول کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے جو کسی حالت میں ٹوٹ نہیں سکتا۔ بلکہ پتوں کی سرسبزی، پھلوں کا وجود اور ترقی یہاں تک کہ تلخی و شیرینی یہ سب کچھ زمین میں چھپے ہوئے نہ نظر آنے والے انہیں چند

رلیشوں پر موقوف و منحصر ہے۔ جڑ سے تعلق ٹوٹ جائے تو سارا درخت خشک ہو کر بے کار ہو جائے گا۔

ہم چونکہ صرف لڑائیوں کے حالات لکھنا چاہتے ہیں، اِس لیے ناظرین مکی زندگی میں مسلمانوں کی ان شدید تکلیفوں اور درد انگیز مصیبتوں کا خود اندازہ کرلیں جو انہیں محض قبولِ اسلام کی بنا پر قریش کے کافروں کی طرف سے جھیلنا پڑیں اور جن کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا گھر بار، ملک و دیار، خویش واقربا، مال و املاک اور ہر قسم کی جائداد سے دست بردار ہو کر مدینہ چلے آنے پر مجبور ہوئے۔

جنگ کیوں ہوئی؟

کفار قریش کا غصہ اس قدر بھڑک چکا تھا کہ ان کو مسلمانوں کا بچ کر نکل جانا بھی کسی حالت میں گوارا نہیں تھا۔ وہ ہجرت کے پہلے ہی دن سے اِس جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے کہ کس طرح مدینہ میں پہنچ کر مسلمانوں کا نام و نشان مٹایا جا سکے۔

ادھر مسلمان بھی اپنے دشمن کے ارادوں سے غافل نہ تھے۔ گو ہجرت کی کلفتوں نے چور چور کر رکھا تھا اور مدینے کی مسافرانہ زندگی نے اَور بھی پریشانی اور بے اطمینانی میں اضافہ کیا ہوا تھا، تاہم ایسے انتظامات جو حق پر چلنے والی اور دنیا کو حق کی راہنمائی کرنے والی جماعت کے شایانِ شان تھے مسلمان حسب استطاعت انجام دینے میں مصروف تھے یا مجبور تھے۔

حق و باطل کی مختلف مصروفیتیں

دونوں جماعتوں یعنی کفار قریش اور مسلمانوں کی اپنی اپنی مصروفیتیں حسب ذیل ہیں:

کفّار

بعض مسلمان اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ کے ملک میں جا رہے تھے

کہ وفد بن کر اور تحفہ تحائف لے کر عیسائی بادشاہ کے پاس آئے اور مسلمانوں کو حاصل کرنے اور واپس لانے کی کوشش کی لیکن اس نیک دل بادشاہ نے نہ مانا۔ اب مسلمانوں کو مدینہ میں پہنچے ابھی چند روز ہوئے تھے کہ قریش نے مدینے کے رئیس عبداللہ ابن ابی کو جو شہر میں رہنے والے دو بہت بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کا سردار تھا حسب ذیل خط لکھا:

انکم اویتم صاحبنا وانا	تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ
نقسم باللہ لتقاتلنہ او تخرجنہ	دی ہے ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم اُن
اولنسیرن الیکم باجمعنا حتیٰ	کو قتل کر ڈالو یا شہر سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب
نقتل مقاتلتکم ونستحی	اکٹھے ہو کر تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہیں ملیامیٹ
نساءکم (سنن ابی داؤد) جلد۲ باب خبر النضیر	کر کے تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔

اس واقعہ کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ مخالفوں کے مجمع میں جو قریش کی اس چال کی بنا پر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو رہے تھے خود تشریف لے گئے اور فرمایا کہ:

تمہارے لیے اب دو راستے ہیں۔ یا قریش کی دھمکی کے مطابق مسلمانوں سے جنگ کر دو یا پھر جنگ نہ کرنے کی صورت میں قریش کے مقابلہ کے لیے مجبور ہو جاؤ۔

اگر تم نے مسلمانوں سے لڑنے کو ضروری سمجھا تو تم اپنے ہاتھوں اپنے بھائیوں اور بچوں کو جو مسلمان ہو چکے ہیں قتل کر دو گے اور اگر قریش کی دھمکی میں نہ آئے تو پھر قریش سے جنگ تمہارے لیے غیروں سے مقابلہ ہو گا۔"

حضور اکرمؐ کی مختصر سی پر حکمت تقریر ان کے دل میں کھب گئی اور تمام مجمع منتشر ہو گیا۔

عبداللہ ابن ابی وہ شخص ہے جسے حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے اوس اور خزرج کے سربرآوردہ قبیلوں نے متفقہ طور پر اپنا سردار مقرر کر کے اس کے لیے تاج شاہی

اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ اور امارت اور ریاست کے ضائع ہو جانے کے دُکھ کو ایک دن بھی نہیں بھولا۔ اسلام کی تمام تاریخ میں یہ ایک مستقل مخالف کردار نہ بھولنا چاہیے۔

ان قبائل کے علاوہ مدینہ میں یہود بھی بکثرت آباد تھے اور بااثر زندگی بسر کرتے تھے قریش نے اب ان لوگوں سے ساز باز شروع کر دی۔ جب ان کی طرف سے کچھ امید بندھ گئی تو مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ :

"مغرور نہ ہونا کہ مکہ سے بچ کر نکل آئے ہم وہیں یثرب (مدینہ) پہنچ کر تمہارا ستیا ناس کیے دیتے ہیں "۔

اس پیغام کے بعد چھیڑ چھاڑ بھی شروع کر دی۔

یہاں یہ امر اچھی طرح یاد رکھنے کے قابل ہے اور اسلام کی ساری تاریخ میں اس کو نہ بھولنا چاہیے کہ جنگی سلسلے کی چھیڑ چھاڑ ہمیشہ کفار ہی کی جانب سے ہوئی ہے اور مخالف فریق عبداللہ ابن ابی جیسے منافق حاسد اور رقیب کو مخاطب کر کے جس کو اپنی ریاست کے ضائع ہو جانے کا ناقابلِ فراموش دکھ تھا سیاسی لحاظ سے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ اسلام کے خلاف کفر نے نفاق کو اور کافروں نے ہمیشہ منافقوں کے سہارے کو ہی کامیاب سہارا سمجھا ہے۔

سنہ ۲ھ کے شروع یعنی ربیع الاول میں مکے کے سرداروں میں سے ایک شخص کرز بن جابر فہری چند آدمیوں کو ساتھ لے کر یثرب پہنچا اور میدان میں چرتے مویشی لُوٹ کر صاف نکل گیا اس کے علاوہ جو سب سے بڑی تیاری تھی وہ سامانِ جنگ کا انتظام تھا۔ اس سلسلہ میں قریش نے اس سال جو تجارت کا قافلہ شام کو روانہ کیا۔ اس پر مکہ کی ساری آبادی نے جو کچھ پاس تھا تجارت پر لگا دیا۔ یہاں تک کہ عورتوں نے پورا پورا حصہ لیا جس کا مقصد محض مصارفِ جنگ کا مہیا کرنا تھا۔

جو کچھ مال و املاک ہجرت کرتے وقت مسلمان مکہ میں چھوڑ آئے تھے، وہ بھی سب اِسی مد کا سرمایہ تھا۔

ان سب مصروفیتوں سے بڑھ کر قریش جس کام میں مصروف تھے وہ مسلمانوں کی نسبت غلط افواہیں پھیلانا تھا جس میں مکہ کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا مقصود تھا۔

ادھر غرور، تمرد، سرکشی، سرمایہ، سامانِ جنگ اور فتنہ و شر کا لامتناہی ذخیرہ تھا۔

اصحابِ رسول کی مصروفیتیں

دوسری جانب صلح و سلامتی کی تعلیم، احکامِ خداوندی کی پابندی کی تلقین و ہدایت، خدمتِ خلق و انکساری کی تاکیدیں اور صدق و پامردی کے ساتھ پابندیٔ عہد کے احکام، کفر کی بے پناہ قوت کے مقابلہ میں یہ سامانِ جنگ فراہم ہو رہا ہے۔

آپؐ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے امن و امان قائم کرنے اور قائم رکھنے کی غرض سے مختلف قبائل کے ساتھ معاہدے کرنے کی کوشش کی۔ مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع آباد تھے اور بہت طاقتور تھے، ان کے اپنے اپنے علیحدہ علیحدہ قلعے تھے جن میں وہ مستقل حیثیت سے رہتے تھے۔ معاشری حیثیت سے اس قدر مضبوط تھے کہ بازار اور منڈیاں اُنہیں کے قبضہ میں تھیں اور شہر میں اُن کا عام اثر یہ تھا کہ لوگ مقروض تھے اور ان کا ساہوکارہ چلتا تھا۔ چنانچہ پہلے ان ہی سے معاہدہ ہوا۔ معاہدے کی بعض شرائط حسب ذیل ہیں :

(۱) هٰذا كتاب من محمد	یہ تحریر اللہ کے نبی محمد صلعم کی طرف سے
النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین	مسلمانوں کے درمیان جو قریشی یا یثرب کے باشندے
المؤمنین والمسلمین من قریش	ہیں اور اُن کے درمیان جو مسلمانوں کے ساتھ
ویثرب ومن تبعهم فلحق بهم	ملے ہوئے اور کاروبار میں ان کے ساتھ شامل ہیں
وجاهد معهم انهم امة واحدة	[illegible]

(۲) وان یہود بنی عوف امۃ مع المومنین ۔

(۲) یہ کہ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں ۔

(۳) وان بینھم النصر علیٰ من حارب اھل ھٰذہ الصحیفۃ ۔

(۳) اور جو کوئی ان معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا تو اُس کے خلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے ۔

(۴) وان بینھم النصح والنصیحۃ والبر دون الاثم ۔

(۴) معاہدہ کرنے والی اقوام کے تعلقات باہمی خیر خواہی خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے تکلیف اور گناہ کے نہ ہوں گے ۔

(۵) وان الیھود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین ۔

(۵) جب تک جنگ رہے یہودی خرچ میں مسلمانوں کے شریک رہیں گے ۔

(۶) وان بطانۃ یھود کانفسھم ۔

(۶) یہودیوں کی دوست قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے ۔

(۷) وانہ لم یاثم امرء بحلیفہ ۔

(۷) کوئی شخص اپنے حلیف کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا ۔

(۸) وان النصر للمظلوم ۔

(۸) مظلوم کی مدد کی جائے گی ۔

(۹) وان یثرب حرام جوفھا لاھل ھٰذہ الصحیفۃ ۔

(۹) معاہدہ کرنے والی سب قوموں پر مدینہ کے اندر کشت و خون حرام ہوگا ۔

(۱۰) وان الجار کالنفس غیر مضار ولا اثم ۔

(۱۰) پناہ لینے والے بھی معاہد قوموں جیسے سمجھے جائیں گے ۔

(۱۱) وانہ ما کان بین اھل ھٰذہ الصحیفۃ من حدث

(۱۱) اس معاہدہ کی قوموں کے اندر اگر کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں

او اشجار یخاف فسادہ فان	فساد کا اندیشہ ہو۔ تو اس کا فیصلہ اللہ اور
مردہٗ الی اللہ عزوجل و الیٰ	اُس کے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
محمد رسول اللہ۔	سے متعلق سمجھا جائے گا۔

اس معاہدہ پر جب مدینہ میں آباد تمام قوموں کے دستخط ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گرد و پیش کے قبائل کو بھی معاہدے میں شریک کرنا مناسب اور ضروری خیال کیا۔ تاکہ قبائل کے درمیان جو آئے دن خانہ جنگی رہتی ہے موقوف ہو جائے۔ اور خلق خدا کا کشت و خون رُک جائے، امن کی فضا قائم ہو جائے اور اشاعتِ دین کے کام میں آ[illegible] پیدا ہو جائے۔ نیز قریش مکہ کو معاہدہ کر لینے والے قبائل میں ریشہ دوانیوں اور مسلمانوں کے خلاف شاخسانے کھڑا کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

آپ نے اس مبارک ارادہ کی تکمیل کے سلسلہ میں حسب ذیل مقامات کا سفر فرمایا۔

(۱) ودّان جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے اسی سال تشریف لے گئے اور قبیلہٗ بنی حمزہ میں بکر بن عبد مناف کو معاہدہ مذکور میں شامل کر لیا۔ قبیلہ کی طرف سے اس عہد نامہ پر عمرو بن مخشی الضمری نے دستخط کئے۔

(۲) ربیع الاول سنہ ۲ ھ میں رضوی کی طرف تشریف لے گئے اور بواط کے لوگوں کو معاہدے میں شریک کیا۔

(۳) اسی سال کے ماہ جمادی الآخر میں مقام ذی العشیرہ تشریف لے گئے جو ینبوع اور مدینے کے درمیان ہے، یہاں بنو مدلج کو شامل کیا۔

اگر مزید موقع ملتا تو یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بین الاقوامی معاہدہ میں سارے عرب کو شامل کر کے ایک عالمگیر امن کی بنیادیں مضبوط فرماتے لیکن دوسری طرف قریش کی جنگی سرگرمیاں روز بروز بڑھ رہی تھیں اور ان کی نقل و حرکت لحظہ بہ لحظہ خطرناک صورت اختیار

چنانچہ ان ہی دنوں یعنی رجب سنہ ۲ھ میں آں حضرتؐ نے عبداللہ بن جحش کو مہاجرین میں سے آٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک سربہ مُہر مکتوب دے کر مقام نخلہ کی طرف بھیجا جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے اور حکم دیا کہ اس سر بند لفافہ کو دو دن چلنے کے بعد کھولنا۔

عبداللہ نے آپ کے حکم کے مطابق دو دن کے بعد مکتوب کھولا تو اس میں لکھا تھا:

اذا نظرت کتابی ھٰذا فامض	جب تو میرے اس مکتوب کو دیکھے تو
حتیٰ تنزل نخلۃ بین مکۃ و	چلتا جا یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان
الطائف فترصد بہا قریشًا	نخلہ میں مقام کر، اور قریش کے حالات کا پتہ
وتعلم بنا اخبارھم	لگاؤ اور ہمیں اطلاع دو۔

اسی اثنا میں قریش کے چند آدمی جو تجارت کا مال لیے شام سے واپس آرہے تھے، سامنے سے نکلے۔ عبداللہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں عمرو بن حضرمی بھی تھا جو تمام قریش کے سردار عقبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا۔ عبداللہ کے ساتھیوں میں سے واقد بن عبداللہ تمیمی کے تیر سے مارا گیا اور ان کے دو آدمی اُور گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ یہ ماہِ رجب کی آخری تاریخ تھی۔

عبداللہ نے مدینہ میں واپس آکر واقعہ بیان کیا اور مال بھی پیش کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے حرمت کے مہینوں میں لڑنے کے لیے تمہیں کب حکم دیا ہے۔ اور مال قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ صحابہؓ نے نہایت برہم ہو کر عبداللہ سے کہا۔

صنعتم مالم تؤمروا بہ و	تم نے ایسا کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں
قاتلتم فی شھر الحرام و لم	دیا گیا تھا اور ماہِ حرام میں لڑے حالانکہ اس
تؤمروا القتال۔	میں لڑنے کا تم کو حکم نہ تھا۔

قریش کا طعن

قریش جو ان باتوں کی تلاش کرتے رہتے تھے طعنوں کی صورت میں کہنے لگے:

قد استحل محمد واصحابہ شھر الحرام وسفکوا الدم واخذوا فیہ الاموال واسروا الرجال۔

محمد اور اس کے صحابہ نے حرمت کے مہینے کو حلال کر دیا، خونریزی کی، مالِ غنیمت لوٹا اور آدمیوں کو قید کیا۔

طعنوں کا جواب

جب یہ پراپیگنڈا عام ہوا، تو وحی نازل ہوئی:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔

حرمت کے مہینے میں لڑائی کی نسبت تم سے پوچھتے ہیں۔ کہدو اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس سے انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو نکالنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ برپا کرنا لڑائی سے بھی بڑا گناہ ہے مسلمانو! یہ لوگ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر کر سکیں تو تمہیں دین سے برگشتہ کر دیں۔

خدائے تعالیٰ نے الزامی طور پر فرمایا کہ مسلمانوں کو طعن دینے والے کافروں سے کہہ دو کہ اگر مسلمانوں نے تمہارے خیال میں حرمت والے مہینے میں لڑائی کی ہے، تو وہ ذرا اپنے افعال پر تو نگاہ ڈالیں جو اس سے بہت بڑے ہیں۔ خدا کی راہ سے روکنا اور خدا کا انکار، مسجدِ حرام (کعبہ) سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو اُن کے گھروں سے زبردستی نکالنا محض اس جرم کی پاداش میں کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اس قسم کا فتنہ وفساد قتل سے کہیں بڑا ہے۔ اور پھر ان برائیوں پر ڈٹے رہنا اور تائب نہ ہونا، ایسے بداعمال لوگوں کو کیا حق ہے کہ مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کریں

قریش کی تیاریاں

اسی طرح چھوٹی چھوٹی لڑائیاں قریشیوں اور مسلمانوں کے درمیان چل رہی تھیں اور
اور مسلسل چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ اس سلسلہ میں وسیع پیمانے پر جنگ لڑنے کے لیے قریش
نے جو تیاری شروع کر رکھی تھی وہ یہ تھی کہ مصارفِ جنگ کے لیے تمام قبائلِ عرب نے مل کر
ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ کیا ہوا تھا تاکہ اس تجارت کے منافع
سے مشترکہ طور پر سامانِ جنگ مہیا کیا جاتے۔ اور پوری قوت کے ساتھ مدینہ پر متفقہ حملہ کر کے
مسلمانوں کا قصہ تمام کر دیا جائے۔

دو پارٹیوں کے درمیان جب اس قسم کا جنگی سلسلہ جاری ہو، تو لازمی طور پر ہر روز نئی نئی
سچی جھوٹی افواہیں اِدھر اُدھر پھیلتی رہتی ہیں۔

ابوسفیان خرید و فروخت کے بعد جب شام سے واپس آنے لگا تو اس قافلہ تجارت
میں کم و بیش چالیس آدمی تھے، ان میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلہ تجارت پر
حملہ کرنے والے ہیں۔

ابوسفیان نے فوراً ایک آدمی کو مکہ کی طرف دوڑایا اور پیغام دیا کہ مسلمان ہمارے
قافلہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ قاصد نے مکہ میں پہنچ کر چلا چلا کر دہائی دی کہ قریشیو!
تمہارا مال و اسباب تو سب ابوسفیان کے پاس ہے اور اس پر محمد اور اس کے ساتھیوں
نے حملہ کر دیا ہے میں نہیں سمجھتا تم اب اُسے حاصل کر سکو گے۔؟

جنگ کس طرح ہوئی؟

قریش پہلے بھرے بیٹھے تھے، ان کا غصہ جوش میں آگیا اور بڑی تیزی کے ساتھ
طیاریاں شروع کر دیں۔ اس خونخوار جنگ کے لیے جو لشکر تیار ہوا اس کی تعداد ہزار کے قریب
تھی جس میں سو سواروں کا رسالہ تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل،

عباس، حرث بن عامر، نضر بن حارث، امیہ وغیرہ سب شامل تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ یہ فوج پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے نکل پڑی۔

اُدھر مدینہ میں اطلاع پہنچی کہ قریش بڑے اہتمام اور ساز و سامان سے مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے کوچ کر چکے ہیں۔

مسلمانوں کو قریش کے دیرینہ عناد، دشمنی اور عداوت کا چونکہ خوب علم بلکہ تجربہ تھا، اور انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ اب کے قریش اپنے سارے ارمان نکالیں گے، اس لیے یہ اطلاع باور کر لی گئی اور اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہ ہو سکتا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کر کے اس خبر کا اعلان فرمایا بعض صحابہؓ نے اس موضوع پر تقریریں کیں۔ مقداد بن عمرؓ نے کہا:

"یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے جس طرح انہوں نے موسیٰؑ سے کہا۔ جاؤ تم اور تمہارا خدا لڑو ہم بیٹھتے ہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا ہے اگر آپ برک الغماد تک جائیں تو ہم آپ کی معیت میں لڑتے چلے جائیں گے۔"

لیکن آں حضرت صلعم انصار (مدینہ والوں) کی طرف سے جواب کے منتظر تھے کیونکہ مدینہ والوں کے ساتھ ہجرت کے شروع میں آپؐ نے معاہدہ کیا ہوا تھا کہ اُنہیں جنگ میں شامل ہونے کی تکلیف اس وقت دی جائے گی جب کوئی دشمن شہر پر حملہ آور ہو۔ لیکن اِس وقت شہر سے باہر نکل کر دشمن کی مدافعت پیش نظر تھی، اس لیے آپ مدینہ کے انصار کو جنگ میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ انصار کو جب محسوس ہوا کہ حضور ہمارا ارادہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، تو انصار کے رئیس سعد بن معاذ نے کھڑے ہو کر کہا:

کی تصدیق کی اور اس امر کی شہادت دی کہ جو کچھ آپ نے پیش کیا حق ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر ہم نے آپ سے عہد و پیمان کیے، سو آپ جہاں کا ارادہ رکھتے ہیں چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا اگر ہمارے سامنے یہ سمندر بھی آجائے تو ہم اس میں بھی کود پڑیں گے۔"

حضور یہ سُن کر خوش ہوئے اور کوچ کا حکم دے دیا۔

غرض سوموار کا دن ۹ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری مطابق ۵ مارچ سنہ ۶۲۴ء آپ ۳۱۳ صحابہؓ کی جمعیت ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے جس میں ساٹھ مہاجر تھے اور باقی انصار۔ کم عمر واپس کر دیے گئے تھے۔ کیونکہ مقابلہ شدید تھا۔ مقابلہ کی شدت کا اندازہ قرآن پاک کی آیاتِ ذیل سے ہوتا ہے:

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ	جس طرح تیرے پروردگار نے تیرے گھر
بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ	سے تجھے صحیح کام پر نکالا اور مومنوں کی ایک
لَكَارِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ	جماعت رضامند نہ تھی۔ تجھ سے ایک صحیح
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى	بات میں جھگڑتے ہیں جب وہ واضح ہو چکی تھی
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ	گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے
اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ	جا رہے تھے۔ اور جب وعدہ دیا اللہ نے
وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ	تم کو ان دو جماعتوں میں سے کہ ایک تم کو ہاتھ
تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ	لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں تکلیف نہ ہو
بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝	وہ ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے
(انفال - رکوع ۱)	کلاموں سے اور کافروں کی بیخ کنی کرے۔

جن دو گروہوں میں سے ایک گروہ کے حاصل ہو جانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے

بعض مسلمانوں کا خیال تھا کہ قافلہ تجارت ہاتھ آئے، لیکن خداوند تعالیٰ مسلمانوں کو کفار کے لشکر سے ٹکرا کر حق و باطل کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور اکرم صلعم کا منشا بھی یہی تھا۔ اگر قافلے پر حملہ مقصود ہوتا تو آپ مدینے سے شام کی طرف نکلتے نہ کہ مکہ کی جانب۔ اور پھر چالیس آدمیوں کے قافلہ کو لوٹنے کے لیے تین سو صحابہ نثار صحابہؓ کو ایسی پریشانی لاحق نہ ہوتی جسے قرآن پاک نے موت کے منہ میں جانے سے تعبیر کیا ہے۔

غرض ابوسفیان صحیح سلامت مکہ میں پہنچ گیا، اور اتنے میں قریش میدانِ بدر میں پہنچ چکے تھے۔ ابوسفیان نے انہیں اپنے پہنچ جانے کی اطلاع دی اور واپس لوٹ آنے کے لیے کہلا بھیجا۔

قریش کا پیش نظر مقصد

ابوجہل نے انکار کیا اور کہا کہ ہم اُس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک میدانِ بدر میں پہنچ کر تین دن قیام نہ کرلیں، جانور ذبح کریں گے، شراب کا دور چلے گا اور راگ رنگ ہوگا، پھر واپس ہوں گے۔

جب ساتھیوں نے دیکھا کہ ابوجہل بغیر کسی مقصد کے ضد پر اڑ گیا ہے تو قبیلہ بنی زہرہ اور بنی عدی کے لوگ واپس چلے گئے۔ باقی فوج آگے بڑھی۔ قریش کے اس غرور و تمرد اور قوت و نمائش کا ذکر قرآن پاک نے حسب ذیل مناظر میں فرمایا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا	مسلمانو! تم بھی اُن لوگوں کی طرح نہ
مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَاءَ	ہو جو بڑے غرور اور نمائش کے ساتھ
النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ	اور خدا کی راہ سے روکتے ہوئے اپنے
اللهِ الآیہ	گھروں سے نکلے۔

قریش کا لشکر آگے بڑھا اور میدانِ بدر میں تمام ایسے مقامات پر حسب پسند قبضہ کرلیا جو جنگ کے لیے موزوں ہوسکتے تھے۔

مسلمان، چونکہ بعد میں پہنچے، انہیں ناچار باقی رہے ہوئے مقام حاصل ہوسکے اور وہاں کوئی کنواں یا چشمہ نہ تھا، زمین ریتلی تھی جہاں پاؤں نہیں جم سکتے تھے۔

میدانِ جنگ کا انتخاب

ایک صحابی حباب بن منذر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی حضور! کیا یہ مقام وحی کے ذریعہ خدا کے حکم سے اختیار کیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہمارا کوئی حق نہیں کہ اس سے آگے پیچھے ہوسکیں یا یہ جنگی تدبیر ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ جنگی تدبیر ہے۔ حباب نے کہا آپ لوگوں کو آگے لے چلیں یہاں تک کہ چشمہ پر قبضہ کرلیں اور ایک تالاب بناکر پانی سے پُر کرلیں، پھر جنگ شروع کریں تاکہ ہم پانی پی سکیں اور وہ نہ پی سکیں۔ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس پر مزید خدا کی مہربانی یہ ہوئی کہ مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی، ریتلی زمین تھی جو نسبتاً سخت ہوگئی، جابجا پانی بھی جمع کرلیا گیا جو نہانے اور وضو وغیرہ کے لیے کام آیا۔ خدائے تعالیٰ نے بھی قرآنِ پاک میں اس احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ	اور خدا نے بادلوں سے پانی برسادیا
مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ۔	تاکہ اس سے تمہیں پاک وصاف کردے۔

رحمتِ عالم کا دشمن سے سلوک

پانی پر قبضہ کرنے کے باوجود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو پانی لینے سے نہیں روکا۔

دونوں فوجوں کے دو مختلف مناظر

جنگ اور جہاد میں مابہ الامتیاز

ابوجہل کثرتِ تعداد، سامانِ جنگ کی فراوانی اور زور وقوت کے گھمنڈ پر اتراتا ہے

اور ساتھیوں کے روکنے کے باوجود نہیں رُکتا، اور اپنی چڑھائی کا مقصد ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ جب تک بدر میں پہنچ کر تین دن راگ رنگ اور ناؤ نوش کی مجلس نہ جما لیں اور فخر و غرور کی پوری پوری نمائش نہ کر لیں واپس نہ ہوں گے، دوسری جانب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میدان کے کنارے ایک چھوٹے سے چھپر کے جھونپڑے میں قیام فرما ہیں اور خداوندِ عالم سے سجدے میں گر کر اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگ رہے ہیں کہ خدایا اگر یہ چند توحید پرست مٹ گئے تو تجھے ایک کہنے والا کوئی باقی نہ رہیگا بے خودی اور محویت کا یہ عالم ہے کہ چادر مبارک کندھے سے گر پڑتی ہے اور آپ کو خبر تک نہیں ہوتی، صحابہؓ عرض کرتے ہیں کہ خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

دشمن میدانِ جنگ کے مناسب مقامات ہاتھ میں لے کر اور چشموں کو قبضہ میں کر کے ہر ممکن تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں بھی دشمن کو پانی سے نہیں روکتے۔

پابندیٔ عہد کی نادر مثال

میدانِ جنگ قائم ہے، متحارب صفیں ایک دوسرے کے مقابل آچکی ہیں یہ وہ موقع اور وقت ہے کہ ہر قوت دشمن کے مقابل میدان میں جھونک دی جائے۔ پھر ایسی حالت میں کہ دشمن سر وسامان کے علاوہ تعداد میں بھی تین گنا زیادہ ہے۔ ابو حذیفہ بن یمان اور ابو حسل دو صحابی مکّہ سے آرہے تھے۔ راستہ میں کفار نے روکا کہ تم محمدؐ کی امداد کو جا رہے ہو، انہوں نے شریکِ جنگ نہ ہونے کا وعدہ کیا جب آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال بیان کرتے ہیں اور جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں، تو آپؐ فرماتے ہیں، وعدے کا پورا کرنا ہر حال میں مقدم ہے، ہم صرف خدا کی امداد چاہتے ہیں۔

قرآن پاک نے دونوں فریق کی اس مختلف کیفیت کو حق و باطل کا ایک نشان قرار دے کر نہایت مختصر الفاظ میں فرمایا ہے :

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ	بے شک تمہارے لیے ان دو ٹولوں گروہوں
الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ	میں ایک نشان ہے ایک گروہ خدا کی راہ میں
اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ - (آل عمران ۱۳)	لڑتا ہے اور دوسرا کافر ہے -

فتح کی پیش گوئی

۷ رمضان سنہ ۲ھ (۱۳ مارچ سنہ ۶۲۴ء) صبح کی نماز کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (کفار کی فوج کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر یں گے) پڑھتے ہوئے دعا و مناجات سے فارغ ہوئے۔ تیر کے اشارہ سے صفیں خود درست کیں مسلمانوں کو ضبط کی تلقین فرمائی۔ سعد ابنِ معاذ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے لیے ایک چبوترہ کھڑا نہ کردیں جس پر آپ تشریف رکھیں اور اس کے قریب آپ کے لیے سواری مہیا رکھیں اور ہم آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کریں تاکہ اگر خدا تعالیٰ ہمیں فتح و غلبہ نصیب کرے تو فبہا ورنہ اگر خدانخواستہ دوسری صورت ہو تو آپ سواری کے ذریعہ بآسانی باقی ماندہ قوم کے پاس پہنچ جائیں۔ آپ اُن کے دل میں ہم سے کم محبوب نہیں۔ آپ اگر انہیں ساتھ لے کر جہاد کرنا چاہیں گے تو وہ بھی آپ کا پورا ساتھ دیں گے"! آپ نے سعد کی تعریف کی اُس کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور چبوترہ بنانے کی اجازت دیدی۔

یہ لوگ ذاتی اغراض سے کس قدر بلند ہو چکے تھے صرف مشن کی آبیاری مطلوب اور بس۔

قریش کی فوج اب قریب آچکی تھی اور جنگ کے لیے یہ لوگ سخت بے تاب تھے لیکن آں حضرت ؐ نے صحابہ ؓ کو روکا اور حکم دیا کہ دشمن بالکل قریب آجائے تو تیر سے روکو۔

قریش کا غرور نسل

میں آئے عتبہ بن ربیعہ اور اُس کا بیٹا، ولید اور عتبہ کا بھائی شیبہ۔ مقابلہ کے لیے پکارا۔
مسلمانوں کی طرف سے انصار میں سے تین آدمی مقابلے کو نکلے۔ عتبہ نے نام و نسب
دریافت کیا۔ جب معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو کہنے لگا ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہمارے
مقابلہ میں وہ لوگ آنے چاہییں جو ہمارے کفو ہوں اور جوڑ کے ہوں۔ چنانچہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انصار ہٹ آئے اور حمزہ بن عبد المطلب، عبیدہ بن
حارث اور علی ابن ابی طالب نکلے جو ان کے ہم نسل تھے۔ عتبہ حضرت حمزہ کے ہاتھ سے
اور ولید حضرت علی رضؓ کے ہاتھ سے مارے گئے لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا۔
اور حضرت علی رضؓ نے بڑھ کر شیبہ کو بھی قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ کو کندھے پر اُٹھا کر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ عبیدہ نے عرض کیا، کیا میں شہادت سے محروم
رہا؟ آپ نے فرمایا نہیں تم نے شہادت پائی۔

قریش کی نسل پرستی کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اصول پرستی

قریش کا غرور نسل ملاحظہ ہو کہ وہ غیر کفو یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ جنہیں وہ نسلی
لحاظ سے اپنے سے کم درجہ خیال کرتے تھے، لڑنا بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن دوسری
جانب انہیں کے ہم نسل مسلمانوں کی حالت اسلام نے یہاں تک بدل دی ہے اور نسل
کے جھوٹے غرور کے لیے حق اور حق کی حمایت کا سچا نشہ رگ و پے میں یہاں تک بسا دیا ہے
کہ اس سرور کے مقابلہ میں نسل اور خون کا رشتہ بلکہ باپ بیٹے کا فطری تعلق بھی کوئی حقیقت
نہیں رکھتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بیٹے عبد الرحمٰن جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے
قریش کی طرف سے نکلے تو حضرت ابوبکر رضؓ تلوار کھینچ کر میدان میں آگئے۔ عتبہ سامنے آیا
تو حضرت حذیفہ رضؓ (عتبہ کے فرزند جو مسلمان ہو چکے تھے) باپ کے مقابلہ کو تیار تھے۔

سعید بن عاص کا بیٹا عبیدہ جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا، قریش کی صف
سے نکل کر پکارا [illegible]

نظر آتی تھیں۔ آپ نے ایسی تاک کر برچھی ماری جو آنکھ میں کھب گئی اور وہ زمین پر ڈھیر تھا حضرت زبیرؓ نے اُس کی لاش پر پاؤں رکھ کر برچھی نکالی۔

اب عام حملہ شروع ہو گیا اور دونوں صفیں ایک دوسری پر ٹوٹ پڑیں۔

مسلمان کی عقیدت

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ میں صف میں تھا کہ معوذ اور معاذ عفرا کے دو نوجوان بیٹے سامنے نظر آتے۔ ایک نے پوچھا۔ "چچا جان! ابوجہل کہاں ہے؟" میں نے کہا "برادر زادے! تم پوچھ کر کیا کرو گے؟" اُس نے جواب دیا "میں نے خدا کے سامنے قسم کھا رکھی ہے کہ اگر اُسے دیکھ پاؤں تو قتل کر دوں گا یا خود اُس کے سامنے لڑ کر ختم ہو جاؤں گا کیونکہ وہ آں حضرتؐ کو گالی دیتا ہے۔" میں ابھی جواب نہیں دے پایا کہ دوسرے نوجوان نے بھی یہی سوال کیا۔ میں نے دونوں کو ابوجہل کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "وہ ہے"! میرا کہنا تھا کہ دونوں ابوجہل پر جھپٹے اور خاک پر ڈھیر کر دیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے بڑھ کر پیچھے سے معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار کا وار کیا جس سے بازو کٹ کر لٹک گیا اور علیحدہ نہ ہوا۔ معاذ نے اسی حالت میں عکرمہ کا تعاقب کیا لیکن وہ بچ کر نکل گیا، تاہم معاذ برابر میدان میں لڑ رہے تھے۔ البتہ لٹکا ہوا بازو جہاد کے کام میں مزاحم ہو رہا تھا۔ آخر بازو کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا۔ جڑا ہوا پٹھا توڑ کر الگ کر دیا اور اپنے کام میں آزاد ہو گئے۔

قریش کی شکست

ابوجہل ان تمام فتنوں اور فسادات کی جڑ تھا۔ جب یہ مارا گیا اور اس کے ساتھ عتبہ وغیرہ سرداران قریش قتل ہو گئے، تو قریش کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے سپاہیوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ستر کے قریب قریشیوں کے خاص خاص آدمی گرفتار ہوئے اور اسی قدر مارے گئے جن میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو سارے قریش

ہیں مانے ہوئے صاحبِ اثر اور بہادر تھے۔

وہ چودہ سردار جنہوں نے دارالندوہ میں بیٹھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کی تھیں ان میں سے گیارہ مارے گئے، باقی بعد میں مسلمان ہو گئے۔

ابو جہل کا غرور

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کی خبر لانے کے لیے حکم دیا۔ عبداللہ بن مسعود گئے، دیکھا تو لاشوں کے درمیان زخمی پڑا دم توڑ رہا ہے، آپ نے جتانے کے لیے پوچھا "تو ابو جہل ہے؟" سوال کے انداز کو سمجھ کر جواب دیا اور کہا "ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا، اس میں فخر کی کیا بات ہے۔"

ابو جہل نے اُن کو ایک مرتبہ دھپڑ مارا تھا۔ بدلے کے خیال سے اُس کی گردن پر پاؤں رکھا۔ ابو جہل نے کہا "او بکری چرانے والے! دیکھ کہاں پاؤں رکھتا ہے؟"

عبداللہ بن مسعود اس کا سر کاٹ کر لے آئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور مسلمانوں کے مقتولین کو دفن کرنے اور مالِ غنیمت کے فراہم کرنے کا حکم دیا اور عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کو فتح کی خبر پہنچانے کے لیے مدینہ روانہ فرمایا۔

اس کے بعد خود فوج اور جنگی قیدیوں سمیت مدینہ کی طرف لوٹے۔

قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط دو آدمی قتل کر دیے گئے اور باقی تمام صحابہ میں تقسیم ہوئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قیدیوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تاکید فرمائی۔

ابو عزیز بن عمیر، مصعب بن عمیرؓ کے بھائی بیان کرتے ہیں کہ "جب ہم بدر سے لوٹے تو میں انصار کے پاس میں قید تھا صبح شام کا کھانا جب اُن کے سامنے [illegible] خود کھجوریں وغیرہ

اُٹھا لیتے اور مجھے روٹی دیتے۔ ان میں سے کسی آدمی کو بھی اگر روٹی کا کوئی ٹکڑا ملتا تو وہ مجھے دیتا۔ مجھے شرم آتی۔ میں اُنہیں واپس دیتا لیکن ان میں سے کوئی اُنہیں ہاتھ نہ لگاتا۔ یہ محض اس لیے تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کی صحابہ کو تاکید کی ہوئی تھی۔ ابوعزیز فوج میں قریش کا علم بردار تھا۔

قیدیوں کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذ نے قتل کی رائے دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر کی رائے پر عمل فرمایا۔ بعض کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔ بعض پر یوں ہی احسان فرمایا۔ جن میں ابوعزہ جمحی شاعر بھی تھا جس نے صرف یہ عہد کیا کہ اب مسلمانوں کے خلاف شعر نہ کہوں گا اور بعض قیدیوں کی آزادی کے لیے یہ شرط لگائی کہ وہ دس دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

نتائجِ جنگ

قریشیوں اور مسلمانوں، دونوں پارٹیوں کی قوت اور جنگ کے نتائج کا مجموعی طور پر مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حق پر لڑنے والوں اور باطل کی حمایت پر ضد کرنے اور اڑنے والوں کی لڑائی میں مقصد اور نتیجے کے لحاظ سے کتنا فرق ہے۔

قریش ایک ہزار کی تعداد میں ہیں اور مسلمان تین سو تیرہ، قریش کی فوج میں ایک سو سواروں کا رسالہ ہے اور مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے ہیں، قریش کا ایک ایک سپاہی لوہے میں غرق ہے اور مسلمانوں کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے پورے کپڑے بھی نہیں۔ اس کے علاوہ سامانِ رسد کی یہ کیفیت ہے کہ قریش کی فوج میں ایک ایک آدمی ساری فوج کی خوراک جہیا کر رہا ہے، ادھر مسلمانوں کا افلاس ظاہر ہے لیکن باایں ہمہ نتیجہ یہ رہتا ہے کہ جہاں قریش کے ستر آدمی مارے جاتے ہیں اور ستر گرفتار ہوتے ہیں، وہاں مسلمان صرف ۱۴ شہید ہوتے ہیں جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار

تھے اور مسلمانوں کو ایسی بین فتح حاصل ہوتی ہے جسے دشمن بھی نہیں بھول سکا۔

یہ اس اطمینانِ قلب کا نتیجہ تھا جو صرف ایمان اور زندگی کا صحیح مقصد معلوم کر لینے اور اس مقصد کے حق ہونے پر یقین کر لینے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی اطمینان اور جرأت کا اثر ہے کہ کافر مرعوب ہو گئے اور اپنی تعداد ایک ہزار ہونے کے باوجود تین سو مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا خیال کرتے تھے۔ قرآن کریم میں فرمایا ہے:

يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ۔ اُن کو اپنے سے دوگنا دیکھتے ظاہر دیکھنا۔

کمزور کے حسنِ اخلاق کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کرنی یا کسی اچھی رائے کو درست تسلیم کرنا یقیناً مشکل ہوتا ہے۔ حسنِ اخلاق میں سب سے اونچا درجہ عہد کی پابندی کو حاصل ہے لیکن کمزور فریق کا پاسِ عہد کمزوری پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، اِس لیے عام نگاہوں میں اس کا کیا وزن ہو گا؟

اسی طرح رواداری اور ایثار، تواضع اور انکسار کو بھی انسانی اخلاق میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔ عام حالات میں بھی اسے حسنِ اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن جب دشمن کے ساتھ ہو، تو اور بھی زیادہ خوبی شمار ہو گا اور پھر اگر عین میدانِ جنگ میں ہو جہاں یہ عمل خود کشی سے کم نہیں، تو اس صورت میں اسے کم از کم مافوق الفطرت کارنامہ اور معجزہ کہا جائے گا۔

اسی طرح دوسرے تمام اخلاق فاضلہ کو اسی بنیاد پر اور اسی کسوٹی پر پرکھو اور اندازہ کرو۔ ابوحذیفہ بن یمان اور ابوحسل دو صحابیوں کو جو قریش سے جنگ میں نہ شامل ہونے کا عہد کر کے جنگ میں شامل ہونے پر مصر تھے آپ نے جنگِ بدر جیسے شدید مقابلہ میں بھی جب کہ ایک ایک آدمی کی ضرورت تھی، پاسِ عہد کی پابندی کا حکم دیا اور جنگ میں شامل نہ کیا

ایثار اور رواداری کا ایسا بے مثال نمونہ دکھایا کہ عین میدانِ جنگ میں اپنے قبضے
میں کیے ہوئے پانی سے دشمن کو فائدہ اُٹھانے کی اجازت دیدی۔

شاندار فتح حاصل ہو جانے کے بعد اسیرانِ جنگ کے ساتھ ایثار اور رواداری کا
وہ سلوک کیا جس کا اعتراف صرف دوستوں نے نہیں دشمنوں نے بھی کیا اور بدترین دشمنوں
نے کیا۔

تواضع اور انکسار کا منظر قریشیوں کی فوج اور ابوجہل کے الفاظ کے مقابلہ میں جس کے ساتھیوں
کے کہنے کے باوجود ناؤ نوش اور راگ رنگ پر مصر تھا اور دوسری طرف تسبیح و تہلیل اور
دعا و مناجات کے سوا کچھ نہ تھا۔

غرض اس نوعیت کا ایک ایک واقعہ مسلمانوں کی نہیں خود اسلام کی تاریخ کا
ایک ایک ایسا واضح موڑ ہے جسے کوئی عام سے عام آدمی زندگی کے سفر میں دیکھے،
پہچانے اور محسوس کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

غلط موڑ مڑنے والا انتہائی ڈھٹائی سے مُڑے گا جس کو اس کا ضمیر خود بھی
محسوس کرے گا۔ اور دیکھنے والوں کی نگاہ میں بھی وہ ہٹ دھرم اور ضدی، معزز
اور معتبر اور باانصاف نہیں مانا جا سکتا۔ اب بھی اگر وہ ضد پر اڑا ہوا ہے تو اپنے آپ کو
تنہا ضرور خیال کرے گا اور بصورتِ دیگر اس موڑ سے صحیح راستہ اختیار کرنے والا
پورے شرحِ صدر سے راستہ اختیار کرے گا۔ لیحق الحق ویُبطل الباطل
کا ایک یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے۔

بدر کی فیصلہ کن جنگ کے نتائج میں سے ایک ایک واقعہ کو دیکھنے والے دوست
دشمنوں کے لیے اب یہ گنجائش نہ رہ گئی تھی کہ ان بلند اسلامی اخلاق کو جو اسلام کا اصل
مقصد ہیں اور ہر اسلام قبول کرنے والے نے اسلام قبول کرتے ہی محض اسلام کے زیر اثر
اور زیرِ ہدایت اختیار کر لیے ہیں [illegible] اخلاق کے قبول

کرنے کو کسی کمزوری اور بے کسی پر محمول کرے۔ مکی زندگی میں بے بس مسلمانوں کی تکلیفیں بھی خدا کے لیے تھیں اور فتحمندیوں کی خوشیاں بھی اسلام ہی کی کامیابی کی بنا پر ماننے والوں نے تو پہلے ہی دن صدق و صفا اور خلوص کی بنا پر مانا۔ بدر کی فتح کے بعد نہ ماننے والوں کو بھی اس اخلاص میں شبہ کی گنجائش نہ رہ گئی۔

عرب کے آزاد لوگوں میں بالعموم یہ اخلاقی وصف موجود تھا کہ کسی بات کی صحیح سمجھ آجانے کے بعد اُسے قبول کر لینے میں کم تامل کرتے تھے، اور قبول کرتے تو پورا پورا قبول کرتے۔

قرآنی شواہد

سورۂ انفال میں بدر کے واقعات کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ واقعات مختصر طور پر آپ پڑھ چکے ہیں، قرآنِ حکیم نے اپنے معجزانہ اندازِ بیان کے مطابق ان حالات اور واقعات سے عبرت اندوزی اور نصیحت پذیری کا جو نتیجہ نقشہ پیش کیا ہے مسلمانوں کے مطالعہ اور دنیا کی دیگر قوموں کی نگاہِ عبرت کے لیے اصل سرمایہ یہی ہے، کیونکہ یہ شہنشاہی تخت و تاج کی تاریخ، ملکوں کی فتح و تسخیر کی غرور آفریں داستاں اور فاتح خاندانوں کی عیش و عشرت کے لذت اندوز افسانوں کا تذکرہ نہیں، بلکہ حق اور محض حق کی فتح، ناحق آشناؤں کی تالیف و تسخیر اور حق پرست گروہ کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کے عبرت انگیز واقعات ہیں جو رہتی دنیا تک نسلِ آدم کو نشانِ منزل اور چراغِ راہ کا کام دیں گے۔

قرآنِ کریم نے واقعات کی طرف اشارات کر کے ہر مقام پر عبرت پذیری کے پہلو کو نمایاں کیا ہے تاکہ اس سے انسانی اخلاق کی تعمیر کا کام لیا جاسکے جو دینِ حق کی اصل غرض و غایت ہے۔ جستہ جستہ اشارات حسبِ ذیل ہیں:

کفار کی چالوں اور تدبیر الٰہی کا ذکر فرمایا ہے، واقعات گواہ ہیں کہ آخر خدا کی تدبیر ہی کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ	اور (وہ وقت) یاد کرو جس وقت تم تھوڑے
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ	تھے کمزور سمجھے گئے ملک میں۔ ڈرتے تھے کہ
اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ	لوگ تمہیں اُچک لیں پھر خدا نے تم کو جگہ
اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ	دی اور اپنی مدد سے تائید کی اور ستھری چیزوں
الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (انفال ۲)	سے روزی دی تاکہ تم شکر کرو۔
وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب کافر
لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ	تدبیریں کر رہے تھے کہ اے محمد تجھے مایوس کر کے
وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ	بٹھا دیں یا قتل کر دیں یا ملک سے باہر نکال دیں
الْمٰكِرِيْنَ - (انفال -۳)	وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی

تدبیر کر رہا تھا۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

۲۔ مسلمان اپنے خلاف دشمن کی خوفناک تیاریوں کی خبریں سُن کر مقابلہ کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ایک طرف قافلہ تجارت ہے جس میں مال و دولت ہے اور مزاحمت کا چنداں اندیشہ نہیں کیونکہ اس میں صرف چالیس کے قریب آدمی ہیں دوسری طرف قریش کے زبردست لشکر کا مقابلہ ہے، دونوں میں سے ایک کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہجرت کی تکلیفوں کے مارے ہوئے مسلمانوں میں سے بعض آرام پسند چاہتے ہیں کہ لشکر کے بجائے قافلہ پر حملہ کیا جائے، لیکن خدا کی مشیت یہ ہے کہ فوج سے مقابلہ ہو اور تدبیر الٰہی مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کی بیخ کنی کر کے حق کی فتح اور باطل کی شکست کا نشان حق ظاہر کر دے۔

نیز حق پرستی کا یہ ثبوت بہم پہنچانا بھی مطلوب تھا کہ ایسے موقع پر اگر کسی دنیادار بادشاہ

یا حملہ آور کو فیصلہ کرنا ہوتا، تو یقیناً قافلہ تجارت پر حملہ کیا جاتا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے ایک حصہ کی نارضامندی کے باوجود وہی فیصلہ کیا جو خدا کو منظور تھا، جس میں کفر و اسلام کی آویزش اور حق و باطل کے فیصلہ کا سوال تھا۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی	اور وہ وقت بھی یاد کرو جب خدا
الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ	قافلۂ تجارت اور قریش کی فوج دونوں
اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ	میں سے ایک کا وعدہ تم سے کرتا ہے کہ وہ
وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ	تمہارے لیے ہے۔ اور تم چاہتے تھے کہ وہ ملے
بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ	جس میں تکلیف نہ ہو (یعنی قافلۂ تجارت)
لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ	اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے حق ثابت
کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (انفال-۱)	کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ

حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے گو مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔

۲۳۔ میدانِ جنگ میں نیند، بارش، دل کی مضبوطی اور ثابت قدمی جیسی مہربانیوں کا ذکر کر کے مسلمانوں کے ثبات کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور کفار کی شکست کا واحد سبب ان کی اسلام دشمنی اور احکامِ الٰہی کی مخالفت کو قرار دیا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ حق کی مخالفت تمام کمزوریوں، ناکامیوں اور ذلتوں کی بنیاد ہے۔ اور حق پرستی اس کے بالکل برعکس تمام بے سامانیوں اور کمزوریوں کا واحد علاج ہے۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ	جب خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میں تمہارے
اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	ساتھ ہوں اور تم مومنوں کو ثابت قدم
سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا	رکھو میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب
الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ	ڈال دوں گا، سو کافروں کی گردنیں مارو اور
وَاضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ بَنَانٍ ۝ ذٰلِکَ	اُن کے جوڑ جوڑ پر مارو۔ یہ اس لیے کہ انہوں

بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ	نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی ہے اور
يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ	جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت
شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال - ۲)	کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

۴ - چونکہ مسلمان کسی ذاتی دشمنی یا طمع نفسانی کے لیے نہیں بلکہ محض خدا کے فطری قانون کو نوعِ انسانی میں نافذ کر کے انسانیت کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں، اس لیے اس مقصد کے پیشِ نظر اس قتل کو بھی خدا نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جو ان مخلص مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	ان (کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا
قَتَلَهُمْ (انفال - ۲)	بلکہ اللہ نے قتل کیا۔

۵ - چونکہ مسلمان کی جنگ کا مقصد محض امن و امان قائم کرنا ہے، اس لیے جس وقت کوئی امن کی صورت سامنے آئے تو یہ تمام ذاتی خطرات کے باوجود فوراً صلح کے لیے مجبور ہے کیونکہ اصل مقصد یہی ہے کہ اشاعتِ اسلام کے لیے فضا سازگار ہو سکے اور صلح وسلام کا دور دورہ ہو۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ	اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اسی
لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ	طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ بے شک
الْعَلِيْمُ ۔ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ	وہ سنتا اور جانتا ہے۔ اور وہ تجھے دھوکا
فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ (انفال - ۸)	دینا چاہیں تو تجھ کو اللہ کافی ہے۔

انفرادی طور پر یہاں تک واضح حکم دے دیا کہ:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	اور اگر مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو
اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ	پناہ دے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (توبہ) — نڈر ہوکر رہ سکے یا اس لیے کہ یہ اسلام سے ناواقف ہیں۔

۶۔ آخر نتیجے کے طور پر وقت اور حالات کے مطابق فائدہ اُٹھاتے ہوئے کفار کو کہہ دیا گیا کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ کفر سے باز آجاؤ۔ کثرتِ تعداد اور سامان کی فراوانی تمہارے کام آئی ہے اور نہ آئندہ کام آئے گی۔ کیونکہ خدا کی ذات جو تمام قوتوں کی مرکز ہے اُس نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا ہے اور قانونِ قدرت کے مطابق وہ آئندہ بھی حق ہی کا ساتھ دے گا۔

وَاِنْ تَنْتَهُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ لَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال)

اور اگر اب بھی باز آجاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر مخالفت پر اُتر آئے تو ہم بھی مسلمانوں کی مدد کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور یقین رکھو کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔

۷۔ مجموعی طور پر اس جنگ کا نتیجہ یہ رہا کہ فتح حاصل ہو جانے کے باوجود مفتوح فریق سے مسلمان کا سلوک عرب جیسے آزاد مزاج لوگوں پر یہ ہوا کہ انتقام کے مخالفانہ جوش کے باوجود مسلمانوں کی بلند اخلاقی اور مثالی رواداری کو بھی نظر انداز نہ کر سکے۔ انتقام کا مظاہرہ تو ایک سال بعد جنگ اُحد کی صورت میں ہوا لیکن اسلام کی پندرہ سالہ ابتدائی زندگی میں جہاں ۲ ھ میں ۳۱۳ مجاہد میدان میں آئے اس کے بعد صرف ایک سال کے اندر ۳ ھ میں ۷۰۰ جاں نثار میدانِ اُحد میں دادِ شجاعت دیتے ہیں گویا اسلامی تحریک کے پندرہ سال کے مقابلہ میں ایک سال کے جنگی دور نے دشمن نہیں دوست پیدا کیے ہیں۔

غزوۂ سویق

عتبہ اور ابوجہل بدر میں مارے جا چکے تھے ان کے بعد قریش کی ریاست اور سرداری کا حق ابوسفیان ہی کو پہنچتا تھا۔ چونکہ قریش کے سامنے سب سے بڑا اور سب سے مقدم کام بدر کے واقعات کا انتقام لینا تھا، اس لیے قوم کی سرداری کا منصب حاصل کرنے اور اس منصب کو محفوظ رکھنے کے لیے ابوسفیان کو لازم تھا کہ اس سلسلہ میں پوری سرگرمی دکھائے تاکہ قوم اس کی سرداری کا لوہا مان جائے۔

ابوسفیان نے بدر سے واپسی پر منّت مانی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدر کا انتقام نہ لوں گا، نہ نہاؤں گا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا، چنانچہ دو سو شتر سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہود کا مسلمانوں سے معاہدہ ہو چکا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر لشکر ایک جگہ ٹھہرایا اور خود رات کو یہود بنی نضیر کے رئیسوں میں سے حی بن اخطب کے پاس گیا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اُس نے دروازہ نہ کھولا۔ پھر سلام بن مشکم کے پاس آیا۔ بنو نضیر کا تجارتی سرمایہ اسی کی تحویل میں رہتا تھا۔ سلام بن مشکم نے ابوسفیان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اچھے اچھے کھانے کھلائے، شراب پلائی، رات بھر مشورے ہوتے رہے اور مسلمانوں کے خفیہ راز بتائے گئے۔ علانیہ مسلمانوں کے مقابلہ کی ہمت نہ پا کر پچھلی رات اُٹھا اور مدینہ کے نواحی میں ایک مقام عُریض پر حملہ آور ہوا، کچھ درخت اور گھاس کے ذخیرے جلا ڈالے انصار کے دو آدمی قتل کر دیے اور واپس چلا گیا کیونکہ اُس کے خیال میں قسم پوری کرنے کے لیے اس قدر کافی تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا

یہاں تک کہ قرقرۃ الکدر تک پہنچ گئے۔ لیکن ابو سفیان نکل چکا تھا۔

ابو سفیان کے پاس رسد کا سامان ستو تھا جس کی تھیلیاں راستہ میں گراتے چلے گئے جو مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام سویق قرار پایا۔ عربی زبان میں سویق ستو کو کہتے ہیں۔

غزوۂ اُحد

۳ھ

گو ابوسفیان اپنی قسم پوری کرنے کے لیے ایک کارنامہ انجام دے گیا لیکن وہ عرب جو ایک آدمی کے قتل کا بدلہ لینے میں سینکڑوں سال صرف کر دیتے اور لڑائیوں کا ایسا سلسلہ شروع کر دیتے تھے جو پُشت ہا پُشت ختم ہونے میں نہیں آتا تھا، بھلا وہ بدر کے ستر مقتولین کا انتقام فوراً کس طرح بھول سکتے تھے، اور غزوہ سویق کا واقعہ اُن کے جوشِ انتقام کی آگ کہاں تک بجھا سکتا تھا؟

ان ستر مقتولین میں اکثر ایسے تھے جو قریش میں رئیس، مانے ہوئے سردار اور با اثر لوگ تھے۔ ان کی موت نے ہر گھر کو ماتم کدہ بنا رکھا تھا۔ قومی غیرت کی بنا پر مکہ میں منادی کرا دی گئی تھی کہ رونے کی آواز تک نہ آئے تاہم جو دلوں پر گزر رہی تھی ظاہر ہے۔ رنج و غم کا جوش جب کچھ فرو ہوا، تو اصل کام کی طرف توجہ ہوئی۔

جنگ کیوں ہوئی؟

بدر کے واقعات میں اُس قافلہ کا ذکر گزر چکا ہے جس میں مکہ کے تمام زن و مرد نے محض اس لیے سرمایہ لگایا تھا کہ اس کے منافع سے سامانِ جنگ مہیا کیا جائے۔ اور ابوسفیان کی سرکردگی میں یہ قافلہ تجارت شام کو گیا، اور صحیح سالم واپس مکہ پہنچ گیا۔ اس کا راس المال واپس کرا دیا گیا تھا لیکن منافع کا یہ پچاس ہزار مثقال سونا جو ۱۸۷۵۰ تولہ بنتا ہے اور ایک ہزار اونٹ محفوظ تھا۔

عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ قریش کے چند اور

سرداروں کو جن کے باپ بیٹے اور دیگر عزیز جنگِ بدر میں مارے گئے تھے ساتھ لے کر ابو سفیان کے پاس گئے۔ ابو سفیان اور اُن لوگوں کو جن کے پاس قافلہ تجارت کا منافع محفوظ تھا اور محض اسی غرض کے لیے جمع پڑا تھا، مخاطب ہو کر کہا یہ قریشیو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کو تباہ کر دیا۔ کام کے آدمی سب مار ڈالے، تم اگر اس مال سے ہماری مدد کرو تو ہو سکتا ہے کہ ہم پر جو مصیبت گزری ہے، اس کا انتقام لے سکیں۔

چونکہ مسلمانوں کے خلاف سب کے دلوں کی کیفیت ایک ہی تھی، یہ درخواست فوراً قبول ہوئی اور عام چندہ کے ساتھ یہ سابق سرمایہ شامل کر لیا گیا۔

قریش کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہو چکا تھا، انہیں معلوم تھا کہ اب بدر سے کہیں بڑھ کر تیاری کی ضرورت ہے، اس لیے ضروری سمجھا کہ کنانہ اور اہل تہامہ وغیرہ کے قبائل اور ہر قسم کے لوگوں کو شامل کر لیا جائے۔

عرب میں شعر کا مقام

عرب میں جوش پھیلانے کے لیے تقریر اور گیت وغیرہ کا عام رواج تھا اور عوام کو اُبھانے کے لیے یہ ایک عجیب حربہ تھا۔ اس زمانہ میں اس کی یہی حیثیت تھی جو آج مشہور اخبارات کے مقالات اور متقدر لیڈروں کی تقریروں کی ہے۔ صفوان بن امیہ نے ابو عزہ جمحی مشہور شاعر کو اس غرض کے لیے اپنے ساتھ شامل ہونے کو کہا۔ یہ وہی شاعر ہے جو بدر میں قید ہوا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ مسلمانوں کے خلاف شعر نہ کہنے کا وعدہ لے کر محض احسان کر کے چھوڑ دیا تھا۔

دولت اور دیانت

ابو عزہ جمحی نے جواب دیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر احسان کیا ہے میں نہیں چاہتا کہ اس پر چڑھائی کروں۔ صفوان نے کہا تو اپنی طرف سے ہماری مدد کر میں خدا کو ضامن دے کر وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو بچ کر آ گیا تو میں تجھے غنی کر دوں گا۔ اور دوسری صورت ہوئی تو

تمہاری لڑکیاں میری لڑکیوں کے ساتھ رہیں گی اور تنگی و آسانی میں یکساں زندگی بسر کریں گی۔ مال کی محبت انسانیت پر غالب آ گئی اور طمع نفسانی نے احسان کا احساس دل سے مٹا دیا۔ ابوعزہ جمحی رضامند ہو گیا چنانچہ اس نے اور دوسرے شاعروں مساقع نے دورہ کر کے اپنے پُر جوش اشعار اور آتش بیانی سے قریش کے تمام قبائل میں آگ لگا دی۔

مختلف تدبیریں

حضرت حمزہؓ نے جبیر بن مطعم کے چچا کو بدر میں قتل کیا تھا، نیز ابوسفیان کی بیوی ہند کا باپ عتبہ بھی حضرت حمزہؓ ہی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ہند نے جبیر بن مطعم کے حبشی غلام جس کا نام وحشی تھا بلا کر حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور کہا کہ اگر تو اس مہم میں کامیاب ہو جائے تو تجھے آزاد کر دیا جائے گا۔

عورتوں کی شمولیت

جنگ میں مردوں کو جوش دلانے اور ثابت قدم رکھنے کا ایک ذریعہ معزز خاندانوں کی عورتوں کا جنگ میں شامل ہونا تھا تاکہ اس خطرہ کے پیش نظر کہ اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی بے حرمتی ہو گی، سپاہیوں کے دل میں پسپائی کا خیال تک نہ آئے اور جان توڑ کر لڑیں، قریش نے یہ صورت بھی اختیار کی اور عورتوں کو اجازت دے دی چنانچہ وہ عورتیں جن کے بچے اور عزیز بدر میں قتل ہوئے تھے بڑے جوش سے خود شامل ہو گئیں۔ ان عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہند، حضرت خالد کی بہن فاطمہ، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی اُم حکیم اور طائف کے رئیس مسعود ثقفی کی بیٹی برزہ جیسی خواتین شامل تھیں۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

الغرض پانچ ہزار بہادروں کا یہ لشکر جس میں دو سو اسپ سوار، تین سو شتر سوار

اور سات سو زرہ پوش پیادہ تھے، نہایت جوش کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھا چلا گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اسلام لا چکے تھے انہوں نے قاصد کے ذریعہ ان تمام حالات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھیج دی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے انسؓ اور مونسؓ دو آدمیوں کو دریافت حالات کے لیے بھیجا جنہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب چراگاہِ عریض میں پہنچ چکا ہے۔ یہ ۵ شوال ۳ھ کا واقعہ ہے۔

آں حضرتؐ کا صحابہؓ سے مشورہ

صبح آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، بڑے بڑے صحابہؓ نے رائے دی کہ عورتوں کو کسی محفوظ مقام میں باہر بھیج دیا جائے اور خود شہر میں بیٹھ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول جو انصار میں سب سے بڑا رئیس تھا لیکن دل سے مسلمانوں کا دشمن اور منافق تھا، اُسے بھی مشورہ میں شامل کیا گیا۔ اُس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ ہم شہر میں بیٹھ کر دشمن کو دعوتِ مقابلہ دیں۔ اگر وہ آئیں اور شہر کے سامنے صف آرائی کریں تو اُنہیں اُسی جگہ کھڑا ہونا پڑے گا جو ان کے لیے نہایت بُری ہوگی۔ اور اگر شہر میں داخل ہوئے تو ہم اُنہیں شہر میں قتل کر دیں گے۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن عام مسلمان بالخصوص وہ نوجوان جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے، اس رائے سے متفق نہ ہوئے اور اصرار کیا کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کیا جائے۔

نبیؐ کا عزم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے اور ہتھیار پہن کر نکلے۔ اب لوگ پچھتائے کہ حضورؐ کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور کیا گیا ہے۔ کہنے لگے "یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو مجبور کیا اور یہ ہمارے لیے کسی صورت میں مناسب نہ تھا اگر آپ پسند فرمائیں تو شہر ہی میں بیٹھ کر مقابلہ کیا جائے۔" آپؐ نے فرمایا "نبی کے لیے مناسب نہیں کہ

ہتھیار پہن کر میدانِ جنگ میں پہنچے بغیر ہتھیار اُتار دے۔"

قریش بُدھ کے دن تک مدینہ کے قریب پہنچ کر اُحد پہاڑ کے اوپر جو مدینہ کے شمال کی جانب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے پڑاؤ ڈال چکے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نمازِ جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کی جمعیت ساتھ لے کر نکلے۔

اسلامی فوج کی تعداد

عبداللہ بن ابی کے ساتھ تین سو آدمی تھے جو یہ کہہ کر اپنے آدمیوں سمیت واپس ہو گیا کہ حضورؐ نے میری رائے نہیں مانی اور حقیقت میں وہ دل سے مسلمانوں کے خلاف تھا اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو صحابہؓ تھے جنہیں پانچ ہزار کا مقابلہ کرنا تھا۔

شہر سے باہر نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا کم عمر نوجوان واپس کر دیے گئے جن میں حضرت زید بن ثابت، ابوسعید خدری، براء بن عازب وغیرہ تھے۔

منافقت اور ایمان کے مختلف اثرات

نفاق کی بزدلی و نامردی اور ایمان کی قوت و جرأت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جہاں عبداللہ بن ابی منافق تجربہ کار سردار قوم عذر او رہانہ بنا کر واپس ہو جاتا ہے، وہاں ایمان دار نوخیز بچوں کا یہ حال ہے کہ رافعؓ بن خدیج ایک نوعمر جوان سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو اس لیے جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے، تو وہ ایڑیاں اُٹھا کر انگوٹھوں کے بل کھڑے ہو گئے تاکہ اندازے کے مطابق قد پورا نظر آئے۔ چنانچہ اُن کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور اُنہیں فوج میں شامل کر لیا گیا۔ ایک نوجوان جس کا نام سمرہ رضؓ تھا اور رافع کا ہم عمر تھا کہا کہ میں کشتی میں رافع کو پچھاڑ سکتا ہوں، اگر اُسے اجازت مل گئی ہے تو مجھے بھی ملنی چاہیے۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور واقعی سمرہؓ نے رافعؓ کو گرا لیا۔ اس

بنا پر ان کو بھی اجازت مل گئی۔ ایمان کا نتیجہ شوقِ شہادت کی نمود تھا اور نفاق کا اثر بہانہ جوئی، نامرادی اور جمود۔

صف آرائی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعبؓ بن عمیر کو عَلم مرحمت فرمایا اور اُحد کو پُشت پر رکھ کر صف آرائی کی اور فرمایا جب تک میں حکم نہ دوں لڑائی شروع نہ ہو۔ اندیشہ تھا کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو، اس لیے حضرت عبد اللہؓ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ایک دستہ کا امیر مقرر کر کے اس طرف متعین فرمایا اور حکم دیا: "اس طرف دشمن نہ آنے پائے۔ ہمیں فتح ہو یا شکست تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔"

قریش انتقام کے جوش میں گو اندھے ہو رہے تھے لیکن بدر کی شکست نے اُن کی آنکھیں کھول دی تھیں اور وہ میدانِ جنگ کے انتخاب، صفوں کی ترتیب اور افسروں کی ڈیوٹیاں مقرر کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لے رہے تھے۔ طلحہ کو علمبردار مقرر کیا دائیں صف کی افسری خالد بن ولید کے سپرد کی اور بائیں فوج کی کمان ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی دی۔ رسالے کا سردار صفوان بن امیہ مقرر ہوا جو قریش کا مشہور رئیس تھا تیر اندازوں کی کمان عبد اللہ بن ابی ربیعہ کے سپرد تھی۔ دو سو گھوڑے علیحدہ محفوظ تھے تاکہ عین وقت پر کام آسکیں۔

خاتونانِ قریش کے رجز —

اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب دونوں فوجیں بالمقابل ہو جاتی تھیں تو ایک نقارے کی صورت میں اعلانِ جنگ کیا جاتا لیکن قریش نے جوش کو بڑھانے اور لڑائی کی آگ کو ذاتی دشمنی کی ہوا سے کر تیز تر کرنے کے لیے عورتوں کو آگے بڑھایا جو دف بجاتی تھیں اور ایسے اشعار گاتی جاتی تھیں جن میں مقتولین بدر کے ماتم کے دردناک تذکرے اور جوشِ انتقام کے رجز تھے۔ ابوسفیان کی بیوی (ہند) سب سے آگے اور چودہ دیگر خاتونا ن

قریش اس کی قیادت میں تھیں بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

نحن بنات الطارق	ہم روشن ستاروں کی بیٹیاں ہیں
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے پھرنے کی اہل ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم آگے بڑھے تو ہم تم سے گلے ملیں گی
ان تدبروا نفارق	اور اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو ہم تم سے علیحدہ ہو جائیں گی۔

ابو عامر کی انصار سے بے جا توقع

ابو عامر مدینہ میں رہنے والا ایک زاہد و پارسا آدمی اسلام سے پہلے جس کی اہلِ مدینہ کے دل میں بڑی عزت تھی، اب وہ مکہ میں آکر آباد ہو چکا تھا اور قریش کے لشکر میں شامل تھا۔ اُسے خیال تھا کہ انصار پہلے اثر کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اُسے ترجیح دیں گے، اس لیے وہ ڈیڑھ سو آدمی ساتھ لے کر سب سے پہلے میدان میں آیا اور کہا "مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں"۔ مسلمان جن کے دل اور دماغ پر صرف اللہ کی حکومت مسلط ہو چکی تھی، وہ آج شخصیت پرستی کی ذلت کو کس طرح گوارا کر سکتے تھے۔ انصار نے اُس کے ارادہ کو سمجھ کر جواب میں کہا "ہاں او بدکار! ہم تجھے پہچانتے ہیں خدا تیری ناپاک آرزو کو پورا نہ کرے"۔

مسلمانوں کے ایثار اور بے نفسی کے کفار بھی قائل تھے

قریش کے نزدیک جنگ کا مقصد محض انتقام اور قوم کے جھوٹے وقار کی حفاظت تھا۔ ان کے غور و فکر کی پرواز اس محدود دائرے سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی اور نہ ہی اس سے بلند کوئی مقصد ان کے تصور میں آ ہی سکتا تھا۔ مسلمانوں کے ایمان بالآخرت کے عقیدے اور جنت و دوزخ کے ایمان اور پھر محض اسی مقصد پر راحت و آرام اور گھر بار، ملک و دیار اور مال و جان قربان کرنے کو وہ انتہائی سفاہت اور عاقبت نا اندیشی یقین کرتے تھے، تاہم مسلمانوں کے مخلصانہ اعمال و بے نفسی کا دل کی کا

سے اس کا دشمن بھی یقین کر چکا تھا کہ مسلمان کے سامنے جنگ کا مقصد رضائے الٰہی
حاصل کرنے اور خدا کے نام کو بلند کرنے کے بغیر اور کچھ بھی نہیں اور یہ محض اسی یقین اور
ایمان پر لڑ رہے ہیں۔ قریش کے علم بردار طلحہ نے آگے بڑھ کر طنز اور استہزا کے طور
پر للکارا کہ مسلمانو! تم میں سے کون ہے جو مجھ کو دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھ
سے جنت میں پہنچ جائے۔" جناب علی رض نے صف سے نکل کر کہا "میں ہوں"۔ اور
ساتھ ہی تلوار کا وار کیا اور طلحہ زمین پر ڈھیر تھا۔ اس کے بعد طلحہ کے بیٹے عثمان نے علم
سنبھالا اور آگے بڑھا حضرت حمزہ مقابلہ کو نکلے شانہ پر اس زور سے تلوار ماری کہ
کمر تک اتر آئی۔

عام حملہ

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت حمزہ رض ابو دجانہ رض، سماک بن خرشتہ
الساعدی اور علی ابن ابی طالب وغیرہم رضوان اللہ علیہم بڑے بڑے صحابہ کفار کی
صفوں میں گھس گئے اور جس طرف رُخ کرتے صفیں چیر کر نکل جاتے۔

عورت کا احترام

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اثنا میں اپنی تلوار بلند کر کے فرمایا "کون ہے
جو اس کا حق ادا کر سکتا ہے؟ صحابہ میں سے ہر ایک اس سعادت کا آرزو مند اور
منتظر تھا۔ لیکن آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت ابو دجانہ رض پر پڑی اور انہیں تلوار دے دی۔
ابو دجانہ رض کو اس عزت افزائی نے بجا طور پر فخر کا موقع بخشا۔ پہلوانوں کی طرح اکڑتے
ہوئے صف سے میدان کی طرف نکلے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے۔
فرمایا خدا کو یہ چال سخت ناپسند ہے، لیکن اس وقت جب کہ خدا کی راہ ہی میں جا رہے
ہو، پسند ہے۔ ابو دجانہ صفوں کو زیر و زبر کرتے، لاشوں کے ڈھیر لگاتے بڑھے جا

روک لی اور کہا کہ رحمۃ للعالمین کی تلوار کے شایانِ شان نہیں کہ عورت کے خون سے رنگین ہو۔
یہ اس پاک تعلیم کا اثر تھا جو ہر مجاہد کو شریک جہاد ہونے سے پہلے دی جاتی تھی۔

لا تقتلوا امرأۃً ولا صغیرًا ولا شیخًا فانیًا۔ — عورت، بچے اور بوڑھے کو مت قتل کرو۔

کفار بھی پوری پامردی اور ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے لیکن آخر مسلمانوں کے پے درپے بہادرانہ حملوں کی تاب نہ لاسکے، پاؤں اُکھڑ گئے اور اِن کی صفوں میں شگاف پڑ گئے۔ خدا نے مسلمانوں سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ کفار کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور اُن کے لشکر میں پورے طور پر شکست و ہزیمت پیدا ہو چکی تھی۔ جو شخص علم ہاتھ میں لیتا مارا جاتا۔ پھر بھی ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا سپاہی علم اُٹھانے کو تیار ہوتا تھا۔ جب صواب نامی ایک شخص نے علم ہاتھ میں لیا تو کسی مسلمان نے بڑھ کر اس انداز سے تلوار ماری کہ اُس کے دونوں بازو کٹ گئے لیکن اُس نے زمین پر لیٹ کر جھنڈے کو سینے سے دبایا اور بلند کر دیا۔ آخر اسی حالت میں وہ مارا گیا۔ اب قریش کا جھنڈا بھی جو قوم کی زندگی کا آخری نشان ہوتا ہے زمین پر پڑا ہوا تھا۔

ایک کافر عورت کی بہادری

اُن پچاس تیر اندازوں کے دستے نے جنہیں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کے عقب میں متعین فرمایا ہوا تھا جب کفار کی فوج میں بھاگڑ مچی ہوئی دیکھی تو آپس میں اختلاف کیا۔ چند آدمی اپنے سردار عبداللہؓ بن جبیر کے ساتھ رہ گئے اور باقی سب فوج میں آگھسے۔

ادھر کچھ وقفے کے بعد ایک بہادر خاتون جس کا نام عمرہ بنت علقم حارثہ تھا، آگے بڑھی اور جھنڈے کو لے کر بلند کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر قریشیوں کی قومی حمیت جوش میں آئی۔ لوٹ کر میدان کا رُخ کیا، اور ان کے اُکھڑے ہوئے پاؤں کسی حد تک پھر جم گئے

اِسی اثنا میں خالد بن ولید نے جب دیکھا کہ اسلامی فوج کا پیچھا خالی ہے تو پیچھے سے ہوکر دفعتہً نہایت بے جگری سے حملہ کردیا۔ مسلمانوں میں کئی لوٹ میں مشغول تھے اور جو لڑ رہے تھے وہ بھی اس حملہ سے بالکل بے خبر تھے۔ آخر ان کی صفیں ٹوٹ گئیں اور جمعیت منتشر ہوگئی۔ اور سب سے بڑھ کر جس حادثہ نے مسلمانوں کے عزم و استقلال کو کمزور کیا یہ تھا کہ مسلمانوں کے علم بردار مصعب بن عمیر کو ابن قمیہ نے قتل کردیا۔ اور چونکہ مصعب بن عمیر شکل و صورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے جلتے تھے، فوج میں شور مچ گیا کہ حضورؐ شہید ہوگئے۔

اس آواز نے عام بدحواسی پیدا کردی۔ فوج کی ترتیب بگڑ گئی صفوں سے صفیں ٹکرا گئیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان شہید ہوئے حضرت حذیفہؓ کے والد یمانؓ بھی اسی ہنگامہ کی نذر ہو گئے۔

آنحضرتؐ کی شہادت کی غلط افواہ اور صحابہ پر اس کے مختلف اثرات

کئی صحابہؓ نے ہمت ہار دی۔ انس بن نضرؓ ایک صحابی لڑتے بھڑتے دور تک نکل گئے۔ دیکھا تو چند صحابہ ہتھیار رکھ کر مغموم بیٹھے ہیں، پوچھا کیا سوچتے ہو؟ کہنے لگے اب لڑ کر کیا کریں گے۔ ابن نضرؓ نے کہا:

موتوا علی ما مات رسول اللہ۔ — جس مقصد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی تم اسی پر تم بھی مٹ جاؤ۔

یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور حملہ کرتے ہوئے آخر شہید ہو گئے۔ بعد میں دیکھا گیا تو آپ کے جسم پر تیر، تلوار اور نیزہ کے ستر زخم تھے۔

جان نثار لگاتار لڑ رہے تھے، لیکن نگاہیں صرف ایک ہی وجود کی تلاش میں لگی ہوئی تھیں، اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مقدس اور مرکز دائرہ نبوت تھا۔

صحابہؓ کی جاں نثاری

آخر سب سے پہلے کعبؓ بن مالک کی نگاہ رُخِ انور پر پڑی اور اُنہوں نے پکار کر کہا: "مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں" یہ سُن کر ہر طرف سے صحابہ ٹوٹ پڑے لیکن ساتھ ہی کفار نے بھی اسی طرف زور ڈال دیا۔ دشمن کے دستے بڑھ بڑھ کر حملے کرتے لیکن جاں نثار پروانہ وار شمعِ نبوت پر جانیں قربان کر رہے تھے۔

زیادؓ بن سکن پانچ انصار کو ساتھ لے کر اس خدمت کے لیے بڑھے اور ایک ایک نے جان قربان کی۔ زیادؓ زخم کھا کر گرے۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس لانے کا حکم دیا، پائے مبارک کو اُن کے سر کے نیچے سرہانے کی طرح رکھ دیا۔ اس عاشقِ رسول کی روح پرواز کر رہی تھی اور نگاہیں چہرۂ انور پر گڑی ہوئی تھیں۔

بارہ صحابہ ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن وقاصؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، زبیر بن عوامؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ وغیرہم رضوان اللہ علیہم شروع ہی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں موجود تھے۔ تلواروں کے پے در پے حملے اور تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ حضرت ابودجانہؓ تیر کا ہر وار اپنی پیٹھ پر روکتے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ جانے دیتے۔ حضرت طلحہؓ اپنے ہاتھ سے ڈھال کا کام لے رہے تھے۔ تاآنکہ ہاتھ کٹ گیا۔

آں حضرتؐ کا زخمی ہونا

آخر دشمنوں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکنے شروع کیے۔ ابن قمیہ کے پتھر سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی زخمی ہوئی اور مغفر کی دو کڑیاں پیشانی میں چبھ گئیں۔ ابنِ ہشام کے پتھر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بازو زخمی ہوا۔ اور عتبہ نے جو پتھر پھینکا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے اور حضورؐ ایک گڑھے میں گر پڑے جو ابوعامر نے اسی غرض کے لیے کھود رکھا تھا کہ مسلمان

بے خبری سے اس میں گریں حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور حضرت طلحہؓ نے آپ کو اٹھا لیا۔

بددعا کی جگہ دعا

صحابہؓ میں سے بعض نے خواہش کی کہ آپ مشرکین قریش پر بددعا فرمائیں۔ اس کی جگہ رحمتِ عالمؐ نے کہا:

انی لم ابعث لعانا ولکن	میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا،
بعثت داعیا ورحمۃ اللھم	بلکہ مجھے رحمت بنا کر خدا کی طرف بلانے کے
اھد قومی انھم لا یعلمون۔	لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ خدایا میری قوم کو
	ہدایت دے وہ مجھے نہیں پہچان سکے۔

ان حالات کی اطلاع جب مدینہ میں پہنچی تو معزز خواتین بے تابانہ میدان میں پہنچ گئیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے باپ کے زخموں کو دھویا۔ جناب علیؓ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے تھے، خون نہیں تھمتا تھا۔ آخر چٹائی جلا کر زخم میں بھری اور خون تھم گیا حضرت عائشہؓ خود اور ام سلیمؓ نے مشکیزے لیے اور پانی لا لا کر زخمیوں کو پانی پلانا شروع کیا۔

ایک عورت کا جذبۂ ایمانی

قبیلۂ بنو دینار کی ایک عورت جس کا باپ، بھائی اور شوہر اس جنگ میں شہید ہو چکے تھے اور ان جانکاہ حادثوں کی اطلاعات اُسے اس سے پیشتر مدینہ میں پہنچ چکی تھیں جب یہ آخری خبر سن کر میدانِ جنگ میں پہنچی اور دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ خدا کے فضل سے صحیح و سالم ہیں تو رُخِ انور کو دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھی۔

کل مصیبۃ بعدک	اے پیغمبر! تیری موجودگی میں ہر مصیبت
جلل۔	برداشت کی جا سکتی ہے۔

یہ کوئی بڑی قربانی نہیں تھی۔ حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہؓ بھی آئیں۔ ان کے

بھائی حمزہ رضؓ کو جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے قتل کر دیا تھا، اور جس طرح دوسرے شہیدوں کی لاشوں کو بے حرمت کیا گیا تھا، ابو سفیان کی بیوی ہند نے اپنے باپ کے انتقام میں ان کے بھی ناک، کان وغیرہ کاٹ دیے تھے۔ بلکہ پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کر چکی تھی۔ جب حضرت صفیہ آئیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بیٹے کو حکم دیا کہ بھائی کی لاش پر نہ جائیں، ایسا نہ ہو بے صبری کریں۔ حضرت صفیہ رضؓ نے کہا میں سب کچھ سن چکی ہوں، خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ پیارے بھائی کی لاش کے ٹکڑے دیکھ کر صرف فاتحہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے واپس چلی آئیں۔

بے نفسی کی انتہائی تعلیم

مسلمانوں کی انتہائی بے نفسی اور اعلیٰ سلوک کو دیکھ کر جس میں وہ دشمنانِ دین کے مقابلہ میں دنیا کے ہر تعلق، زندگی کی ہر متاعِ عزیز اور اپنی ہر خواہش کو محض خدا کا نام بلند کرنے اور اسلام کے پاکیزہ اصول کی حفاظت پر قربان کر چکے تھے اور کر رہے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے عبرت ناک لہجہ میں یہ لفظ نکلا کہ " وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پروردگار کی طرف سے پیغام پہنچانے والے کو زخمی کرے۔ لیکن محبوب حقیقی کی اُس سب سے بڑی بے نیاز بارگاہ میں جہاں ذاتیات کا کوئی وزن نہیں اور صرف اصول و مقصد کی حفاظت مطلوب ہے یہ الفاظ بھی پسند نہ آئے۔ فوراً جبریل علیہ السلام حکم لے کر پہنچے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ۔ آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل اور اختیار نہیں

ایک ہی مثال

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جاں نثار اکابر صحابہ رضؓ کے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے ابن ابی خلف یہ کہتا ہوا سامنے آیا کہ " محمدؐ یہاں ہے اگر وہ بچ گیا تو ہماری زندگی کوئی

گردن میں مارا۔ زخم کھا کر گھوڑے سے گر پڑا لیکن مرا نہیں اور اسی حالت میں مکہ پہنچ گیا آخر اسی زخم کے سبب اس کی موت واقع ہوئی۔ یہ واقعہ اس لیے بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ اکیلا شخص ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مارا گیا۔

قریش حملہ آور ہوتے تھے، لیکن وہ صحابہؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پتھر مار مار کر اُنہیں پہاڑ سے نیچے اُتار دیتے۔

قریش کی واپسی

قریش کے سامنے کسی اصول و مقصد کی پابندی تو تھی ہی نہیں، وہ تو محض بدر کے مقتولین کا انتقام چاہتے تھے، اس لیے بدر میں جو ندامت اور ذلت اُن کو پہنچی تھی آج کے واقعہ سے اُن کے دلوں کو کچھ تشفی ہوئی۔ اسے کافی اور غنیمت سمجھا اور لوٹ آنا چاہا۔ آخری طور پر اپنی خوشی کا اعلان کرنے کے لیے ابوسفیان ایک ٹیلے پر چڑھا اور اتنی بلند آواز سے جسے وہ خیال کرتا تھا کہ مسلمانوں تک پہنچ جائے گی، پکارا "آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے" اور ساتھ ہی ہبل کی جے کا نعرہ لگایا:

اُعْلِ ھُبَلْ! — اے ہبل تو اُونچا رہ!

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا اس کے جواب میں کہو:

اللہ اَعلیٰ و اجل لا سواہٗ — اللہ بلند اور بڑا ہے، اُس کے سوا کوئی

قتلانا فی الجنۃ وَ قتلاکم فی النارِ۔ — نہیں۔ ہمارے مقتول جنت میں ہوں گے اور تمہارے دوزخ میں۔

حضرت عمرؓ نے جب حسبِ حکم یہ نعرہ لگایا تو ابوسفیان نے آواز پہچان لی اور کہا اے عمر! ذرا آگے آؤ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ دیکھو کس حال میں ہے۔ حضرت آگے بڑھے تو ابوسفیان کہنے لگا۔ عمر! کیا ہم نے محمدؐ کو قتل کر دیا؟ حضرت عمرؓ نے کہا خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ وہ تو تیری ساری باتیں سن رہے ہیں۔

مسلمانوں کی راست گوئی کا اعتراف

صداقت کی شان دیکھو کہ دشمن بھی مسلمانوں کی راست گوئی اور راست بازی کا کس حد تک قائل و معترف ہے۔ ابوسفیان کو اپنے خبر رسانوں سے جو اطلاع ملی تھی۔ وہ تو یہی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کا جواب سن کر کہا:

انت اصدق عندی من ابن قمیئہ و ابرّ — تم میرے نزدیک ابن قمیئہ (جس نے حضورؐ کے قتل کی اُسے اطلاع دی تھی) سے زیادہ راست گو اور راست باز ہو۔

پھر ابوسفیان نے پکارا۔ فوج کے لوگوں نے تمہارے مُردوں کے ناک کان کاٹ لیے ہیں۔ خدا کی قسم میں اس پر نہ خوش ہوں نہ ناراض۔ میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا ہے اور روکا بھی نہیں۔ پھر ہمارا مقابلہ آئندہ سال بدر میں ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہہ دو ہاں بیشک یہ ہمارا تمہارا عہد ہوا۔

دشمن کی نقل و حرکت کی تحقیق

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اور فرمایا دیکھو وہ کیا کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اگر انہوں نے گھوڑوں کو باگ ڈور کر لیا اور اُونٹوں پر پالان کس لیے تو جانو مکے کا ارادہ ہے اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوتے اور اونٹوں کو ہانک لیا تو وہ یقیناً مدینہ پر چڑھائی کریں گے۔ لیکن اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان لوگوں نے مدینے کا قصد کیا، تو میں ان پر حملہ کر کے پوری پوری سزا دوں گا۔ حضرت علیؓ گئے۔ دیکھا تو وہ لدلدا کر مکے کا رُخ کیے ہوئے تھے۔

شہداء کی تجہیز و تکفین

مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو چکے تھے۔ شہداء کو دفن کیا گیا۔ بے سرو سامانی کی یہ حالت

تھی کہ مصعبؓ ابن عمیر کو جب دفن کرنا چاہا تو کفن کے لیے اُن کی اپنی چادر کے بغیر
کوئی کپڑا نہ تھا۔ اور وہ بھی اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا
اور سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے۔ آخر پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن کر دیا گیا۔ ایک ایک
قبر میں دو دو دفن کیے گئے جس کو قرآن کریم زیادہ یاد ہوتا تھا اُسے آگے رکھا جاتا۔ اور
سب کو غسل کے بغیر دفن کیا گیا۔ نماز جنازہ بھی اِس واقعہ کے آٹھ سال بعد پڑھی گئی
جب کہ رسولِ اکرم کا اِدھر سے گزر ہوا۔

دشمن کا تعاقب

دوسرے دن اتوار ۱۶ شعبان ۳ھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے
دشمن کا تعاقب کرنے کے لیے اعلان کیا گیا۔ مسلمان جو زخموں سے چور چور تھے تاہم ستر
صحابہ کی جماعت جس میں حضرت ابوبکرؓ و زبیرؓ وغیرہم شامل تھے فوراً تیار ہو گئی۔
ابوسفیان کو بھی راستہ میں خیال آگیا کہ کام اُدھورا رہ گیا ہے مُڑ کر حملہ کرنا چاہیے۔
اِدھر مسلمان پہلے ہی تیاری کر چکے تھے۔ آپؐ نے سب کو حکم دے دیا کہ کوئی مدینہ کو واپس
نہ جاتے۔ چنانچہ مسلمان مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام حمراء الاسد تک دشمن
کے تعاقب میں گئے۔ وہاں آپؐ نے سوموار، منگل اور بدھ وار تین دن قیام فرمایا۔ قبیلہ
خزاعہ کا رئیس معبد خزاعی گو اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔ لیکن اسلام کا ہمدرد
بن چکا تھا۔ اُحد کے واقعات سُن کر ہمدردی کے طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوا اور کہا خدا کی قسم ہمیں آپ کی تکلیف بہت گراں گزر رہی ہے ہم دل سے آپ کی
عافیت کے خواہاں ہیں۔ پھر مسلمانوں کو وہیں حمراء الاسد میں چھوڑ کر خود چلا گیا اور ابوسفیان
کو جا کر ملا، جو اس وقت اپنے ساتھیوں سمیت رَوحا میں ٹھہرا ہوا تھا، اور مُڑ کر حملہ کرنے
کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ہم کام کو نامکمل چھوڑ آئے
اگر ہمت کریں تو یہ سارا قصہ ختم ہو سکتا ہے۔ اتنے میں معبد پہنچ گیا۔ ابوسفیان نے دیکھا

تو کہا، معبد بتاؤ تو تمہارے پیچھے کیا صورت حال ہے؟ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کی اس قدر جمعیت لے کر تمہاری تلاش میں چڑھے آتے ہیں کہ میں نے اتنی فوج کبھی نہیں دیکھی۔ ان کے ساتھ وہ تمام لوگ آملے ہیں جو اس واقعہ میں شامل نہ تھے اور انہیں اس موقع کے ضائع ہونے کا سخت افسوس ہے۔

ابوسفیان نے کہا، کیا کہہ رہے ہو؟ معبد نے جواب دیا خدا کی قسم! تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لوگے۔

ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو یاور کرنا پڑا۔ وہ خود بھی قیاس کر رہے تھے کہ انصار کی کثیر تعداد مدینہ میں موجود ہے اور انہیں مسلمانوں کی تکلیف کا یقیناً احساس ہوا ہوگا۔ نیز وہ مقتولین بدر کے لگ بھگ مسلمان بھی قتل کر چکے تھے۔ موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنی فتح کو دوبارہ مقابلہ کر کے فتح و شکست کے شبہ میں نہ ڈالنا ہی مناسب خیال کیا اور واپس مکہ چلا گیا۔

حمراء الاسد سے واپسی پر ابوعزہ جمحی شاعر جسے آپؐ نے غزوۂ بدر کے بعد احسان کر کے چھوڑ دیا تھا، ملا اور پھر معافی کا خواستگار ہوا۔ لیکن آپ نے فرمایا۔ اب تم مکے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے محمدؐ کو دو مرتبہ دھوکا دیا ہے کیونکہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ آپؐ نے فرمایا اسے قتل کر دیا جائے۔

نتائجِ جنگ

اس جنگ میں ستر مسلما ش ہوئے جن میں چار مہاجر اور باقی انصار تھے اور مشرک ۲۲ قتل ہوئے۔

اس واقعہ کے متعلق قرآنِ پاک میں سورۂ آلِ عمران کی ساٹھ آیتیں نازل ہوئی ہیں

۱۔ مسلمانوں کی شکست کے حقیقی وجوہ و اسباب کا تذکرہ تاکہ آئندہ احتیاط رہے
ان میں سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی
نافرمانی ہے۔ جب پچاس تیر اندازوں نے آپس میں اختلاف کرکے بعض نے وہ مقام
خالی چھوڑ دیا جہاں ہر حالت میں انہیں موجود رہنے کا حکم دیا گیا تھا، اور خالد بن ولید نے
موقع پاکر اسی راستہ سے حملہ کر دیا اور فتح شکست سے تبدیل ہو گئی۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ	اور خدا تو اپنا وعدہ (فتح) تم سے پورا کر چکا
اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى اِذَا	جب تم ان کو کاٹنے لگے اس کے حکم سے یہاں تک
فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ	کہ تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈال
وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ	دیا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ خدا تمہیں وہ چیز
مَّا تُحِبُّوْنَ (آلِ عمران ۱۵۲)	دکھا چکا جس کی تمہیں خوشی تھی۔

۲۔ پھر بھی اس دن کی تکلیف اور مصیبت پر نہایت اچھے طریقہ سے مسلمانوں کی تعزیت
و دلداری فرمائی تاکہ جماعت میں بددلی نہ پیدا ہو۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ	نہ بددل ہو اور نہ غم کھاؤ تم ہی اعلیٰ ہو
الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝	اگر تم مومن ہو۔
اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ	اور اگر تم کو زخم پہنچا ہے، تو وہ لوگ بھی
الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ	ایسا ہی زخم پا چکے ہیں اور یہ دن ہیں کہ ہم
نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آلِ عمران ۱۴۰)	لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔

۳۔ یہاں تک کہ غلطی کھا کر شکست کا سبب بننے والوں کی معافی کا اعلان فرما دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ	جو لوگ تم سے ہٹ گئے جس دن دو فوجیں
الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ	آپس میں ٹکرائیں، بس ان کو شیطان نے ان کے

عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ (آلِ عمران۔ رکوع ۱۶)
معاف کر چکا۔ اللہ بخشنے والا بڑا بُردبار ہے۔

۴۔ اِس امر کو نہایت عمدگی سے ذہن نشین کرایا کہ صبر و ثبات بلند حوصلگی اور اعلیٰ صفات کی پرکھ اور جانچ مصائب کے ہجوم اور ابتلاء کے وقت ہی ہو سکتی ہے اور عالی ہمت لوگ ایسے وقتوں میں ہرگز نہیں گھبراتے۔

ان بلند اوصاف کی نشان دہی تاریخی شہادت کے دلنشیں انداز میں بیان فرمائی۔

وَ کَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَکَانُوْا وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (آلِ عمران۔ ۱۵)
اور کئی نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر اکثر خدا والے لڑتے رہے۔ پھر وہ اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنے پر نہ ہارے ہیں نہ سُست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں۔ اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے

۵۔ منافقین کے مخالفانہ پراپیگنڈے کی تشہیر کرکے ان کو رسوا اور مسلمانوں کو ایسی حرکات سے مجتنب رہنے کی تعلیم دی۔

وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَ قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰکُمْ ؕ هُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ
اور تاکہ معلوم کرے ان کو جو منافق ہوئے اور کہا ان کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دشمن کی مدافعت کرو کہنے لگے بھائی ہم کو لڑائی کی واقفیت ہوتی تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے یہ لوگ آج ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب ہیں منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو وہ

لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا۔ (آلِ عمران۔ ۱۷) — اور خود بیٹھ رہے۔ اگر ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے۔

۶۔ یہ اعلائے کلمۃ اللہ کے بلند ترین مقصد پر جانیں قربان کرنے والے شہداء کا درجہ اور مقام بیان فرمایا تاکہ ان لوگوں کے پراپیگنڈے کی تردید ہو جائے جو یہ خیال کرتے اور کہتے ہیں کہ اسلام کا ساتھ دے کر ان لوگوں نے کیا حاصل کیا سوائے اس کے کہ مال و املاک سے محروم ہوئے، ملک و دیار سے نکلے، خویش و اقربا سے جدا اور گھر سے بے گھر ہوئے آخر جان و جوانی کی عیش سے بھی محروم و بے نصیب رہ گئے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا	اور تو اُن لوگو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ	مُردے نہ سمجھ۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ	کے پاس روزی پا رہے ہیں۔ اللہ نے اپنے
بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ	فضل سے جو ان کو دیا اس پر خوشی کرتے ہیں
يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا	اور خوش ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی
بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ	پیچھے سے اُن تک نہیں پہنچے اس لیے کہ ان
عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ (ایضاً)	پر نہ ڈر اور نہ اُن کو کوئی غم۔

یہ لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اسلام جیسی ابدی نیکی دنیا میں یادگار چھوڑ کر شہیدوں نے وہ غیر فانی زندگی حاصل کی ہے کہ جب تک خدا اور خدا کی حکومت قائم ہے ان کا نام زندہ رہے گا۔

۷۔ سب سے بڑھ کر قیمتی اور بنیادی سبق جو دیا گیا وہ یہ ہے کہ اصل مقصد قانونِ الٰہی کی پیروی اور اسلامی تعلیم کی نشر و اشاعت ہے، شہادت اگر مقبول و منظور ہے تو محض اس لیے کہ ایک مسلم قانونِ خداوندی کو ماننے والا اس وطن میں اپنی جانِ عزیز قربان کرتا ہے کہ اس قانون کی پیروی میں فرق نہ آنے پائے اور ہر جگہ اسی قانون کی فرمانروائی نظر آئے ورنہ

شہادت بھی اصل مقصد نہیں، حصولِ مقصد کی سچی تمنا میں ایک قربانی ہے۔

ان صحابہ کو تنبیہہ کی گئی جنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر ضعف اور مایوسی کا اظہار کیا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ	اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ	ہیں ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے۔
مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى	پھر کیا اگر وہ مر گئے یا مارے گئے، تو تم
اَعْقَابِكُمْ (آلِ عمران - ۱۵)	اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

ایک طرف متبعین کو مخاطب کر کے پیغمبر آخر الزمان علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ ارشاد فرمایا کہ پیغمبر کی پیروی اصل مقصد ہے خواہ پیغمبر کا مقدس وجود بجسد عنصری تم میں موجود ہو یا نہ ہو، دوسری جانب خود پیغمبر کو مخاطب کر کے اسی حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب دشمن کی بے جا ایذا رسانی کی انتہا ہو جاتی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ ہر طرف سے حملہ پر حملہ ہو رہا ہے، تیر مینہ کی طرح برس رہے ہیں، تلواریں جھکی ہوئی ہیں اور پتھر برسائے جا رہے ہیں تو آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "وہ قوم جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے کیا فلاح پائے گی" تو حکم ہوتا ہے:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ	تیرا کچھ اختیار نہیں، خدا ان کو توبہ کی
اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ	توفیق دے یا مبتلائے عذاب کرے۔ اس
فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (آلِ عمران - ۱۲)	میں شک نہیں وہ ظالم ہیں۔

غرض یہ ہے کہ آپ دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فرض انجام دیں اس پاکیزہ مقصد میں کسی ذاتی رنج و راحت کو کوئی دخل نہیں۔ یہ مقدس فریضہ پوری اخلاص مندی اور بے نفسی کا متقاضی ہے۔ اور اس مقصد کی بلندی تک زمین و آسمان کی کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔

شکست سے قوم میں بد دلی کا پیدا ہونا اور قائد کے متعلق بدگمانیوں کا پھوٹنا کم ہو یا زیادہ، لازمی امر ہے —— لیکن اسلامی تحریک نے اپنے ماننے والے متبعین میں اصول پرستی کی وہ اعلیٰ روح بیدار کر دی ہوئی تھی، اور یہ خوبی اب تک اس حد پر پہنچ چکی ہوئی تھی کہ تحریک یا قائد کے متعلق سوچنے کے بجائے لوگ اب اپنے اعمال کا محاسبہ ہی ضروری سمجھتے تھے اور اصلاحِ اخلاق او تزکیۂ نفس ہی ان کا نصب العین قرار پا چکا تھا۔ اس لیے شکست سے بد دل ہونے کے بجائے یہ لوگ اُن کمزوریوں کی تلافی کی طرف متوجہ ہوتے، اور محبوب قائد کے متعلق بدگمانی کی جگہ اصلاحِ نفس اور فکرِ آخرت کے نصب العین کی حفاظت کے تردد میں ایسے منہمک ہو گئے کہ پیغمبر کے جسدِ عنصری قوم میں موجود نہ ہونے کا ہوش رُبا حادثہ اور یہ ہولناک تصور تک نصب العین کی راہ میں حائل نہ رہ گیا۔ اور اس معاملہ میں لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ کی اعلیٰ تعلیم نے مسلمانوں کا براہِ راست خالقِ کائنات سے تعلق ایسا استوار کر دیا۔ اور اس مقدس جماعت کو عالمِ اسباب سے اس قدر بے نیاز بنا دیا کہ ان کی لازوال روحانی زندگی کو موت کا حادثہ بھی ختم نہ کر سکے۔ یہ خدا کی راہ میں جان دے کر بھی زندگی ہی حاصل کریں اور فنا کا تصور ہی ذہن سے نکال دیں۔

ما در پیالہ عکسِ رُخِ یار دیدہ ایم
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

پیغمبر کا اصل فرض اور پیغمبری کی ڈیوٹی ہی فی الحقیقت یہ ہے کہ راہ گم کردہ انسانی مخلوق کا رُخ بارگاہِ خداوندی کی طرف موڑ دے۔ كُونُوا عِبَادًا لِّي (میرے بندے بن جاؤ) کہنا کسی ایسے بشر کا حق نہیں جسے خدا نے نبوت، کتاب اور حکمت سے نوازا ہو۔ ایسا کہنے والا رہنما نہیں راہزن ہوتا ہے۔ میرزا بیدل نے تنزیہ کا کیسا حق ادا کیا ہے۔

گر از تمامِ خضر آگاہ باشی!

(اگر تو ابھی خضر (رہنما) کے نام سے واقف ہے، تو خواہ تو بزعم خود ہم تن منزل بھی بن چکا ہے، تاحال راہ ہی میں ہے)۔

غرض میدانِ بدر میں فتح دے کر جماعت اسلامی کی تربیت کی گئی اور میدانِ احد میں شکست کا منظر دکھا کر مسلمانوں کو فتح و شکست کے تاثرات سے بالاتر مقام پر پہنچا دیا۔ یہ اس تربیتی کورس کا ایک خاص درس تھا۔

یہ سبق صحابہؓ کی مقدس جماعت نے ایسا ازبر کر لیا کہ ان کے لیے زندگی کا رہنما اصول بن گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس دن فی الواقع دنیا سے رخصت ہوئے، صحابہ کرامؓ کے لیے یہ حادثہ جس قدر الم انگیز تھا، اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اس قدرتی درد و غم کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے رازدارِ نبوت یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اسی سبق کو دُہرایا۔ قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

ایّھا الناس من کان یعبد محمّدًا فان محمدًا قدمات ومن کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حیّ لا یموت۔

لوگو! جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا، سو محمدؐ دنیا سے رخصت ہو گئے اور جو شخص خدا کی عبادت کرتا تھا، سو وہ بے شک زندہ ہے اُسے موت نہیں

پھر یہی آیت تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـئًا ؕ وَسَيَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران - ۱۵)

محمد کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے سوا نہیں کہ وہ ایک رسول ہیں ان سے پہلے کئی رسول گزر چکے اگر یہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ جو شخص اُلٹے پاؤں لوٹ گیا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اللہ شکر کرنے والوں

کو بھی جزا دے گا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ قوم کو پیغمبر کی ضرورت کے احساس میں کوئی کمی پیدا کرنا اور اس کی اہمیت کو کم کرنا مقصود تھا، حاشا وکلا۔ بلکہ پیغمبر کی اس بے غرض اور مخلصانہ تعلیم نے عرب کی آزاد قوم میں اُحد کی وقتی شکست کے بعد پیغمبر کو اور بھی زیادہ مقبول بنا دیا۔ مسلمان ہو جانے کے بعد یہ لوگ ہر غرض اور لالچ سے پہلے ہی بے نیاز ہو چکے تھے۔ انہیں ذہن نشین کرا دیا گیا تھا کہ ہر کامیابی کا مدار صرف عمل پر ہے۔

عبداللہ ابن جبیر کے ساتھیوں کا فرمانی ہوس کے خلاف درہ کو خالی کر دینے کے واقعہ نے شکست کا اصل سبب بن گیا تھا، اس سبق کو اور پختگی اور یقین بخشا کہ عمل ہی پر ہر ناکامی اور کامیابی کا مدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے دل میں اپنے قائد کا احترام اور اس کے حکم کی تعمیل کا مخلصانہ احساس اور یقین اور بڑھ گیا۔ اس گرامی قدر ہستی کی سلامتی مرد تو رہے ایک طرف عورتیں بھی بے تابانہ میدان میں آگئیں اور حضور کو سلامت دیکھ کر اپنے اعزہ کا غم بھول گئیں۔

یہ ایک بنیادی اصول تھا جس پر کھڑی کی ہوئی عمارت دن بدن بلند ہو رہی تھی اور دوسری جانب محض ایک بے بنیاد رنج و غم اور انتقامی جوش و جنوں کا دھواں اور غبار تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لحظہ بلحظہ ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

ے ۔ سب سے آخر ان جاں نثاروں کی تعریف فرمائی جو زخموں سے چُور چُور ہونے کے باوجود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر دشمن کے تعاقب کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ	جن لوگوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا
الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ	بعد اس کے کہ ان میں گھاؤ پڑ چکا تھا جو ان
الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ	میں نیک اور پرہیزگار ہیں اُن کو

وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (آل عمران ۱۷۲)   بڑا ثواب ہے۔

شکست خوردہ زخمی فوج کے بقیۃ السیف سپاہیوں کا اپنے قائد کی ایک آواز پر فوراً لبیک کہنا اور دشمن کے تعاقب میں چل پڑنا اس مقدس جماعت کی حق پرستی اور اخلاص پر ایسی ناقابلِ انکار شہادت ہے جس کی مثال کسی دوسری جگہ شاید ہی ملے۔ اور پھر اسی طرح قائد اور سالار کی مقبولیت اور اطاعت حکم کی نظیر بھی دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔ یہ وہ شواہد ہیں جو دشمنوں کے دلوں پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

تاریخِ اسلام کا ایک نیا موڑ

قریش اور یہود کی اجتماعی جنگوں کے مشترک اسباب

عرب کے تمام قبائل خانہ کعبہ کو ایک مقدس مقام سمجھتے تھے اور ان کے دل میں مذہبی اور قومی حیثیت سے کعبہ کا بے حد احترام تھا کیونکہ ان کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مقدس یادگار تھی۔ اس واسطہ سے مکہ کے قریش کا بھی تمام عرب قبائل پر اثر تھا۔ اور پھر ہر سال حج کے موقع پر چونکہ تمام عرب کعبہ کی زیارت کو آتا، قریش مکہ کو اپنے خیالات اور عزائم کی اشاعت کے لیے یہ نادر موقع قدرتی طور پر حاصل تھا۔ اور عرب کی آبادی کو اپنا ہم خیال بنا لینا ان کے لیے بڑی حد تک آسان تھا۔

بدر کی شکست سے قریش کے منتقمانہ جذبات گو تیز ہو گئے تھے تاہم اس شکست کا قریش پر یہ بھی اثر ہوا کہ ان کی نگاہ میں اب مسلمان معمولی قوت نہ تھی جسے کسی وقت کچلا جا سکتا ہو۔ حتیٰ کہ تمام قبائلِ عرب میں مسلمان اب ایک طاقت مانی جا چکی تھی۔ لیکن جب اُحد میں قریش کے حوصلے بڑھے، تو ان کے ساتھ ہی سارے قبائل نے پھر پر پرزے نکال لیے اور مسلمانوں سے عام چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

مبلغینِ اسلام سے غداری

سنہ ۴ھ کے شروع ہی میں خزیمہ بن مدرکہ کی نسل سے قبیلہ عضل اور قارہ کے چند آدمی مدینہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارا قبیلہ مسلمان ہو چکا ہے آپ صحابہ میں سے چند آدمی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے جو ہمیں دین سمجھائیں، قرآن پڑھائیں اور اسلام کے احکام سکھائیں۔ آپؐ نے دس آدمی ان کے

ساتھ کر دیئے جن میں حضرت عمر فاروق کے نانا عاصم بن ثابت کو ان کا امیر مقرر کیا۔ جب وہ رجیع کے مقام پر جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے پہنچے تو ان غداروں کے ساتھ مل کر بنو لحیان کے دو سو آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ صحابی ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ حملہ آوروں نے امان دینے کا وعدہ کر کے کہا کہ اُتر آؤ۔ لیکن عاصم اور اُس کے سات ساتھیوں نے جواب دیا کہ "ہم کافر کی پناہ میں نہیں آنا چاہتے" اور یہ آٹھ آدمی مقابلہ کر کے شہید ہو گئے۔ باقی دو آدمیوں نے جن کا نام خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ تھا، کفار کے وعدے پر اعتبار کیا اور اُتر آئے۔ کافروں نے بدعہدی کی اور دونوں کو مکے میں جا کر بیچ دیا۔

خبیبؓ کو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خریدا تاکہ اپنے باپ کے بدلے میں اُسے قتل کر سکیں جس کو حضرت خبیبؓ نے جنگِ بدر میں قتل کیا تھا۔

حضرت خبیب کو بھوکا پیاسا قید میں رکھا گیا۔ ایک دن چھوٹی سی بچی حارث کی نواسی چھری سے کھیلتی ہوئی ان کے پاس پہنچ گئی۔ خبیبؓ نے اُس کے ہاتھ سے چھری لے لی اتنے میں بچی کی ماں باہر سے آگئی۔ اُس نے یہ منظر دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیا لیکن خبیب نے کہا کہ تیرا شبہ غلط ہے مسلمان غداری نہیں کیا کرتا۔ میں بچی کو قتل نہیں کرنا چاہتا بلکہ زخم سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

حضرت خبابؓ کی شہادت

چند روز کے بعد ظالم حضرت خبیبؓ کو احترامِ کعبہ کے پیشِ نظر حرم کے حدود سے باہر لے گئے اور سولی کے نیچے کھڑا کر دیا۔ ظالم اس حقیقت سے بے خبر کہ مومن کی حرمت کعبہ کی حُرمت سے بھی عظیم تر ہے۔ انہوں نے دو رکعت نماز کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر نماز پڑھی۔ فارغ ہوئے تو کہا "دیر تک پڑھنے کو دل چاہتا تھا لیکن یہ سوچا کہ دشمن یہ خیال نہ کرے کہ موت سے ڈرتا ہے"۔

بے گناہی کے جُرم کا مُجرم سولی پر لٹکا دیا گیا۔ قاتلوں کو کہا گیا کہ جسم کے ایک ایک حصّہ

نیزوں کے چوکے لگائیں تاکہ موت کے ساتھ انتظارِ موت کی اذیت بھی دی جاسکے۔

فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی

توحید کے نشہ سے سرشار ساغرِ یقین وایمان کا سرمست مسلمان مبلغ، ممبر پر نہیں تختۂ دار پر، ارادتمندوں کے مجمع اور معتقدین کے حلقہ میں نہیں بلکہ دشمنانِ جان وایمان کے نرغے میں فریضۂ تبلیغ انجام دیتا ہے۔ چونکہ اب یہاں مخاطب صرف خدا ہی کو کیا جاسکتا تھا۔ کہا:

اللّٰھم بلغنا رسالة رسولك	خداوندا ہم نے تیرے رسول کا پیغام
فبلغه ما یصنع بنا۔	ان لوگوں تک پہنچا دیا، جو ہم سے ہو رہا

ہے، اس کی خبر اپنے پیغمبر تک پہنچا دے۔

آں راز کہ در پردہ نہاں است نہ وعظ است
بر دار تواں گفت بہ ممبر نہ تواں گفت

ظالم پورے جوش اور اضطراب سے ذاتی انتقام کا تقاضا پورا کر رہے ہیں اور ایک مومن ذاتیات کی ہر کشش اور تعلق سے دور نفسانیت کے ہر تقاضے سے کہیں اصل مقصد کا اعلان پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ فی البدیہہ اشعار کی صورت میں کر رہا ہے۔ آخری دو شعر میں

فو اللّٰہ ما ارجو اذا مت مسلماً	خدا کی قسم جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں تو
علیٰ ای جنب کان فی اللّٰہ مصرعی	مجھ کو اس کی پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤنگا
وذالك فی ذات الالٰہ وان یشأ	اور یہ سب کچھ محض خدا کے لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو
یبارك علیٰ اوصالِ شلو ممزعی	گوشت کے ایک ایک ٹکڑے پر برکت نازل فرمائیگا

آج بعض دوستوں کے خیال میں محبت رسول کا نشان اور ثبوت صرف یہی رہ گیا ہے کہ آپ کو ہر جگہ حاضر وموجود یقین کرکے براہِ راست لفظ "یا" سے خطاب کیا جائے۔ یا الصلوٰۃ والسلام" کہہ کر حضور اکرمؐ کی ہر جگہ اور ہر وقت موجودگی اور اپنی بالاصالت حاضری

اور نیازمندی کا اظہار کیا جائے۔ ہو سکتا ہے انہیں حضرت خبیبؓ سے بڑھ کر حضوری کا مقام حاصل ہو، لیکن اس جاں نثار صحابی نے محبتِ رسول کے جس بلند مقام پر کھڑے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ عنصری مدینہ میں موجود ہوتے ہوتے درود پڑھنے کا طریقہ اختیار کیا اور ہمارے لیے بطور سنتِ صحابہ یادگار چھوڑا، وہ یہی ہے کہ اَللّٰھُمَّ (اے اللہ!) کہہ کر حضورؐ پر درود و سلام پہنچایا جائے، نہ کہ براہِ راست الصلوٰۃ کہہ کر۔ عارف رومیؒ نے

موسیا! آداب داناں دیگر اند
سوختہ جاناں و رواناں دیگر اند

کہہ کر آداب دان دانشمندوں اور سوختہ جان دیوانگانِ عشق کو دو علیحدہ علیحدہ قسمیں قرار دیا ہے لیکن اصحابِ رسولؐ کی مقدس جماعت کے جاں باز افراد سے بڑھ کر کوئی سوختہ جانِ محبت ملنا جس طرح ناممکن ہے، اسی طرح آداب دانِ دربارِ نبوت سے زیادہ کسی سنجیدہ، متین اور ملکی صفات ادب شناس کا نظر آنا بھی محالِ عقلی ہے۔ یہی وہ آخری ادب گاہ ہے جہاں تمام انسانی صفات اپنے آخری درجۂ کمال کو پہنچ گئے ہیں۔ اور رہتی دنیا تک نشارِ انسانی کے لیے نمونہ اور مثال بن گئے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور مثال اور طرزِ عمل اپنی طرف سے تجویز کرنے کی کسی کے لیے کوئی گنجائش اب نہ عشق و جنوں کی وادیوں اور ویرانوں میں ہے اور نہ ہوش و خرد کے دبستانوں میں۔ نہ صوفیاء کی خانقاہوں میں ہے، نہ علماء کے مدرسوں اور درس گاہوں میں۔ فرمانِ نبوی ہے، وہ نبی جس پر نبوت ختم ہوئی۔

اِنِّی بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْاَعْمَالِ۔ میں بلند ترین اخلاق اور بہترین اعمال کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔

علامہ اقبال مرحوم نے بڑی رواداری سے کام لیا ہے، تاہم یہی کہا کہ۔

یہ معاملے ہیں نازک جو تیری رضا ہو تو کر

یہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

حضور اکرم پر درود وسلام بھیجنے کے قرآنی حکم کی تعمیل کا یہی ایک طریقہ ہے کہ جہاں خدا کی طرف سے نزولِ رحمت وبرکات اور بلندیٔ درجات اور کامیابیوں اور کامرانیوں کی نوازشات کی صورت میں حضورؐ پر درود بھیجا جاتا ہے، وہاں فرشتوں اور انسانوں کی طرف سے بارگاہِ ایزدی میں دعا و التجا کر کے حضورؐ کے علوِ مرتبت اور مقامِ محمود پر سرفرازی کے لیے درخواست کی جائے اور اپنی عقیدت مندیوں کا ثبوت بہم پہنچایا جائے۔

ہمارے پاس کونسا ایسا ذاتی سرمایہ ہے اور ہمارے بس اور اختیار میں آخر کونسی ایسی قوت ہے جس کے بل پر ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پایاں احسانات کا جواب یا صلہ اپنی طرف سے ادا کر سکیں۔ اور ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُتبۂ عالی اور مرتبۂ بلند کو کیا جانیں کہ اس رُتبہ کے مطابق کوئی تحفہ بارگاہِ نبوت میں پیش کر سکیں اور خدا کی مدد کے بغیر پیش کر سکیں، اس لیے پاسِ ادب بھی اسی صورت میں ہے اور عقلِ سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ غیر محدود خزانوں کے مالک خدائے برتر کے حضور میں التجا کی جائے، کیونکہ وہی اور صرف وہی ذات پاک اپنے حبیبؐ کے مرتبے کو جانتی ہے کہ وہ ذی شان ہستی کن تحائف اور نوازشات کی مستحق ہے اور اُسی کے لامتناہی خزانے ہی شایانِ شان تحفوں کی ادائیگی کے متحمل بھی ہو سکتے ہیں۔ مرزا غالبؔ نے کیا خوب کہا ہے:

غالبؔ! ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است!

"اے غالبؔ! میں نے خواجۂ دوجہاں کی نعت و ثنا کو خدا پر چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ وہ ذاتِ پاک محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رُتبے کو کماحقہٗ جانتی ہے اور جان سکتی ہے۔

دوسرا محبِ رسولؐ

ان کے دوسرے ساتھی حضرت زیدؓ کو اُمیہ کے بیٹے صفوان نے اسی ارادے سے

خریدا تھا۔ جب اُنہیں قتل گاہ میں لایا گیا تو تمام سردارانِ قریش اس دل چسپ تماشا میں شامل تھے۔ جب قاتل سامنے آیا تو ابو سفیان نے کہا۔ اور وہ یہی سوچ سکتا تھا اور یہی کہہ سکتا تھا "زید! اب تو تم چاہتے ہو گے کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل گاہ میں ہوتا اور تم اپنے بال بچوں میں بیٹھے ہوتے"؟ جواب دیا خدا کی قسم! میں اتنا بھی گوارا نہیں کرتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے کانٹے کی تکلیف پہنچے اور میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں"۔ ابو سفیان کی آنکھیں کھلیں بے اختیار بول اُٹھا:

ما رأیت من الناس احدً یحب	میں نے ساری دنیا میں کسی ایک شخص کو
احدًا کحُبِّ اصحابِ محمدٍ	کسی سے ایسی محبت رکھنے والا نہیں دیکھا
مُحمدًا۔	جو محبت محمد (صلعم) کے ساتھیوں کو محمد (صلعم) سے ہے۔

محبتِ رسولؐ کے دعویدارو! اور اظہارِ محبت کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے والو! اپنے بڑے دشمنِ رسول (ابو سفیان) کی شہادت اور اعتراف اور اپنے اختراعی انداز ہائے محبت کی نمائشوں پر غور کرو حقیقت اور تصنع کا فرق یقیناً کھل کر سامنے آجائے گا۔ یہاں نہ محبت کے اظہار محبت میں تصنع ہے اور نہ دشمن کی اضطراری شہادت میں۔ یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کی قربانیاں النَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (نبی مومنوں کے نزدیک ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر محترم ہے)۔ کی زندہ شہادت ہیں۔

واقعۂ بئرِ معونہ

صفر ۴ھ میں ابو براء بن عامر بن مالک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر آپ صحابہ میں سے کچھ لوگ نجد والوں کی طرف بھیج دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام قبول کرلیں گے۔ آپؐ نے فرمایا نجد والوں سے مجھے اندیشہ ہے نجد کا رئیس چونکہ ابو براء کا بھتیجا تھا، اس لیے اُس کی طرف سے ضمانت دی اور مبلغین کی حفاظت کا یقین دلایا۔ آپؐ نے منذر بن عمر ساعدی کی قیادت میں ستر صحابہؓ جن میں

قاری اور بڑے بڑے کامل بزرگ تھے، اس کے ہمراہ بھیج دیے۔

یہ مقدس گروہ جب بئر معونہ پر پہنچا تو ابو ملحان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر نجد کے حاکم عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ عامر نے خط پڑھے بغیر قاصد کو قتل کر دیا اور قبیلہ بنی عامر کو حملہ کے لیے اکسایا لیکن ان لوگوں نے ابو براء کے پناہ دادہ لوگوں سے بد عہدی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر بنی سلیم کے قبائل عصیہ، ارعل اور ذکوان کے پاس آدمی دوڑائے۔ یہ سب مل کر گئے اور بہت بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ حملہ آوروں نے صحابہ کی جماعت کو راستہ جاتے ہوئے سواری کی حالت میں آلیا۔ مسلمانوں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو ناچار تلواریں نکالیں اور مقابلہ شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ دو آدمیوں کے سوائے سب شہید ہو گئے۔ بچنے والوں میں ایک کعب بن زید ہیں جو زخمی ہو کر شہید ہونے والوں کے نیچے دب گئے اور مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیے گئے۔

دوسرے عمرو بن امیہ ضمری، یہ صاحب زندہ گرفتار ہو کر دشمن کی قید میں آئے لیکن عامر بن طفیل حاکم نجد نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔

عمرو بن امیہ جب واپس مدینہ کی طرف آ رہے تھے تو راستے میں قبیلہ بنی عامر کے دو آدمی سامنے آئے۔ عمرو نے انہیں قتل کر دیا۔ ان سے آں حضرت صلعم کا عہد تھا جس کا عمرو کو علم نہ تھا۔

جب آں حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعات سنائے تو آپ کو اس واقعہ کا ایسا رنج ہوا کہ اتنا کسی واقعہ پر نہ ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ان دو مقتولوں کا خونبہا ہم ادا کر دیں گے۔

مبلغین کے قاصد ابن ملحان کو حاکم نجد کے اشارے سے جبار بن سلمیٰ نے پشت میں نیزہ مارا جو چھاتی سے صاف نکل گیا تو گرتے ہوئے اُن کی زبان سے جو آخری الفاظ نکلے یہ تھے۔

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ — کعبہ کے پروردگار کی قسم میں مراد کو پہنچ گیا۔

اس فقرہ سے مسلمان کی زندگی کے مقصد کا پتہ چلتا ہے۔ قاتل پر ان الفاظ کا ایسا اثر ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

یہودیوں کی عہد شکنی اور سلسلہ جنگ

نوٹ۔ ان واقعات کا سلسلہ تاریخ اور وقت کے لحاظ سے درست کرنے کے لیے آپ کو کچھ وقت پیچھے ہٹنا پڑے گا۔ چونکہ یہ ایک دوسری قوم کے حالات ہیں اس لیے انہیں بعد میں شروع کیا گیا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہود سے معاہدہ تھا۔ معاہدے کی تفصیل واقعات بدر کے شروع میں گزر چکی ہے۔

یہود مدینہ کا سلسلہ نسب اور ذاتی عادات

مدینہ کے یہود نسل کے لحاظ سے عرب کے قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے جو کسی زمانہ میں موسوی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں وہ خاندانی بزدلی جو یہود قوم کی امتیازی خصوصیت ہے نہیں پائی جاتی تھی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ دلیر اور شجاع تھے۔ البتہ ایسی بدعات اور اخلاقی کمزوریاں جو کسی دولتمند اور سرمایہ دار قوم میں لازماً پیدا ہو جاتی ہیں، سب کی سب ان میں بدرجۂ کمال موجود تھیں۔ سودی لین دین اصل کاروبار تھا۔ اور چونکہ ان کے مقابلہ میں کوئی قوم مالدار نہ تھی۔ اس لیے سود کی من مانی شرحیں مقرر کرتے، وصولی میں انتہائی بے رحمی اور سنگدلی سے کام لیتے۔ یہاں تک کہ مقروضوں کے بیوی بچوں تک کو رہن رکھتے۔ جو لوگ مہاجن کے سودی کاروبار اور اس کاروبار کے لوازم و مضمرات سے واقف ہیں سمجھ سکتے ہیں کہ لوگوں کے مال و املاک اور جائدادوں پر تصرف حاصل کرنے کے لیے یہ سلسلہ کس قدر کامیاب ذریعہ ہے۔

جب کسی قوم کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی غلبہ و تصرف کے اس قدر وسیع ذرائع

حاصل ہوں۔ مال کی محبت اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہو، سرمایہ داری کے غرور اور دولتمندی کی نخوت نے مطلق العنان بنا رکھا ہو، تو پھر ایسی قوم کو زنا، بدکاری، جھوٹ اور بدعہدی جیسی بداخلاقیوں سے کون روک سکتا ہے؟

یہود کا مذہبی اقتدار و اختیار

ان تمام نوازشاتِ بے جا اور غلط بخشیوں کے علاوہ زمانہ نے انہیں مذہبی پیشوائی کا اعزاز بھی دے رکھا تھا۔ کیونکہ یہ اہلِ کتاب تھے۔ اور ان کے مقابلہ میں انصار کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے۔ محض ملکی رواج کے مطابق بُت پرست تھے جس طرح ہمارے ہاں جاہل ہندو سکھوں کی کتاب گرنتھ کی صوفیانہ تعلیم سے متاثر ہو کر منتیں مان لیتے تھے کہ اگر مجھے خدا نے فرزند عطا کیا تو میں اپنے بیٹے کو سکھ بنا دوں گا۔ بالکل اسی طرح انصار بھی اپنے بیٹوں کو شوق اور ارادت سے یہودی بنا دیتے تھے۔

دولتمندی کے بل پر معاشری اور تمدنی رسم و رواج میں آزاد تھے۔ بلکہ حسبِ دل خواہ قاعدے تجویز کر لیتے تھے۔ ویسے ہی مذہبی اقتدار و امتیاز کی بنا پر اخلاقی بد اعمالیوں پر گرفت کرنا نہ کرنا، سزا دینا یا نہ دینا، بڑے بڑے جرائم پر بڑوں کو کم سزا دینا اور چھوٹوں کو چھوٹے گناہوں پر بھی بڑی سزائیں دینا، کسی کو سزا دینا اور کسی کو نہ دینا، یہ سب اُن کے اپنے اختیار میں تھا۔ زنا کی سزا تورات میں سنگساری ہے لیکن وہ صرف دُرّے پر اکتفا کرتے تھے تاکہ امیر لوگ محفوظ رہ سکیں۔

یہود کی مخالفت کی وجوہ

یہودیوں نے مسلمانوں سے معاہدہ تو پہلے ہی دن کر لیا تھا جس میں ہر فریق کو مذہبی آزادی بھی حاصل تھی لیکن صلح و جنگ میں ہم آہنگی اور معاملات میں دوستانہ تعلقات جیسے روابط جب ہی قائم رہ سکتے تھے کہ وہ تمام اصلاحات جو اسلام تمدن و معاشرت اور اخلاق میں نافذ کرنا چاہتا تھا، یہود بھی انہیں اپنانے اور قبول کرنے کے لیے آمادہ

ہوتے۔ کیونکہ اسلام نے نوعِ انسانی کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کیا ہے اور وہ اپنی بقاو تحفظ میں کسی دوسرے نظامِ زندگی کا محتاج نہیں۔ اور یہود ایک ایسی زندگی کے عادی ہو چکے تھے جس پر اخلاقی پابندیاں یقیناً گراں اور ناگوار تھیں۔

قرآن کریم نے اُن کی عام حالت کو بیان فرمایا ہے:

وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ-۹)	اور اُن میں کے اکثر کو تو دیکھے گا کہ گناہ اور شر کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں۔

قانون سے نفرت اور حیلہ سازی اُن کی خاندانی روایات ہیں۔

۱۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ - (بقرہ)	اور جب ہم نے تم سے پابندی قانون کا عہد لیا اور تم پر پہاڑ اونچا کیا۔ ہم نے کہا جو ہم نے تم کو دیا اس کو پوری قوت سے پکڑو اور جو اس میں ہے اُسے یاد کرتے رہو، شائد تم متقی ہو سکو۔ پھر اس کے بعد تم نے رو گردانی کی۔
۲۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ (〃)	اور جن لوگوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن میں زیادتی کی اُن کو تم جان چکے ہو، تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل۔

اخلاق یہاں تک گر چکے ہیں کہ:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ (مائدہ-۶)	وہ جھوٹ شوق سے سنتے ہیں، اور بہت حرام کھاتے ہیں۔

۳۔ سود جو تمام بُرائیوں اور بداخلاقیوں کی جڑ ہے، ان کی معاش و عشرت کا ذریعہ اور معاشی زندگی کا اصل الاصول تھا۔ حالانکہ جس کتاب کو مانتے ہیں اس نے سود کو حرام قرار

دیا ہے۔ (خروج باب ۲۲ آیت ۲۵ تا ۲۷)

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ۔ (النساء - ۲۲)	اور ان کا سود لینا، حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا ہے۔

اسلام کی یہ راست گوئی، اصلاحی جد وجہد اور ان کے عیوب کی پردہ دری ان کو کسی حالت میں قابل برداشت نہ تھی مصلح عوام کو اُن کاموں سے روکتا ہے جو ان کی دل پسند عادتوں میں شامل ہو چکے ہوتے ہیں، اس سے بڑھ کر دشمنی کی مضبوط بنیاد اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی سے اُس کی محبوب شے چھینی جائے۔

تاہم مذہبی تقدس کا اثر اور اُن کا سیاسی وقار دن بدن کم ہو رہا تھا اور اسلام ایک مستقل قوت کی حیثیت سے اپنا سیاسی اور مرکز قائم کر چکا تھا۔

اسلام کو کسی فرد یا قوم سے ذاتی عداوت اور پرخاش نہیں۔ اس کے سامنے ایک مثبت پروگرام کے تحت ایک مقصد اور ایک نصب العین ہے جسے حاصل کرنا اسے مطلوب ہے، کسی قوم کی خوبی تسلیم کرنے میں اسے بخل اور کسی قوم کی برائی کی اصلاح و تردید میں خوف و ہچکچاہٹ نہیں۔ فرمایا ہے:

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا۔ (آل عمران - ۸)	اور اہلِ کتاب میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تو اُن کے پاس ڈھیروں ڈھیر مال امانت رکھے تو تجھے ادا کر دیں اور بعض ان میں وہ ہیں کہ اگر تو اُن کے پاس ایک دینار امانت رکھے تو جب تک تو اُن کے سر پر کھڑا نہ رہے واپس نہ کریں گے۔

جہاں یہود کی برائیاں بیان کی ہیں وہاں اُن کی عظمتِ رفتہ کا اعتراف اور اعلان بھی صاف الفاظ میں فرمایا:

اِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	میں نے تمہیں سارے جہان پر فضیلت بخشی۔

یہود کو دعوتِ اسلام

گو اعمال کی حیثیت سے وہ نہایت گر چکے تھے، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی لحاظ سے ان کے عقائد کو درست اور صحیح تسلیم کرتے ہوئے دعوت دی کہ:

يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ	اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف
سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ	جو ہم اور تم یکساں طور پر مانتے ہیں وہ یہ کہ ہم اللہ
اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔا	کے بغیر کسی کی بندگی نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ
وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا	کسی کو شریک ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی خدا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (آل عمران - ۷)	کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا رب بنائے۔

بلکہ جس معاملہ کی نسبت الٰہی قرآن میں کوئی حکم نازل نہ ہو چکا ہوتا تو آپ اس میں اہلِ کتاب ہی کا اتباع فرماتے۔ صحیح بخاری میں ہے:

وكان يحب موافقة	اور آں حضرتؐ جن باتوں میں کوئی خاص
اهل الكتاب فيما لم يؤمر	حکم نازل نہیں ہوتا تھا، اہلِ کتاب ہی کی
فيه شيءٍ ۔	موافقت پسند فرماتے۔

لیکن اس مخلصانہ روش اور موافقت کے سلوک کے باوجود یہود اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں بالکل بے بس ہوتے جاتے تھے۔ اور وہ اپنی زندگی مسلمانوں کے خاتمہ ہی میں یقین کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام تر سرگرمیاں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے منصوبے سوچنے پر صرف ہونے لگیں۔ قرآن صورتِ حال بیان کرتا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً	یہود اور مشرکین کو سب لوگوں سے
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ	بڑھ کر تو مسلمانوں کا دشمن پائے گا۔
اَشْرَكُوْا ۔ (مائدہ - ۱۱)	

یہود کی مخالفت کے طریقے | کسی قوم کی عزت اور وقار کا انحصار دو ہی چیزوں پر

ہوسکتا ہے۔ مذہبی حیثیت اور سیاسی قوت۔ چونکہ مشرکوں اور جاہل طبقہ کو یہود کی مذہبی وقار کو کم کرنے کی غرض سے یہ پڑھے لکھے سلسلہ نبوت پر ایمان کے مدعی یہ لوگ مخالفت کے جوش میں بے ہوش ہو کر ان سے یہاں تک کہہ دیتے کہ مسلمانوں سے تو یہ فرزیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ	اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ مسلمانوں
أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا (ن ر ۸)	سے تو یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

بلکہ عملاً انہوں نے ایک چال چلنا چاہی جس سے لوگ بددل ہوسکیں۔ یعنی مسلمان ہو ہو کر مرتد ہوتے جائیں تاکہ عوام یقین کرلیں کہ اگر اسلام سچا ہوتا، تو یہ پڑھے لکھے لوگ قبول کر کے کیوں چھوڑتے

وَقَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ	اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا
الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى	کہ مسلمانوں پر جو (قرآن) نازل ہوا ہے اس
الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَ	پر پہلے پہر ایمان لے آؤ اور دوسرے پہر انکار
اكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ	کردو شاید یہ (مسلمان) لوگ بھی (اپنے دین
يَرْجِعُونَ ۔ آلِ عمران - ۸)	سے) پھر جائیں۔

۲۔ دوسری طرف مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے ان لوگوں نے مدینہ کے منافقین اور مکہ کے مشرکین قریش سے سازباز شروع کی۔

جس طرح قریش جنگِ اُحد کے بعد اُبھرے اور مختلف اطراف سے شرارتوں کا سلسلہ شروع کردیا، اسی طرح یہود نے بھی اپنے خیال میں اس وقت کو مناسب سمجھا۔ یہود کے تین قبائل تھے جو مدینہ کے اردگرد آباد تھے۔ قریظہ، نضیر اور قینقاع ان کے علیحدہ علیحدہ مضبوط قلعے تھے اور تمام مالدار اور صاحب ثروت تھے۔ انصار ان

تھے ۔لیکن اب اسلام نے انہیں متحد کر دیا تھا۔

سیاسی سازشیں

سب سے پہلے یہود کو یہ تدبیر سوجھی کہ انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو آپس میں لڑایا جائے اور ان کی جمعیت کی بنا پر جو قوت اسلام کو حاصل ہوئی ہے اسے ختم کیا جائے۔ انصار کے ان دو قبیلوں میں پہلے ایک بڑی جنگ ہو چکی تھی جسے جنگِ بعاث کہتے ہیں ۔اور یہی جنگ ان کی قوت کے خاتمہ کا آخری سبب تھی۔ نیا فتنہ بیدا کرنے کے لیے ہمیشہ پرانے زخموں کو چھیڑا جاتا ہے ۔اور عرب جیسے جنگ جو ملک میں تو صرف ایسے واقعات کا تذکرہ ہی کافی ہو سکتا تھا۔

یہود کی پہلی شرارت

ایک دفعہ ان دونوں قبیلوں کے بہت سے آدمی بیٹھے بات چیت کر رہے تھے چند یہودیوں نے ان میں جنگِ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا ۔دونوں کو پرانے واقعات یاد آگئے دفعتہً فتنے کی دبی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی ۔طعن و تشنیع سے تلواروں تک نوبت پہنچ گئی اتنے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم موقع پر پہنچ گئے۔ آپؐ نے دونوں فریق کو وعظ و نصیحت کرکے ٹھنڈا کیا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے بھی قریش نے مدینہ کے رئیس عبد اللہ ابن ابی بن سلول کو لکھا تھا کہ "تم نے ہمارے حریف کو پناہ دے رکھی ہے اسے نکال دو ورنہ ہم تمہیں تباہ کر دیں گے"۔ اب کے قریش نے اس خدمت کے لیے یہود کو مناسب اور موزوں سمجھا اور انہیں حسبِ ذیل خط لکھا۔

انکم اھل الحلقة والحصون	تم لوگوں کے پاس سامانِ جنگ اور قلعے ہیں
وانکم تقاتلن صاحبنا اولنفعلن	تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے
کذا اوکذا . ولا یحول بیننا و	لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور

يين خلاخل النساء كم شئ ۔	کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی۔

یہودیوں کی سازشوں اور قریش کی فتنہ سامانیوں سے مدینہ میں یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو گھر سے نکلنا صحابہ خطرناک سمجھنے لگے۔

ہوا خواہ جاں نثاروں کو اس حد تک خیال رہتا تھا کہ طلحہ بن براء کا وقت نزع قریب آیا تو وصیت کی کہ اگر میں رات کو مروں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دینا۔ مبادا آپ جنازہ کو نکلیں اور کوئی حادثہ پیش آجائے۔

یہود کی دوسری شرارت عہد شکنی

گو یہودیوں کے تینوں قبائل دولتمند تھے لیکن ان میں سے قینقاع زیادہ مالدار اور بہادر تھے۔ زرگری کا کام کرتے تھے۔ ان کے پاس اکثر سامانِ جنگ رہتا۔ سب سے پہلے اسی قبیلہ نے مسلمانوں سے عہد شکنی کر کے اعلانِ جنگ کر دیا۔

ابنِ اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کی ہے:

ان بنی قینقاع کانوا اوّل یهود نقضوا مابینهم و بين رسول الله وحاربوا فيما بين بدرٍ و احدٍ ۔	بنی قینقاع پہلے یہود ہیں جنہوں نے اس عہد کو توڑا جو اُن کے اور رسول اللہ صلعم کے درمیان ہوا تھا۔ اور بدر و احد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی۔

دلوں میں جب فتنے کی آگ سلگ رہی ہو تو بات بات میں اس کے بھڑک اُٹھنے کے امکانات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ انصار کی ایک عورت دودھ بیچتی ہوئی بنو قینقاع کے محلہ سے گزری چند یہودیوں نے زیادتی کی اور اُسے برہنہ کر دیا۔ عورت نے اس پر چیخ پکار کی۔ ایک مسلمان موقع پر پہنچ گیا۔ اُس نے شرارت پیدا کرنے والے یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے مل کر اُس کا کام تمام کر دیا۔ اور عام بلوہ بھی کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

بدر سے واپس آکر سمجھانے کی کوشش کی اور فرمایا "خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے"۔ یہود کا خود غرض ذہن اور تنگ ضمیر خوفِ خدا کے احساس کی پہنائیوں اور تقویٰ اللہ کی وسعتوں کو کہاں پا سکتا تھا۔ اُلٹا کہنے لگے "محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مغرور نہ ہو جاؤ تم ایک قوم سے ٹکرائے جنہیں علم نہ تھا کہ جنگ کیا چیز ہے ہم سے پالا پڑا تو تمہیں پتہ چل جائے گا"۔ معاہدے کا کاغذ واپس کر دیا اور جنگ پہ آمادہ ہو گئے۔ اس موقع پہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً	اور اگر تجھ کو ڈر ہو ایک قوم کی خیانت کا
فَانْبِذْ عَلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ	تو اُن کو برابر جواب دے دے۔ اللہ کو دغا باز
لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ (انفال-۷)	پسند نہیں۔

یہود بنو قینقاع کی جلا وطنی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری کر لی۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ آپؐ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، جو پندرہ دن تک مسلسل قائم رہا۔ آخر کار یہود نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر رضا دے دی اور کہا آپ جو فیصلہ فرمائیں منظور ہے۔ آپؐ نے وطن چھوڑ جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ سات سو اشخاص جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔ مدینہ سے نکل کر اذرعات میں جو شام کے علاقہ میں ہے، جا بسے۔ یہ شوال ۲ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

یہود کی چوتھی شرارت

بنو قینقاع کے بعد قبیلہ بنو نضیر کی نوبت آتی ہے۔ کعب بن اشرف یہودی ایک مشہور شاعر تھا جس کا باپ قبیلہ طے سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو نضیر کا حلیف بن کر مدینہ میں آیا، اور یہیں آباد ہو گیا۔ ابو رافع بن ابی الحقیق جو یہود کا پیشوا اور بڑا معزز آدمی تھا۔ اُس کی لڑکی سے شادی ہوئی جس کے بطن سے کعب پیدا ہوا۔ قبیلہ طے کی وجہ سے عرب کے ساتھ اور ماں کی طرف سے یہود کے ساتھ

اس کے علاوہ دولتمندی میں وہ رتبہ تھا کہ عرب کے یہودیوں کا رئیس سمجھا جاتا تھا۔ یہودیوں کے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری پر یہ تنخواہیں اُس وقت تقسیم کیں جب ان لوگوں کو اسلام کی مخالفت میں اپنا ہم خیال بنالیا۔

اسلام کی مخالفت اس کے دل میں یہاں تک تھی کہ جس دن مسلمانوں کو بدر میں فتح ہوئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کو خوش خبری پہنچانے کے لیے مدینہ روانہ فرمایا، تو خبر سُن کر کہنے لگا، اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی قسم اس زندگی سے مرجانا بہتر ہے۔" اور جب اُسے اس خبر کی تصدیق ہو گئی تو اُسی وقت مکہ میں پہنچا۔ علی بن ابی وداع السہمی کے ہاں اُترا۔ اس کی قوم نے نہایت عزت و تکریم کی۔ جن لوگوں کے عزیز بدر میں قتل ہوئے تھے، اُن کے ہاں تعزیت کی اور کشتگانِ بدر کے مرثیے کہہ کہہ کر جن میں انتقام پر اُبھارا گیا اور جوش دلایا گیا تھا، جلسے کر کر کے پُر درد لہجہ میں سنائے اور در و دیوار کو تصویر ماتم بنا دیا۔

پھر مدینہ میں آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہنے شروع کیے اور عورتوں کی نسبت نامناسب اشعار کہے۔

عرب میں کسی چیز کا پراپیگنڈا کرنے کے لیے شاعری سے بڑھ کر کوئی کامیاب ذریعہ نہ تھا۔ جب یہ فتنہ حد سے بڑھ گیا تو بنو نضیر کے اس مفسد حلیف کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کر کے اوس کے رؤسا کے مشورہ سے محمد بن مسلم نے ربیع الاول ۳ھ ہجری میں قتل کر دیا۔

غزوۂ بنو نضیر

ربیع الاول سنہ ۴ ہجری

جنگ کیوں ہوئی؟

پہلے گزر چکا ہے کہ بیرِ معونہ سے واپسی کے وقت راستہ میں عمرو بن اُمیہ نے دو آدمی قتل کر دیے تھے۔ بنی عامر اور بنو نضیر آپس میں حلیف تھے اور بنو نضیر اس معاہدے میں شامل تھے جو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے کیا تھا، لہٰذا بنو نضیر کے حلیف بنو عامر کے مقتولین کا خوں بہا مسلمانوں اور یہود پر لازم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے ان دو آدمیوں کے قتل کی خبر سُن کر فرمایا تھا کہ ہم ان کا خوں بہا ادا کریں گے۔

چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے تاکہ خوں بہا کا وہ حصہ جو معاہدہ کی رو سے بنو نضیر کے ذمہ آتا ہے اُن سے وصول کیا جائے۔ اُنہوں نے ادائگی کی ذمہ داری کو تسلیم کیا اور کہا کہ ہاں ہم ادا کریں گے۔ جنگی مصارف کو مل کر پورا کرنے کا عہد ابتدائی معاہدہ میں شامل ہے۔ آپ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے یہودیوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ ایسا موقعہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ کون ہے جو مکان کی دوسری طرف سے جا کر اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا دے اور ہمیں اس مصیبت سے نجات مل جائے۔ عمرو بن جحاش ایک یہودی اس ارادہ بد سے مکان پر چڑھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس صورتِ حال سے آگاہی ہو گئی۔ آپ اپنے ساتھیوں سمیت فوراً اُٹھ کر مدینہ کی طرف لوٹ آئے اور صحابہؓ کو اس سارے واقعہ کی اطلاع دی۔

بنو نضیر نے در پردہ بغاوت کی تیاری کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ آپ تیس آدمی ساتھ لے کر آئیں۔ اگر آپ کا کلام سُن کر ہمارے علماء نے تصدیق کر دی تو

ہم بھی مان لیں گے۔ آپ نے جواب میں کہا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھ دو میں تم پر اعتبار نہیں کروں گا۔ وہ اِس پر راضی نہ ہوئے۔ پھر آپ نے بنو قریظہ کو تجدیدِ معاہدہ کے لیے کہا، وہ مان گئے اور معاہدہ لکھ دیا۔ اب بنونضیر کے لیے یہ مثال موجود تھی لیکن وہ پھر بھی نہ مانے۔ البتہ دوبارہ پیغام بھیجا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس آدمی ساتھ لے کر آئیں اور ہمارے علماء سے گفتگو کریں۔ آپ تیار ہو گئے لیکن راستہ میں یقینی اطلاع ملی کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار بیٹھے ہیں۔

بنونضیر کو قریش کی دھمکی پہنچ چکی تھی جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اور یوں بھی ان لوگوں لوگوں کو اپنے قلعوں کی مضبوطی پر ناز تھا۔ اس کے علاوہ عبداللہ ابن ابی منافق نے بنو قریظہ کی طرف سے تعاون کا یقین دلایا ہوا تھا کہ میں خود دو ہزار آدمی لے کر پہنچ جاؤں گا۔ اِس سلسلہ میں کسی کی نہ سنوں گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ۔ (الحشر - ۱)

تم نے دیکھا نہیں کہ منافق اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم نکلے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ اور ہم تمہارے حق میں کسی کا کہا نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے کوئی لڑا تو ہم بھی تمہاری امداد کو آئیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔

اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں۔

اور فرمایا:

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا

اگر وہ نکالے گئے یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے۔ اور لڑائی ہوئی تو اُن کی مدد

یَنْصُرُوْنَهُمْ۔ (حشر-۱) مدد نہیں کریں گے۔

اِن حالات میں جنگ ناگزیر ہوگئی۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

ربیع الاول ۴ھ ہجری میں آپؐ نے ان کا محاصرہ کیا جو پندرہ دن تک قائم رہا، بالآخر بنی نضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ ہتھیاروں کے علاوہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں لے جائیں اور مدینہ سے نکل جائیں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط مان لی اور وہ سب نکل گئے۔ بڑے بڑے رؤسا سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع، حی بن اخطب وغیرہ خیبر چلے گئے اور وہاں اُن کی قدر کی گئی۔ یہاں تک کہ انھیں رئیس تسلیم کر لیا گیا۔ اور کچھ شام کی طرف چلے گئے۔

اسلام میں مذہبی آزادی

انصار کی اولاد میں سے جن لوگوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا، یہود انہیں ساتھ لے جانا چاہتے تھے اور انصار روکتے تھے۔ اِس جھگڑے کا فیصلہ قرآن پاک نے ان الفاظ میں کیا:

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (بقرہ ۲۵۶) مذہب میں کوئی زبردستی نہیں۔

نتائج جنگ

جلاوطن ہونے والوں نے پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں چھوڑیں۔ قرآن کریم نے یہود کے فخر و غرور اور اس گھمنڈ کا ذکر کرتے ہوئے جو ان کو اپنے ساز و سامان، قوت اور قلعوں کے استحکام پر تھا اور جس کی بنا پر وہ خدائی قوت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، فرمایا ہے کہ وہ جا ہے تو کسی قوم کی تباہی کی ایسی راہیں پیدا کر دیتا ہے جن کا

وہم وگمان بھی نہیں ہوتا مسلمانوں کا رُعب جو ان کے دلوں تک پہنچ گیا، قلعوں کی مضبوط دیواریں اس راہ میں حائل نہ ہو سکیں۔ اور پھر اس واقعہ کو عبرت کا نمونہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ تاکہ اسلام کی ناحق مخالفت کرنے والے عبرت حاصل کریں اور یہی ان واقعات کی اصل غرض ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ	خدا کی ذات وہی ذات ہے جس نے اہل
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ	کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو ان کے گھروں
دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا	سے پہلی ہی بھیڑ میں نکال دیا۔ مسلمانو! تم
ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ	خیال بھی نہ کرتے تھے کہ وہ نکل جائیں گے
مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ	اور ان لوگوں نے بھی اپنی جگہ سمجھ رکھا تھا
فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ	کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کے ہاتھ سے بچا
یَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ	لیں گے۔ پھر اللہ ان کو پہنچا اُن کو جہاں
الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ	سے خیال تک نہ تھا۔ اور اُن کے دل میں دھاک
بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ	بٹھا دی۔ لگے اُجاڑنے اپنے گھروں کو اپنے
فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۔	ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سو
(حشر-۱)	عبرت پکڑو اے آنکھ والو۔

اس معرکے میں لڑنے تک نوبت نہیں آئی اور دست بدست جنگ نہیں ہوئی۔ ایک جان کا بھی نقصان نہیں ہوا۔ یہود چند دن کے محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور جلا وطنی کی ذلت کو قبول کر لیا۔

یہود کے دل مسلمانوں کی جس قوت سے مرعوب ہوئے، وہ محض اخلاق کی قوت اور عقیدے کا اطمینان تھا جس سے یہود کے اپنے دل خالی تھے۔ یہود کی مادہ پرست نگاہ مضبوط قلعوں، سامانِ جنگ، عددی کثرت، مال و دولت اور ہم خیال پارٹیوں کی مدد کے وعدوں

زیادہ مسلط تھا۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۔ (حشر)

اُن کے دلوں پر خدا سے زیادہ تمہارا خوف چھایا ہوا تھا۔

وہ جس طرح مسلمانوں سے بار بار وعدہ خلافیاں کرتے رہے اسی طرح اُن کا آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد نہ تھا۔

بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ط تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ۔ (حشر)

یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔

غرض مسلمانوں کی اخلاقی قوت اب اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ دشمنوں کے دل بھی اس کے اعتراف پر مجبور تھے۔ یہی اسلامی تحریک کی اصل غرض وغایت تھی۔ یہود بہمہ جہتی مادی قوت کی موجودگی کے باوصف سب کچھ چھوڑ کر جلا وطنی پر مجبور ہو گئے۔ دنیا نے یہ منظر آنکھوں سے دیکھا۔ یہی دکھانا قدرت کو مطلوب تھا۔

بنو نضیر کی متروکہ جائداد کی تقسیم کا سوال سامنے آیا تو وہ انصار جو کئی سال سے مہاجر بھائیوں کو سینے سے لگائے ہوئے تھے اور اپنی جائدادوں تک میں انہیں حصہ دار بنا کر ان کی مخلصانہ خدمت کر رہے تھے، انہیں مخاطب کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عزیزو! اچھا ہو تو یہ بے مشقت ہاتھ آیا ہوا مال آپس میں تقسیم کر لو، اور اگر اسے اجازت دو تو ان خانماں برباد مہاجروں کو دے دیا جائے، تاکہ یہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں اور تم ان کی خدمت سے سبکدوش ہو جاؤ۔"

انصار کے رئیس سعد بن عبادہ رضؓ اور سعدؓ بن معاذ دونوں نے قوم کی طرف سے عرض کیا کہ حضور یہ تمام مال ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجیے اور انہیں بدستور ہمارے ساتھ بھی رہنے دیجیے۔

بلند اخلاقی اور ایثار و قربانی کی بلندی کا اس ایک ہی واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے
کہاں یہود کی ضرب المثل روایتی تنگدلی، اور کہاں یہ فراخ حوصلگی۔
اسی سورہ حشر میں "فیٔ" کے مال کا قانون بھی بیان فرمایا گیا ہے اس کی تقسیم اور
اس کے مصارف کا مفصل ذکر ہے۔
اس سورہ کے آخری رکوع میں تزکیہ نفس اور عقیدے کی مضبوطی پر مزید زور دیا
گیا ہے جو اسلامی تحریک کا اصل نصب العین ہے۔

قریش اور یہود کی متفقہ سازشیں

اب قریش اور یہود دونوں مسلمانوں کی مخالفت میں ایک ہی سطح پر آگئے اور
مکہ و مدینہ کا امتیاز اٹھ چکا تھا۔ توحید پرست ہر طرف دشمنوں کے نرغہ میں تھے سارے
عرب میں ہر قبلیہ نے اپنی اپنی جگہ مدینے پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے
قبیلہ انمار و ثعلبہ نے حملہ کی ہمت کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بر وقت اطلاع ہو گئی۔ محرم
۵ہجری کو آپ چار سو صحابہؓ کی جمیعت لے کر نکلے، ذات الرقاع تک پہنچے تو معلوم ہو گیا
کہ دشمن بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گیا ہے۔
پھر ربیع الاول ۵ ہجری میں اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل میں کفار کی ایک عظیم
الشان فوج جمع ہو رہی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہؓ کو لے کر نکلے
لیکن مخالف اطلاع پا کر بھاگ گئے۔

غزوۂ بنی المصطلق

جنگ کیوں ہوئی؟

بنی مصطلق قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی نسبت اطلاع پہنچی کہ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق اور مزید حالات کی دریافت کے لیے یزید بن حصیب کو بھیجا۔ خبر کی تصدیق ہوئی تو آپ نے تیاری کا حکم دیا۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

۲ شعبان ۵ھ ہجری کو اسلامی فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ جب مقام مریسیع پر، جو مدینہ سے ۹ منزل پر واقعہ ہے پہنچے تو بنو مصطلق کا رئیس و قائد حارث بن ابی ضرار مع اپنی جمعیت کے بھاگ گیا۔ لیکن جو لوگ مریسیع میں آباد تھے، خوب جم کر لڑے۔ دیر تک تیر برسائے۔ آخر مسلمانوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تو اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دشمن کے دس آدمی مارے گئے اور قریباً چھ سو گرفتار ہوئے جن میں دیگر مرد و زن کے علاوہ رئیس قوم حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی غنیمت میں ہاتھ آئیں۔

نتائج جنگ

لونڈی غلام اور مال و دولت جب تقسیم ہوا تو حضرت جویریہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ حضرت جویریہ نے ثابت بن قیس سے مکاتبت کی درخواست کی یعنی عام رواج کے مطابق جس کا مطلب یہ تھا کہ کچھ روپیہ لے کر آزاد کر دو۔ حضرت ثابت نے منظور

پاس آئیں، کیونکہ دشمن بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں سے نیک سلوک اور احسان سے دریغ نہیں فرماتے۔ چنانچہ مکاتبت کی تمام رقم آپؐ نے اپنے پاس سے ادا کر دی۔

حضرت جویریہ کی آزادی اور نکاح

اِدھر حضرت جویریہ کا باپ بھی آپؐ کی خدمت میں پہنچ گیا اور عرض کی کہ جویریہ میری بیٹی ہے۔ رئیس قبیلہ کی بیٹی کے شایانِ شان نہیں کہ اُسے کنیز بنایا جائے۔ آپ مہربانی کر کے اِسے آزاد کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ معاملہ خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دو۔ حارث نے بیٹی سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیرا معاملہ تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے دیکھنا مجھے رسوا نہ کرنا۔ انہوں نے جواب دیا، میں آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت ہی میں رہنا چاہتی ہوں۔

اِس نکاح کی برکات

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ سلوک کا نتیجہ یہ رہا کہ بیٹی کے ساتھ باپ بھی مسلمان ہوگیا۔ جو بیٹی کو آزاد کرانے گیا تھا، خود اسلام کی حلقہ بگوشی پر ناز کرنے لگا۔ آخر آزاد ہو جانے کے بعد حضرت جویریہ سے آپؐ نے نکاح کر لیا۔

صحابہؓ کو جب اس نکاح کی اطلاع ملی تو جس جس کے قبضہ میں اسیرانِ جنگ میں سے کوئی لونڈی غلام تھا، سب نے آزاد کر دیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال کے لوگ قید میں نہیں رہنے چاہییں۔ اس طرح بنی مصطلق سو کنبے آزاد ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت جویریہؓ کے نکاح کی نسبت فرماتی ہیں۔

فما اعلم امراۃ کانت	میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی
اعظم علی قومھا برکۃ	جو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے بڑھ کر برکت
منھا۔	کا سبب بنی ہو۔

اسلامی تحریک کا ایک اہم تاریخی موڑ

عبداللہ ابن ابی کی منافقت کے کارنامے اور فتوحات کے نتیجہ میں اس کی مایوسی غیظ اسلامی تحریک کا ایک اہم تاریخی موڑ ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ غزوۂ بنی نضیر میں مسلمانوں کی کامیابی، ان کی بلند اخلاقی، باہم محبت و ایثار اور عقیدے کی مضبوطی ہی کی رہین منت تھی۔ یہود جیسی قدیم مذہبی جماعت مسلمانوں کی ان خوبیوں سے ہی مرعوب اور مغلوب ہو کر شکست کھا گئی۔ اس لیے اب دشمن نے مسلمانوں کی اسی اخلاقی قوت کو نقصان پہنچانے کی طرف توجہ دی۔ مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے، نسلی عصبیت کو اُبھارنے اور بداخلاقی کی جھوٹی افواہیں پھیلانے پر زور دینا شروع کیا۔ دشمنی کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ جو خوبی اپنے اندر پیدا نہ ہو سکے، فریقِ مخالف کی ان خوبیوں سے دانستہ انکار کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرنے اور دوسرے کو ستانے اور اذیت دینے کی کوشش کی جائے۔ آئندہ واقعات میں عبداللہ ابن ابی کی سرگرمیاں ایک ایک کر کے اسی موضوع پر سامنے آئیں گی۔

یہ ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس غزوہ میں اسلامی تاریخ کا مشہور منافق عبداللہ ابن ابی بھی اپنے ساتھیوں سمیت شریک جنگ تھا۔ اسلام کی روزافزوں کامیابیاں منافقوں کی بیماری میں مزید اضافے ہی کا سبب تھیں۔ ابھی اسلامی لشکر مقام مریسیع ہی میں مقیم تھا کہ ایک حادثہ پیش آگیا۔ حضرت عمرؓ کے ملازم جہجاہ بن مسعود غفاری مہاجر اور سنان بن وبر جہنی جن کا انصار سے تعلق تھا۔ آپس میں کسی بات پر ان دونوں کا جھگڑا ہو گیا۔ ابن ابی نے موقع غنیمت جان کر اوس اور خزرج انصار کے قبیلوں کو بھڑکانا شروع کر دیا سنان نے انصار کو مدد کے لیے پکارا اور جہجاہ نے مہاجرین کو آواز دی۔ دونوں جانب سے لوگ نکل آئے۔ عین اسی میدان اور اسی وقت میں جہاں ان دونوں مہاجرین اور انصار نے مل کر دشمن کو شکست فاش دی، ممکن تھا کہ آپس میں جنگ شروع ہو جاتی یہ شور سُن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکل آئے اور [illegible]

سے ادا فرمایا کہ دونوں فریق ہوش میں آ گئے۔ جوشِ جہالت کا غبار چھٹ گیا اور نورِ ایمان کی روشنی میں دونوں فریق کی آنکھیں کھل گئیں۔ فرمایا:

مابال دعوی الجاھلیۃ؟ ما	یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ تم لوگ کہاں
لکم و لدعوی الجاھلیۃ؟ دعوھا	اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں؟ اسے چھوڑ
فانھا مُنْتِنَۃٌ۔	دو یہ بڑی گندی شے ہے۔

ہر دو حریف کو سمجھ آ گئی کہ قبائل کی دہائی دورِ جہالت کی یادگار ہے جو اسلام کی روح کے منافی ہے۔ دو جھگڑنے والے مسلمان مسلمانوں کو تو پکار سکتے ہیں لیکن اپنے اپنے قبیلے کی دہائی دینا اور اُن کو پکارنا عین جہالت ہے اور جاہلانہ عصبیت کی دلیل ہے۔ قبیلے کے نام پر مدد کو آنے والا ظالم اور مظلوم میں امتیاز نہیں کرے گا۔ اپنے آدمی کی مدد کرے گا۔ اور مسلمان سچا جھوٹا دیکھے گا۔

اس سے ایک خطرناک فتنہ تو فرو ہو گیا لیکن منافق عنصر نے اپنے سردار عبداللہ ابن اُبی کی یہ بہت بڑی چال ناکام ہوتی دیکھ کر طعن اور طنز سے کہا کہ اب تک تو تم سے کچھ امیدیں وابستہ تھیں، معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی ان گلیم پوشوں (مہاجروں) سے مل گئے ہو۔ وہ پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا۔ اُس نے جوش میں آ کر جواب دیا: "یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک اور گھروں میں جگہ دی، مال دیا، کھلایا پلایا یہاں تک کہ اب یہ تمہارے مقابلے میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ قریش کے ان کمینوں کی یہ مثل ہے کہ "کتے کو پال تاکہ تجھے ہی پھاڑ کھائے"۔ خدا کی قسم مدینے واپس پہنچ کر ہم سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔"

یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى	یہ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے لوٹ کر گئے
الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا	تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال باہر

اس مجلس کی ساری روئداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا، وہ صاف مکر گیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا مجھے اجازت دیجیے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ اگر اس سے مہاجر انصار کے تعلقات متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو آپ انصار کے رؤسا معاذ بن جبل، عباد بن بشر یا سعد بن معاذ وغیرہ میں سے کسی کو حکم دے سکتے ہیں وہ حکم بجا لانے کو تیار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایسا نہ کرو لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں ہی کو قتل کر رہا ہے۔"

آپؐ نے مصلحتاً اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا تاکہ ذہن دوسری جانب مصروف ہو جائیں، حالانکہ معمول کے مطابق یہ لشکر کے کوچ کا وقت نہ تھا۔

سارے راہ میں مدینے پہنچنے تک اور پھر مدینہ پہنچ کر ابن ابی کی یہ بات کہ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلُّ عام ہو گئی جس سے ابن ابی کے خلاف سخت اشتعال پیدا ہو گیا۔ بعض نے اسے مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگ لو۔ اس نے فوراً جواب دیا "تم لوگوں نے مجھے کہا کہ ان پر ایمان لاؤ، میں ایمان لے آیا۔ تم نے کہا کہ اپنے مال سے زکوٰۃ دو میں نے وہ بھی دیدی۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمدؐ کو سجدہ کروں۔"

اس سے مسلمانوں کے درمیان اس کے خلاف اور نفرت پھیلی حتیٰ کہ جب یہ قافلہ مدینہ میں داخل ہونے لگا تو عبداللہ ابن ابی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ ہی تھا تلوار سونت کر باپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ کیا یہ لفظ آپ نے کہے ہیں؟ "عزت والا ذلیل کو مدینے سے نکال دے گا۔" خدا کی قسم آپ مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے۔" ابن ابی نے اپنے قبیلہ خزرج کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگو! دیکھو میرا بیٹا ہی مجھے مدینے میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔ لیکن اب انصار مقام مریسیع والے انصار نہ تھے، ذہن آگے بڑھ چکے تھے اور عصبیت جاہلیت کے پردے ان کی بصیرت ایمانی کی راہ میں حائل نہ تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس صورتِ حال کی اطلاع پہنچی تو آپ نے بیٹے کو حکم دیا کہ باپ کو گھر میں داخل ہونے دے"۔ چنانچہ وہ داخل ہوا۔ لیکن عبداللہ نے کہا کہ حضور! اگر قتل کا حکم ہو تو میں خود باپ کو قتل کرتا ہوں"۔

اُس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا "کیوں عمر! اب تمہارا کیا خیال ہے؟ جس وقت تم نے اس کے قتل کی اجازت چاہی تھی، اگر تم اُس وقت قتل کرتے تو اس پر کئی نتھنے پھولتے۔ اگر آج ایسا ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ عرض کیا حضور کا فرمان مبنی بر حکمت تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی کے قانونی حیثیت سے واجب القتل ہونے اور ایسی فضا قائم ہو جانے کے باوجود کہ خود اُس کا بیٹا صدقِ دل سے اُسے قتل کرنا چاہتا ہے، اُسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ قانون سے بھی مصلحت کے تحت ہی فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ تاکہ "امن" جو کہ قانون کی اصل منشا ہے پوری ہو سکے۔

واقعات کا تحریک پر اثر

اس غزوے اور غزوے سے بعد کے واقعات کے جو نتائج اسلام اور اسلامی تحریک کی رفتارِ ترقی پر مرتب ہوئے، ابن ابی اور اُس کی جماعت کے تاثرات اور اُن کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کو سامنے رکھ کر اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ صرف یہ ایک واقعہ حالات کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تحریکِ اسلامی اخلاقی حیثیت سے کتنی آگے بڑھی ہے۔

۱۔ امن قائم ہو سکتا اور قائم رہ سکتا ہے تو صرف اسلامی روح کے زیرِ اثر، ورنہ قبائل اور قبائلی عصبیتیں محض فتنے کی بنیادیں ہیں۔

۲۔ اسلامی روح بیدار ہو جائے تو باپ بیٹے میں بھی مؤثر رشتہ اسلام ہی کا رہ جاتا ہے

۳۔ وہ منافق جس نے ہر راہ سخت تکلیف دی، واجب القتل قرار پا جانے کے باوجود اُسے قتل نہیں کیا گیا، وہ آج سے دو سال بعد خود بخود حالات سے مایوس ہو کر ختم ہو گیا۔

۴۔ قریش قبائلی عصبیت کا سہارا لینے کے مغالطہ ہی میں سرگرداں رہے اور شکستیں کھاتے رہے۔ اور اسلامی تحریک اصول و نظریات کے مطابق اسلامی روح کو بیدار کرتی رہی اور دن بدن آگے بڑھتی گئی۔

واقعۂ افک

کمینہ دشمن اور حاسد جب خود اپنے اندر خوبی پیدا کر کے نیکی اور نیک نامی کی سعادت حاصل کرنے کی توفیق نہیں پاتا تو اپنے نیک اور نیک نام حریف میں بلا وجہ عیب نکال نکال کر اُسے معاشرے میں بدنام کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔

عبداللہ ابن ابی کا اُٹھایا ہوا شر انگیز فتنہ ابھی چل ہی رہا تھا کہ اس ظالم نے ایک اور طوفان برپا کر دیا، وہ یہ کہ اس غزوۂ بنی مصطلق میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ سفر تھیں۔ واپسی کے دوران ایک مقام پر صبح کوچ کرتے وقت آپ رفعِ حاجت کے لیے نکلی ہوئی تھیں گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ اس کی تلاش میں دیر ہو گئی۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ اونٹ والا بے خبری کی حالت میں اونٹ اُٹھا کر نکل چکا ہے۔ کچھ انتظار کے بعد ایک صحابی صفوان بن معطل جو پیچھے آ رہا تھا، اُس نے اپنے اونٹ پر بٹھا لیا اور مہار پکڑ کر قافلہ سے آ ملا۔

عبداللہ ابن ابی اُسی وقت پکار اُٹھا:

"خدا کی قسم یہ بچ کر نہیں آئی۔ لو دیکھو! تمہارے نبی کی بیوی نے رات ایک اور شخص کے ساتھ گزاری اور اب وہ اُسے علانیہ لیے چلا آ رہا ہے"!

اس کے متعلق صاف فرما دیا کہ لوگوں نے اسے سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ بالکل جھوٹ اور بہتان ہے۔ حدیث اور سیر کی کتابوں میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں۔ یہاں اس کا دُہرانا مقصود نہیں۔ چونکہ اس زہریلے پراپیگنڈے سے کئی مسلمان بھی متاثر ہوئے، جنہیں جھوٹی تہمت لگانے کے جُرم میں شرعی سزا بھی دی گئی، اس لیے افترا کا یہ حادثہ تاریخ کا ایک واقعہ بن کر ضرور سامنے آیا۔

یہاں غزوۂ بنی مصطلق کے نتائج میں اپنے موضوع کے پیشِ نظر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ دشمنوں نے مسلمانوں کی اخلاقی قوت کو دن بدن ناقابلِ تسخیر محسوس کیا اور خود اپنے اندر یہ قوت پیدا کرنے کی صلاحیت نہ دیکھی تو اسلامی معاشرے میں فحش کی تشہیر و اشاعت کر کے اسے کمزور کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ کاشانۂ نبوت کو ان ناپاک سازشوں کا نشانہ بنایا۔ ظاہر ہے کہ اس سے خود خدا کے محبوب سرچشمۂ رشد و ہدایت اور خلقِ عظیم کے مالک حضرت محمد مصطفےٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو کس قدر دکھ پہنچا ہوگا۔؟ اور صحابہ کرام کی جاں نثار جماعت کے دل میں جوشِ انتقام کا طوفان کس سطح تک بلند ہوا ہوگا —— لیکن ہوا یہ کہ ایسے اشتعال انگیز موقع پر جہاں دنیا کی "مہذب" قومیں ہنگامی حالات کو بہانہ بنا کر "سب کچھ جائز" قرار دے دیتی ہیں مسلمانوں کے مجروح جذبات کو مزید مشتعل کرنے کے بجائے ٹھنڈا کرنے کی سنجیدہ اور متین کوشش کی۔ اور اخلاق کی تکمیل کا نہایت مضبوط دستور تعلیم فرما کر قوم کو اخلاقی حیثیت سے اور بھی ناقابلِ تسخیر بنانا ہی ضروری سمجھا۔

قرآنِ کریم کی چوبیسویں سورۃ سورۂ نور میں یہ پروگرام مفصل بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ ملاحظہ کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔ اسلامی تحریک کی رفتارِ ترقی کا جائزہ ان ہی واقعات اور حالات سے ہو سکتا ہے۔ اسلام کی اصل تاریخ یہی ہے جس سے پتہ چلتا ہے

اور مسلمانوں کی وہ کیا کیا مساعی تھیں جن سے اس تحریک کو کچھ وقتی طور پر نقصان پہنچا۔

خلاصہ آیاتِ سورۂ نور

(۱) ازواجِ مطہرات کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو، بناؤ سنگار کر کے باہر نہ نکلو اور غیر مردوں سے گفتگو کا اتفاق ہو تو دبی زبان سے بات نہ کرو کہ کوئی شخص بیجا توقعات قائم کر لے۔ (آیات ۳۲ - ۳۳)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں غیر مردوں کو بے بلا اجازت داخل ہونے سے روک دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ ازواجِ مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ (آیت ۔ ۵۳)

(۳) غیر محرم مردوں اور محرم رشتہ داروں کے درمیان فرق قائم کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ازواجِ مطہرات کے صرف محرم رشتہ دار ہی آزادی کے ساتھ آپ کے گھروں میں آ جا سکتے ہیں۔ (آیت ۵۵)

(۴) مسلمانوں کو بتایا گیا کہ نبی کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں اور ٹھیک اسی طرح ایک مسلمان کے لیے ابدا احترام ہیں جس طرح اس کی حقیقی ماں ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں ہر مسلمان اپنی نیت کو بالکل پاک رکھے۔ (آیات ۔۵۳ - ۵۴)

(۵) مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت اور رسوا کن عذاب کا موجب ہے۔ اور اسی طرح کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا اور اس پر ناحق الزام لگانا بھی سخت گناہ ہے۔ (آیات ۵۷ - ۵۸)

(۶) تمام مسلمان عورتوں کو حکم دے دیا گیا کہ جب باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو چادروں سے اپنے آپ کو اچھی طرح ڈھانک کر اور گھونگھٹ ڈال کر نکلا کریں۔ (آیت ۵۹)

اخلاقی اور معاشرتی قوانین

جب واقعہ افک سے مدینے کے معاشرے میں ہلچل برپا ہوئی تو یہ سورۂ نور اخلاق،

معاشرت اور قانون کے ایسے احکام و ہدایات کے ساتھ نازل فرمائی گئی جن کا مقصد یہ تھا کہ اول تو مسلم معاشرے کو برائیوں کی پیداوار اور ان کے پھیلاؤ سے محفوظ رکھا جائے، اور اگر وہ پیدا ہو ہی جائیں، تو پھر ان کا پورا پورا تدارک کیا جائے۔ ان احکام و ہدایات کو ہم اسی ترتیب کے ساتھ یہاں خلاصۃً درج کرتے ہیں جس ترتیب سے وہ اس سورے میں نازل ہوئے ہیں تاکہ پڑھنے والے اندازہ کر سکیں کہ قرآن حکیم ٹھیک نفسیاتی موقع پر انسانی زندگی کی اصلاح و تعمیر کے لیے کس طرح قانونی، اخلاقی اور معاشرتی تدابیر بیک وقت تجویز کرتا ہے۔

۱۔ زنا جسے پہلے ہی معاشرتی جرم قرار دیا جا چکا تھا (نسا۔ ۱۵۔ ۱۶) اب اس کو فوجداری جرم قرار دے کر اس کی سزا سو کوڑے مقرر کر دی گئی۔

۲۔ بد کار مردوں اور عورتوں سے معاشرتی مقاطعے کا حکم دیا گیا، اور ان کے ساتھ رشتہ مناکحت جوڑنے سے اہلِ ایمان کو منع کر دیا گیا۔

۳۔ جو شخص دوسرے پر زنا کا الزام لگائے اور پھر ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے، اُس کے لیے اسی کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔

۴۔ شوہر اگر بیوی پر تہمت لگائے، تو اس کے لیے لعان کا قاعدہ مقرر کیا گیا۔

۵۔ حضرت عائشہ رض پر منافقین کے جھوٹے الزام کی تردید کرتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی کہ آنکھیں بند کر کے ہر شریف آدمی کے خلاف تہمتیں قبول نہ کر لیا کرو، اور نہ ان کو پھیلاتے پھرو۔ اس طرح کی افواہیں اگر اڑ رہی ہوں تو انہیں دبانا اور ان کا سد باب کرنا چاہیے، نہ یہ کہ ایک منہ سے لے کر اُسے آگے پھونکنا شروع کر دے۔ اسی سلسلے میں یہ بات ایک اصولی حقیقت کے طور پر سمجھائی گئی کہ طیب آدمی کا جوڑ طیب عورت ہی سے لگ سکتا ہے خبیث عورت کے اطوار سے اس کا مزاج چند روز بھی موافقت نہیں کر سکتا، اور ایسا ہی حال طیب عورت کا بھی ہوتا ہے کہ اس کی روح طیب مرد ہی سے موافقت کر سکتی ہے نہ کہ

خبیث ہے۔ اب اگر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم جانتے ہو کہ وہ ایک طیّب بلکہ اطیب
انسان ہیں تو کس طرح یہ بات تمہاری عقل میں سما گئی کہ ایک خبیث عورت اُن کی محبوب ترین
رفیقۂ حیات بن سکتی تھی۔ جو عورت عملاً زنا تک گزر سے، اُس کے عام اطوار کب ایسے
ہو سکتے ہیں کہ رسولؐ جیسا پاکیزہ انسان اُس کے ساتھ یوں نباہ کرے۔ پس صرف یہ
بات کہ ایک کمینہ حاسد نے ایک بیہودہ الزام کسی پر لگا دیا ہے، اُسے قابل قبول کیا معنی
قابلِ توجہ اور ممکن الوقوع سمجھ لینے کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو!
الزام لگانے والا ہے کون اور الزام کس پر لگا رہا ہے؟

٦۔ جو بیہودہ خبریں اور بُری افواہیں پھیلائیں اور مسلم معاشرے میں فحش اور فواحش
کو رواج دینے کی کوشش کریں، اُن کے متعلق بتایا گیا کہ وہ ہمت افزائی کے نہیں بلکہ
سزا کے مستحق ہیں۔

۷۔ یہ قاعدہ کلیہ مقرر کر دیا گیا کہ مسلم معاشرے میں اجتماعی تعلقات کی بنیاد باہمی
حسنِ ظن پر ہونی چاہیے۔ ہر شخص بے گناہ سمجھا جائے، تاوقتیکہ اس کے گناہ گار ہونے
کا ثبوت سامنے نہ آ جائے۔ نہ یہ کہ ہر شخص گناہ گار سمجھا جائے، جب تک کہ اُس کا بے گناہ
ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

۸۔ لوگوں کو عام ہدایت کی گئی کہ ایک دوسرے کے گھروں میں بے تکلف نہ گھس جایا
کریں، بلکہ اجازت لے کر جائیں۔

۹۔ عورتوں اور مردوں کو غضِ بصر کا حکم دیا گیا اور ایک دوسرے کو گھورنے یا
جھانک تاک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

۱۰۔ عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں میں سر اور سینہ ڈھانک کر رکھیں۔

۱۱۔ عورتوں کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ اپنے محرم رشتہ داروں اور گھر کے خادموں کے سوا

۱۲۔ ان کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ باہر نکلیں تو نہ صرف یہ کہ اپنے بناؤ سنگار کو چھپا کر نکلیں بلکہ بجنے والے زیور پہن کر نہ نکلیں۔

۱۳۔ معاشرے میں عورتوں اور مردوں کے بن بیاہے بیٹھے رہنے کا طریقہ ناپسند قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ غیر شادی شدہ لوگوں کے نکاح کیے جائیں، حتیٰ کہ لونڈیوں اور غلاموں کو بھی بن بیاہا نہ رہنے دیا جائے۔ اس لیے کہ تجرد فحش آفریں بھی ہوتا ہے اور فحش پذیر بھی۔ مجرد لوگ اور کچھ نہیں تو بُری خبریں سننے اور پھیلانے ہی میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔

۱۴۔ لونڈیوں اور غلاموں کی آزادی کے لیے مکاتبت کی راہ نکال دی گئی اور مالکوں کے علاوہ دوسروں کو بھی حکم دیا گیا کہ مکاتبت میں لونڈیوں اور غلاموں کی مالی مدد کریں۔

۱۵۔ لونڈیوں سے کسب کرانا ممنوع قرار دیا گیا۔ عرب میں یہ پیشہ لونڈیوں ہی سے کرانے کا رواج تھا، اس لیے اس کی ممانعت دراصل قحبہ گری کی قانونی بندش تھی۔

۱۶۔ گھریلو معاشرت میں خانگی ملازموں اور بچوں کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ وہ خلوت کے اوقات میں یعنی صبح، دوپہر اور رات کے وقت گھر کے کسی مرد یا عورت کے کمرے میں اچانک نہ گھس جایا کریں۔ اولاد تک کو اجازت لے کر آنے کی عادت ڈالی جائے۔

۱۷۔ بوڑھی عورتوں کو یہ رعایت دی گئی کہ اگر وہ اپنے گھر میں سر سے اوڑھنی اُتار کر رکھ دیں تو مضائقہ نہیں، مگر حکم دیا گیا کہ تبرج (بن ٹھن کر اپنے آپ کو دکھانے) سے بچیں۔ نیز انہیں نصیحت کی گئی کہ بڑھاپے میں بھی اگر وہ اُوڑھنیاں اپنے اوپر ڈالے ہی رہیں تو بہتر ہے۔

۱۸۔ اندھے، لنگڑے، لولے اور بیمار کو یہ رعایت دی گئی کہ وہ کھانے کی کوئی چیز کسی کے ہاں سے بلا اجازت کھا لے تو اس کا شمار چوری اور خیانت میں نہ ہوگا۔ اس پر کوئی گرفت نہ کی جائے۔

۱۹۔ قریبی عزیزوں اور بے تکلف دوستوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے

اِس طرح معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا گیا۔ اور ان کے درمیان سے بیگانگی کے پردے ہٹا دیئے گئے، تاکہ آپس کی محبت بڑھے اور باہمی اخلاص کے رابطے اُن رخنوں کو بند کر دیں جن سے کوئی فتنہ پرداز پھوٹ ڈال سکتا ہو۔

اِن ہدایات کے ساتھ ساتھ منافقین اور مومنین کی وہ کھُلی کھُلی علامتیں بیان کر دی گئیں جن سے ہر مسلمان یہ جان سکے کہ معاشرے میں مخلص اہل ایمان کون لوگ ہیں اور منافق کون۔ دوسری طرف مسلمانوں کے جماعتی نظم و ضبط کو اَور کس دیا گیا اور اس کے لیے چند مزید ضابطے بنا دیئے گئے تاکہ وہ طاقت اور مضبوط ہو جائے جس سے غیظ کھا کر کفار اور منافقین فساد انگیزیاں کر رہے تھے۔ (نمبر اسے لے کر یہاں تک تفہیم القرآن سے لیا گیا ہے)۔

لیکن یہ بدقسمت لوگ ہدایت کے نشانات اور امن و سلامتی کے اسباب سے بھی گمراہی اور فتنہ و فساد کی لعنت ہی لے لیتے تھے۔ مسلمانوں کی اخلاقی بلندیوں اور نیک نامیوں کے سامنے اُنھیں اپنی پست اخلاقیاں صاف نظر آتیں جس سے حَسَد کے شعلوں کے سوا ان کی طرف سے کوئی شئے نہ اُٹھتی۔ اسلامی نظام کی برکتوں سے خود فائدہ اُٹھانے بجائے وہ مسلمانوں کو بھی اس سے محروم رکھنے کی کوشش کرتے۔ دن بدن یہ آگ تیز اور بلند ہوتی گئی۔ آخر ان لوگوں نے اکٹھے ہو کر جنگِ احزاب کی تیاریاں کر لیں۔

اعترافِ عظمت

ترتیب : عین الحسین نون

- سید مودودی کی وفات پر مشاہیر اہلِ قلم کی آنسوؤں، غموں، اور سسکیوں میں ڈوبی ہوئی خصوصی تحریریں۔
- پاکستان کے نامور جرائد، اخبارات سید مودودی کے کارناموں کو اجاگر کرتے ہیں۔

کتابت و طباعت : آفسیٹ

قیمت : ۳۹/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبۂ تعمیرِ انسانیت

موچی دروازہ ــــــ اردو بازار

لاہور

جنگِ احزاب

ذوقعدہ سنہ ۵ ہجری

جس طرح مختلف پہاڑیوں سے بہنے والے چھوٹے چھوٹے ندی نالے نشیبی علاقہ کی جانب بہہ نکلتے ہیں اور ایک راہ پر اکٹھے ہو کر سیلاب اور طوفان کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، ایسے ہی مختلف مقامات اور علیحدہ علیحدہ قبائل کی چھیڑ چھاڑ اپنے مشن اور مذاق کے ایک ہونے کی وجہ سے متحد ہو کر ایک عظیم تصادم اور طوفان خیز جنگ کی صورت اختیار کر گئی جسے تاریخ میں جنگِ احزاب کہا گیا ہے۔ احزاب حزب کی جمع ہے۔ حزب عربی زبان میں گروہ کو کہتے ہیں۔ اس لڑائی میں بے شمار مختلف قبائل عرب متفق ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔

جنگ کیوں ہوئی؟

یہود اور قریش کا سیاسی اتحاد

آپ پڑھ چکے ہیں بنونضیر مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر میں جا مقیم ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر ایک بہت بڑی سازش شروع کر دی۔ ان کے رئیس سلام بن ابی الحقیق، حی بن اخطب، کنانہ بن ربیع وغیرہم بنی وائل میں سے چند آدمی ساتھ لے کر قریش کے پاس مکہ میں گئے۔ اور کہا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو تو اسلام کی بیخ کنی کی جا سکتی ہے قریش پہلے ہی سے تیار تھے اور اس مقصد میں ان کے درمیان ذہنی حیثیت سے سیاسی اتحاد پہلے ہی موجود تھا۔ البتہ اب اس مفسد جمعیت نے اس ناپاک اتحاد کو مذہبی حیثیت سے بھی مضبوط کرنے کی کوشش کی تاکہ باہمی تعلقات زیادہ استوار ہو جائیں۔ اور مذہب کے

مقابلہ میں مذہبی جوش ہی سے کام لیا جاسکے۔

یہود کی مذہبی بددیانتی

قریش نے پوچھا، اے معشرِ یہود تم اہلِ کتاب ہو، ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف سے خوب واقفیت رکھتے ہو۔ کیا ہمارا مذہب بہتر ہے یا اُس کا دین؟ ممکن ہے مشرکینِ مکہ کے سوال میں جاہلانہ "معصومیت" کا عنصر شامل ہو، لیکن یہود کا تجاہلِ عارفانہ اور خود غرضانہ ابلہ فریبی اور بددیانتی ملاحظہ ہو کہ محض دشمنی اور عداوت کے جوش میں توحید کے مقابلہ میں شرک اور بُت پرستی کو کس ڈھٹائی اور بددیانتی سے ترجیح دیتے ہیں۔ کہا:

بل دینکم خیر من دینه	ہاں تمہارا دین اُس کے دین سے بہتر ہے
وانتم اولیٰ بالحق منه۔	اور تم اُس کی نسبت حق سے زیادہ قریب ہو۔

قرآنِ کریم نے اسی موقع پر فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا	کیا تو نے اُن لوگوں کو دیکھا جن کو کتاب کا
نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ	کچھ حصہ ملا ہے بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے
بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ	ہیں۔ کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى	مومنوں سے زیادہ ہدایت یافتہ
مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (نساء)	ہیں

قریش کو یہود کی دعوتِ جنگ پر کامسرت نہ تھی۔ اب یہ جواب سُن کر نہایت خوش ہوئے۔ اور کوئی وجہ اختلاف ان کے درمیان باقی نہ رہی۔ سیاسی اور مذہبی دونوں حیثیت سے یہ اتحاد اب کامل ہوگیا۔

اب یہ وفد قریشِ مکہ سے وداع ہو کر قبیلۂ غطفان کے پاس گیا اور خیبر کی نصف آمدنی ہمیشہ کے لیے دینے کا وعدہ کر کے انہیں متفق بنایا۔

غطفان نے اپنے حلیف بنو اسد کو لکھا کہ فوجیں لے کر پہنچو۔ قبیلہ بنو سلیم قریش کے قریبی رشتہ دار تھے اس لیے وہ بھی ساتھ ہو لیے۔

قبیلہ بنو سعد یہود کا حلیف تھا، بدیں وجہ یہود نے اُن کو بھی شامل کر لیا۔ غرض عرب کے تمام قبائل نے پورے جوش و خروش سے حصّہ لیا اور ۲۴ ہزار سے زائد لشکر مدینے کی طرف بڑھا۔

چونکہ اس جنگ میں تمام قبائل شامل تھے قرآن کریم نے اس کو جنگِ احزاب کا نام دیا ہے۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

غطفان کی فوجیں عیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں جو عرب کا مشہور سردار تھا۔ بنو اسد طلحہ کے زیر کمان تھے۔ اور قریش کے قبائل ابو سفیان بن حرب کے زیر قیادت کیونکہ سپہ سالارِ کل یہی تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جس وقت یہ خبریں پہنچیں تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ نے جو ایرانی الاصل تھے مشورہ دیا کہ میدان میں نکل کر لڑنا قرینِ مصلحت نہیں اس لیے مناسب ہے کہ شہر کے گرد خندق کھود لی جائے اور ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کر کے مقابلہ کیا جائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ خندق کھودنے کے آلات مہیّا کر لیے گئے۔

ذوقعدہ کی ۸ تاریخ ۵ھ ہجری آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳ ہزار صحابہؓ کو ساتھ لے کر باہر نکلے اور شہر کے شامی رُخ خندق کی تیاریاں شروع کیں یہ شہر کی طرف کھلی تھی۔ باقی تین طرفیں نخلستانوں اور مکانات کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ دس دس آدمیوں کو دس دس گز زمین تقسیم کر دی گئی۔ خندق کی گہرائی ۵ گز قرار پائی۔ تین ہزار صحابہؓ نے بیس دن میں یہ خندق تیار کی۔

صحابہؓ کا جوشِ ایمان

جاڑے کا موسم ہے۔ تین تین دن فاقوں میں گزرتے ہیں۔ مہاجرین اور انصار صرف دولتِ اسلام کے نشہ میں مست ساری مصیبتوں کو عینِ راحت سمجھ کر رات دن خندق کھود رہے ہیں۔ مقدس پیٹھوں پر پتھر لاد لاد کر پھینک رہے ہیں اور اپنی خوش نصیبی کے ترانے ذیل کے الفاظ میں ہم آواز ہو کر گا رہے ہیں۔

نحن الذی بایعوا محمدًا	ہم وہ ہیں جنہوں نے محمدؐ کے ہاتھ پر ہمیشہ
علی الاسلام ما بقینا ابدًا	کے لیے اسلام کی بیعت کر لی ہے۔

اسلامی مساوات کا ایک منظر

آپ سمجھتے ہوں گے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلّم قومی لیڈر کی طرح کسی مکلّف محفوظ اور آراستہ مکان میں بیٹھ کر مناسب ہدایات نافذ کر رہے ہوں گے یا ایک مقدس رہنما کی مانند ایک طرف بیٹھے اشارات سے کام لے رہے ہوں گے۔ یا زیادہ سے زیادہ کسی قومی سپہ سالار کی حیثیت سے اِدھر اُدھر گھوم پھر کر فوج کی نگرانی فرما رہے ہوں گے۔ نہیں نہیں یہ انسانیت کا سب سے بڑا ہمدرد، مساواتِ انسانی کا سچا راہنما، مکارم اخلاق کی عملی تعلیم کا آخری معلم فداہ ابی و امی اپنے متبعین اور معتقدین کے ساتھ برابر مٹی اور پتھر پیٹھ پر لاد لاد کر پھینک رہا ہے سینۂ اطہر جو خدا کی آخری امانت کا مخزن ہے مٹی سے اٹا ہوا ہے اور زبانِ مبارک ابن رواحہؓ کے ذیل کے اشعار سے مترنم ہے۔

واللہ لولا انت ما اھتدینا	خدا کی قسم اللہ کے بغیر ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے،
ولا تصدقنا ولا صلّینا	نہ ہم صدقہ دے سکتے تھے اور نہ نماز پڑھتے۔
فانزلن سکینۃ علینا	ہم پر اپنی طرف سے اطمینانِ قلب نازل فرما
وثبت الاقدام ان لاقینا	اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

ان الاعداء قد بغوا علینا — دشمن نے بلا وجہ ہم پر چڑھائی کی ہے

اذا ارادوا فتنۃ ابینا — ان لوگوں نے جب بھی فتنہ برپا کیا ہے ہم نے ناپسند کیا ہے

ابینا کے لفظ پر زور دیتے اور بلند آواز سے مکرر ادا فرماتے۔

اِس کے ساتھ ساتھ صحابہؓ کے حق میں دعائیہ فقرے بھی زبان مبارک سے نکلتے۔

اللّٰھم لا خیر الا خیر الاٰخرۃ — خداوندا بہتری صرف آخرت کی بہتری ہے

فبارک فی الانصار والمہاجرۃ — اور انصار اور مہاجرین پر برکت نازل فرما۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف صحابہؓ کے شریک حال ہی نہ تھے بلکہ جہاں مشکل پڑتی وہاں یہی قوت کام آتی۔ خندق کھودتے اور پتھر توڑتے توڑتے ایک چٹان آگئی جو کسی سے نہ توڑی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور پھاوڑے کی ایک ہی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دیا۔

فوج کی ترتیب اور صف آرائی

سلع پہاڑی کے آگے صف آرائی کی گئی۔ چونکہ شہر کے اندر یہود بنو قریظہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اِس لیے مستورات کو شہر کے قلعوں میں محفوظ کر دیا گیا اور ۲۰۰ آدمی سلمہ بن اسلم کی سرکردگی میں اُن کی حفاظت پر مقرر کر دیے گئے۔

یہود کے تین قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ میں سے اب صرف بنو قریظہ مدینہ میں باقی تھے۔ چونکہ بنی نضیر کی جلا وطنی کے وقت ان سے دوبارہ معاہدے کی تجدید ہو چکی تھی۔ اِس لیے یہ قبیلہ اب تک جنگ سے علیحدہ تھا بنو نضیر کا سردار حی بن خطب جو عرب کے تمام قبائل کو اکسا کر اکٹھا کر لایا تھا، اب قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا لیکن اس نے دروازہ بند کر لیا اور ملنے سے انکار کر دیا۔ تاہم وہ برابر اصرار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ کعب نے دروازہ کھولا۔ حی بن اخطب نے کہا یہ موقع ضائع کرنے کے قابل نہیں میں عرب کے تمام ادنیٰ و اعلیٰ قبائل کو اکٹھا کر کے لے آیا ہوں اور ان لوگوں نے تیرے ساتھ

عہد کر لیا ہے کہ اس وقت تک یہاں سے نہ ہلیں گے جب تک کہ محمد (صلعم) اور اس کے ساتھیوں کا استیصال نہ کر دیں۔

دشمن کا اعتراف

وہ حقیقت جس کے اعتراف سے دشمن کو بھی چارہ نہیں، اگر روئے زمین پر کہیں ہے تو وہ اخلاقِ محمدیہ کی حقیقت ہے۔ کعب نے کہا:

فانی لم أر من محمد الا صدقا و وفاءً۔ — میں نے ہمیشہ محمد کو سچ کہنے والا اور وعدہ پورا کرنے والا پایا ہے۔

مناسب نہیں کہ ایسے شخص سے غدر کیا جائے۔

یہود بنو قریظہ کی عہد شکنی

حی بن اخطب برابر اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ کعب ضمیر کی آواز کا انکار کر کے عہد شکنی پر آمادہ ہوگیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے اوس کے سردار سعد ابن معاذ اور خزرج کے سردار سعد ابن عبادہ کو ان کے پاس بھیجا۔ ان ہر دو اصحاب نے بنو قریظہ کو معاہدہ یاد کرایا، تو انھوں نے جواب دیا: "ہم نہیں جانتے محمد کون ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔"

ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے کس قدر تشویش انگیز تھی۔ ۲۴ ہزار خونخوار لشکر نے شہر کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے اور اندرونِ شہر غدار یہودیوں نے فتنہ برپا کر دیا ہے۔ منافقوں کی مارِ آستیں جماعت ان کے علاوہ ہے۔

قرآن کریم نے اسی منظر کی تصویر کشی الفاظِ ذیل میں کی ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ — جب دشمن تم پر اوپر اور نیچے کی طرف سے
وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ — آپڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور

الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۔ (احزاب ۔ ۲)

کلیجے مُنہ کو آ گئے اور تم خدا کی نسبت قسم قسم کے گمان کرنے لگے ۔ اب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آ گیا ہے اور وہ زور سے لرزنے لگے ۔

آزمائش کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کھرا کھوٹا نکھر جائے ۔ کسی چیز کی ظاہری شکل و صورت نے اگر دھوکے میں ڈال رکھا ہے تو امتحان کی کٹھالی میں آ کر اس کے ملمع کی حقیقت کھل جائے ۔ اور باطل کی حیثیت نظر آ جائے ۔

یہود کے قبائل اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت کے اعتراف کے باوجود آخر حق کی دشمنی سے باز نہ رہ سکے اور ایک ایک کر کے سب میدان میں آ گئے لیکن منافق آج تک برابر دھوکے دیئے جا رہے تھے ۔ اس جنگ کی شدت نے اُن کی قلعی بھی کھول دی ۔

جن لوگوں کو صرف مادی قوت کا سہارا ہی مطمئن رکھ سکتا ہے ، وہ ایسی عالمگیر مخالفت ، فوجوں کی کثرت ، محاصرے کی شدت سے فاقوں پر فاقے ، ساری ساری رات کی بے خوابی اور پھر موسم کی سختی ایسے حالات میں اپنی اندرونی حالت کو کس طرح چھپا سکتے تھے ۔ لگے بھاگنے کے بہانے ڈھونڈھنے ۔

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۔ (احزاب ۔ ۲)

کہنے لگے ہمارے گھر اکیلے ہیں حالاں کہ وہ اکیلے نہیں ۔ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ بھاگنا چاہتے ہیں ۔

مومن اور منافق پر تکلیف کا مختلف اثر

حالات ایک ہیں اور واقعات ایک ، ایک شہر اور ایک ہی ماحول میں ان حالات کا اثر بالکل مختلف بلکہ متضاد نظر آتا ہے ۔ ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کچھ تو اپنے ظاہری ایمان کو بھی محفوظ نہ رکھ سکے ۔ اور وہ جو حقیقی ایمان کی دولت پا چکے

تھے۔ جوں جوں مصائب کا ہجوم ہوتا ہے ان کے ایمان و اعتقاد کے سرمایہ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (احزاب - ۳)

اور جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجوں کو دیکھا تو بول اٹھے یہ وہی ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کر رکھا ہے اور خدا اور اُس کے رسول نے سچ فرمایا ہے ان حالات نے اُن کے ایمان اور جذبۂ اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔

عقیدۂ شہادت کی برکتیں

اسلام نے اپنے عقائد کے ذریعہ بنی نوعِ انسان پر جو بے شمار احسانات کیے ہیں، اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ موت جیسی ہیبت ناک، بھیانک اور ہادم اللذات چیز میں بھی وہ جذب اور لذت پیدا کر دی ہے کہ انسان اس سے ڈرنے اور خوف کھانے کے بجائے اس کا شیدائی بن جاتا ہے۔ گھروں اور آبادیوں میں نہ ملے تو اس کی تلاش میں میدانوں اور وحشتناک ویرانوں میں نکلتا ہے۔ دنیا کی ایک ایک لذت اور زندگی کی ایک ایک آسائش کو قربان کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک اسے پاکر ہی مطمئن ہوتا ہے۔ اسلام کا معتقد انسان تمام دنیوی لذتوں اور کششوں سے اس کو زیادہ پسند کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس خوف کی گرفت سے آزاد سمجھتا ہے جو تمام کمزوریوں اور نامردیوں کی بنیاد ہونے کے علاوہ ہر جاندار کو شب و روز گھیرے ہوئے ہے۔

یہ محاصرہ قریباً مہینہ تک قائم رہا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر تین تین دن فاقے گزر رہے تھے۔ ایک دن بعض صحابہؓ نے گھبرا کر پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے۔ لیکن حضورؐ نے دامن اُٹھایا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔

دشمن کے پاس چونکہ فوج کافی تھی، اس لیے خندق پر محاصرہ قائم رکھنے کے باوجود انہوں نے دوسری طرف سے شہر پر حملہ کی تیاری کی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آں حضرت صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے اہل و عیال یہیں قلعوں میں پناہ گزیں ہیں۔

اب تک جنگ کی کیفیت صرف یہی تھی کہ دونوں فوجیں ایک دوسری پر تیر اور پتھر برسا رہی تھیں۔ کیونکہ دشمن خندق کو عبور نہیں کر سکتا تھا۔ خندق کے مختلف حصوں پر اسلامی فوج متعین تھی۔ ایک حصہ اسی طرح خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہتمام میں تھا۔

انصار کی قوتِ ایمانی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ سے طبعاً نفرت تھی۔ سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ اوس اور خزرج کے دونوں سرداروں کو بلا کر کہا کہ اگر قبیلہ غطفان کو مدینہ کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ دے کر صلح کر لی جائے تو کیا ہرج ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ اپنی طرف سے تجویز فرما رہے ہیں یا وحی کا حکم ہے؟ اگر وحی کا حکم ہے تو ہمارے لیے تعمیل واجب ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ میری ذاتی تجویز ہے۔ سعد بن معاذ نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! ہم اور یہ لوگ مشرک تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے، خدا کو پہچانتے تھے نہ اس کی عبادت کرتے تھے۔ اس حالت میں مدینے کی پیداوار سے ان لوگوں کو قیمتاً خریدنے یا مہمانی کی صورت کے بغیر ہم سے ایک چھوہارے کی امید نہیں ہو سکتی تھی، آج جب کہ خدا نے ہماری اسلام کی طرف رہنمائی کی ہے، دولتِ ایمان سے نوازا ہے اور آپ کی صحبت سے معزز کیا ہے، ہم اپنا مال اُن کی خدمت میں پیش کریں؛ خدا کی قسم ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے ہمارے پاس اُن کے لیے صرف تلوار ہے یہاں تک کہ خدا ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ کر دے۔

قریش کی فوج کا ایک ایک جرنیل باری باری ہر روز ساری فوج کو لے کر حملہ کرتا لیکن خندق عبور نہ کر سکے اور باہر سے پتھر اور تیر برساتے رہے۔

آخر قرار پایا کہ عام حملہ کیا جائے۔ سب فوجیں جمع ہوئیں اور تمام سردار آگے آگے چلے خندق کی چوڑائی ایک جگہ سے کم تھی، اسی جگہ کو حملہ کے لیے مناسب سمجھا گیا۔ ضرار، جبیرہ،

خندق کو پار کر گئے۔

حضرت علی رض کا عمرو بن عبدود سے مقابلہ

عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر تھا اور ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔
جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا۔ اور قسم کھا رکھی تھی، کہ جب تک بدلہ نہ لوں سر میں
تیل نہ ڈالوں گا۔ گو اس وقت اس کی عمر ۹۰ برس ہو چکی تھی تاہم یہ دم خم تھا کہ سب سے پہلے
وہی آگے بڑھا اور للکارا کہ "کون مقابلہ کو آتا ہے"؟ حضرت علی رض نے کہا، "میں" آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اور فرمایا کہ "یہ عمرو بن عبدود ہے" تین مرتبہ ایسا ہی ہوا اور حضرت
علی رض کے سوائے مقابلہ میں کوئی آواز نہ آئی۔ آخر تیسری مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے جواب میں حضرت علی رض نے عرض کیا "ہاں جانتا ہوں یہ عمرو ہے"۔ آپ نے اجازت دی
دست مبارک سے تلوار عنایت فرمائی۔ سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کہا کرتا تھا کہ اگر مجھ سے تین سوال کیے جائیں تو میں ایک سوال ضرور قبول کرونگا
حضرت علی رض نے اس کی تصدیق کرائی اور پھر کہا:

حضرت علی رض۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام قبول کر لے۔

عمرو: یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی رض: لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو: میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علی رض: مجھ سے جنگ کر۔

عمرو نے ہنس کر کہا "مجھے امید نہ تھی کہ روئے زمین پر مجھ سے کوئی شخص یہ درخواست بھی کرے گا"!

حضرت علی رض پیدل تھے۔ عمرو غیرت کے جوش میں گھوڑے سے اترا اور تلوار مار کر

لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا درست ہے لیکن میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔ عمرو نے غضب ناک ہو کر تلوار کھینچی اور بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علی رضؓ نے ڈھال پر روکا لیکن تلوار ڈھال کو کاٹ کر پیشانی پر جا لگی۔ زخم گہرا نہ تھا تاہم یہ نشان یادگار ہوگیا۔ اب حضرت علی رضؓ نے وار کیا، تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر گئی اور ساتھ ہی آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہوگیا۔

عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئے۔ نوفل بھاگتا ہوا خندق میں گر گیا۔ صحابہؓ نے تیر برسانے شروع کیے اُس نے کہا مسلمانو! میں شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ نے اُس کی یہ آرزو پوری کر دی۔

نوفل کی لاش حاصل کرنے کے لیے مکہ والوں نے دس ہزار درہم مسلمانوں کے پیش کیے، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لاش دیدو قیمت کی ضرورت نہیں"۔

آج صبح سے شام تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ آپؐ نے چار نمازیں جمع کر کے پڑھیں

حضرت صفیہ کی دلیرانہ سیاست

مسلمانوں کی تمام جمعیت کو مصروف دیکھ کر بنو قریظہ نے اُس قلعہ پر حملہ کر دیا جہاں مستورات پناہ گزیں تھیں۔ حضرت حسان رضؓ مشہور شاعر حفاظت پر متعین تھے۔ ایک یہودی حملہ آور جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ نے حضرت حسانؓ سے کہا "اُتر کر اسے قتل کر دو، ایسا نہ ہو کہ یہاں کے حالات سے دشمن کو مطلع کر دے جو مزید خطرے کا سبب بن جائے"۔ حضرت حسان کسی عارضہ کی وجہ سے لڑائی سے گھبراتے تھے، کہا "اگر میں ایسا کر سکتا تو میدانِ جنگ میں ہوتا"۔ حضرت صفیہ نے خیمہ کی چوب اُکھاڑی اور یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر کہا۔

فرمایا کہ ہتھیاروں کی ضرورت نہیں تو اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو، تاکہ یہودیوں
کو یقین ہو جائے کہ قلعہ میں بھی کوئی فوج متعین ہے لیکن آپ کو یہ کام بھی خود ہی کرنا پڑا۔
ایک عورت کی اس جنگی تدبیر کا یہ اثر ہوا کہ یہود جیسے کمینہ دشمن کو اس طرف حملہ
کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

کفار کی فوجوں میں انتشار

نعیم بن مسعود اشجعی قبیلہ غطفان کے ایک رئیس تھے۔ یہود اور قریش دونوں سے
ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اسلام لا چکے تھے لیکن تا حال ان لوگوں کو علم نہ تھا۔ بنو
قریظہ کے پاس گئے اور کہا کہ قریش کی حالت تم لوگوں سے بالکل مختلف ہے۔ تم نے اسی
شہر میں رہنا ہے۔ تم اپنے مال و املاک اور بیوی بچوں کو کہیں لے جا نہیں سکتے لیکن قریش
اور غطفان جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے ہیں، غالب آ گئے فبہا ورنہ اپنے گھروں کو
چلے جائیں گے۔ پھر تم ہو گے اور مسلمان، اور ظاہر ہے کہ تم اکیلے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں
کر سکتے۔ پھر بھی اگر تم ایسا کرنا ہی چاہتے ہو تو ان دونوں قبیلوں کے چند معزز آدمیوں کو اپنے
پاس بطور ضمانت لے لو۔

پھر قریش کے پاس گیا اور ابوسفیان وغیرہ کو کہا۔ میرے تمہارے ساتھ دوستانہ
تعلقات ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے فائدے کی بات تم سے کہہ دوں۔ یہود اپنے کیے
پر پشیمان ہیں، وہ پہلے بھی معاہدہ توڑنا نہیں چاہتے تھے لیکن انہیں حی بن اخطب نے مجبور
کر دیا تھا، وہ بھی اس شرط پر کہ اگر قریش کام ناتمام چھوڑ کر چلے گئے تو میں تمہارے پاس
آ رہوں گا۔ لیکن تم ایسا کبھی نہیں کر سکے۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے چند آدمی بطور ضمانت
اپنے پاس لے لیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں مسلمانوں کے سپرد کر کے جنگ کا نقشہ ہی الٹ دیں۔

قریش اور غطفان نے ایک مشترکہ سفارت عکرمہ بن ابوجہل کی قیادت میں بنو قریظہ

یہ شوال ۵ھ ہفتہ کی رات تھی۔ یہود نے جواب دیا کہ کل ہمارا چھٹی کا دن ہے۔ ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔ نیز ہم محمد کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار نہیں تاوقتیکہ تم ہمارے اطمینان کے لیے اپنے چند خاص آدمی بطور ضمانت ہمارے سپرد نہ کر دو۔"

جب عکرمہ یہ پیغام لے کر واپس آیا تو قریش اور غطفان کو نعیم بن مسعود کی بات کا یقین ہو گیا۔ انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو آجاؤ، لیکن ہم خدا کی قسم اپنا ایک آدمی بھی تمہارے سپرد کرنے کے لیے تیار نہیں۔"

یہ جواب سُن کر بنو قریظہ کو بھی نعیم کی بات یقینی ثابت ہو گئی اور ضمانت لیے بغیر جنگ سے بالکل دست کش ہو گئے اور صاف انکار کر دیا۔

ان حالات نے کفار کے دلوں میں اختلاف پیدا کر دیا جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے بدگمان ہو کر بددل ہو جاتے۔

خدائی لشکر کی امداد

اسی کے ساتھ رات کو ہوا کا طوفان آیا، موسم پہلے ہی سرد تھا، ہوا کی تیزی سے خیمے اُکھڑ گئے۔ چولھوں سے دیگیں اُلٹ گئیں اور سردی سے لشکر ٹھٹھر کر رہ گیا۔ قرآن کریم نے اس طوفان کو خدائی لشکر فرمایا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا	مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ	تم پر فوجوں نے چڑھائی کی تو ہم نے اُن پر
جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا	آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جو تم کو
وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا۔ (احزاب)	دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

دشمن کے تازہ حالات کا جائزہ لینے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو بھیجا۔ وہ رات کے اندھیرے ہی میں دشمن کی لشکر گاہ میں پہنچے دیکھا تو ابوسفیان فوج سے کہہ رہا ہے۔ قریشیو! رسد اور پانی ختم ہو چکا۔ بنو قریظہ نے ہمارے

ساتھ وعدہ خلافی کی ہے اور اُن کی طرف سے ہمیں سخت تکلیف پہنچی ہے اور ہوا کی سختی سے جو کچھ ہوا ہے تم دیکھ رہے ہو، ہماری دیگیں اُلٹ گئیں۔ اور آگ جل نہیں سکتی اور خیمے اُکھڑ چکے ہیں، بہتر ہے یہاں سے کوچ کرو۔ میں جا رہا ہوں" یہ کہہ کر اونٹ کے پاؤں کھولے بغیر سوار ہو گیا۔ تلوار سے رسی کاٹی اور اُونٹ اُٹھا کر بھاگ نکلا۔ اس کے پیچھے سب قریش نکل گئے جب غطفان نے سُنا تو وہ بھی منتشر ہو گئے۔ بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے گئے اور بیس یا بائیس دن کے بعد یہ مطلع صاف ہو گیا۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اور خدا نے کفار کو غصے میں بھرا ہوا ہٹا دیا۔
بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى	کوئی بھلائی ہاتھ نہ آئی اور مسلمانوں پر لڑنے
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (احزاب)	کی نوبت ہی نہ آنے دی۔

نتائجِ جنگ

۱۔ اس جنگ میں چھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ایک سعد بن معاذ تھے۔ آپ کے بازو پر ابن العرقہ کا تیر لگا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی۔ آپ نے اسی زخم کی بنا پر بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد شہادت پائی۔

کفار کے تین آدمی مارے گئے۔

بنو قریظہ کا انجام

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تھے، آپ نے یہود مدینہ سے ایک معاہدہ کیا تھا جس میں ان لوگوں کو جان، مال، مذہب بلکہ ہر چیز میں آزادی دی گئی۔ اور تمام قبائل کو مساوی طور پر شہریت کے حقوق بخشے گئے۔ چنانچہ بنو قریظہ کو جو تمبر میں بنو نضیر سے کم سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کے مقتول کا خون بہا بنو نضیر کے مقابلہ میں آدھا مقرر تھا، ان کو برابر کا رتبہ دیا۔

قریش کے بہکانے اور دھمکانے پر ان لوگوں نے ہمیشہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ تاہم ان میں جس قبیلہ نے پھر بھی معاہدہ کی تجدید پر آمادگی ظاہر کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے از سرِ نو معاہدہ کر کے اُن کی زیادتیوں کو ہمیشہ درگزر فرمایا۔

غزوۂ بنو نضیر کے واقعات میں گزر چکا ہے کہ بنو قریظہ نے اس موقع پر بھی پہلے معاہدہ کی تجدید کر لی تھی۔ اور جہاں بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا، وہاں بنو قریظہ کو مدینہ میں پورا امن اور کامل آزادی حاصل رہی۔

بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت ان کے بڑے رئیس حی بن اخطب، ابو رافع سلام بن الحقیق جو خیبر میں پہنچ کر ریاست حاصل کر چکے تھے انہیں کی مفسدانہ تگ و دو کا نتیجہ تھا کہ تمام قبائل عرب جنگِ احزاب میں مدینہ پر حملہ آور ہوتے۔ اسی سلسلہ میں ان لوگوں نے بنو قریظہ کو بھی بد عہدی پر آمادہ کیا۔ اور اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ حی بن اخطب نے جو بنو قریظہ کو یہاں تک تسلی دے رکھی تھی کہ اگر اس جنگ میں قریش ناکام واپس چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر مدینہ میں تمہارے پاس آ رہوں گا۔

بنو قریظہ کی سیاسی حیثیت

واقعات کی روشنی میں اب بنو قریظہ کی حیثیت حسب ذیل ہے:

۱۔ دوستانہ معاہدہ میں مال و جان، عزت و آبرو اور مذہب کی پوری آزادی دی گئی۔

۲۔ شہریت کے حقوق میں برابر کا رتبہ دے کر پہلے کی نسبت معزز بنایا اور وہ حقوق دیئے جن سے ان لوگوں کو خود اپنے ہم مذہبوں نے محروم کر رکھا تھا۔

۳۔ جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا تو ان سے تجدید عہد کر کے ان پر احسان کیا۔

۴۔ بنو قریظہ نے مسلمانوں کی ان نوازشات کے باوجود عہد شکنی کر کے جنگِ احزاب میں دشمنوں کا ساتھ دیا۔

۵۔ میدان جنگ کے علاوہ شہر کے اندر بدامنی پیدا کی، بالخصوص راستہ قلعہ پر حملہ کرنا چاہا

جہاں ازواجِ مطہرات معہ دیگر مستورات پناہ گزین تھیں۔

۶۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حی بن اخطب جیسے جنگی مجرم کو جس کو بغاوت کے جرم میں جلاوطن اور پھر سارے عرب کو مدینہ پر چڑھا کر لایا۔ اپنے ساتھ اسلام کے مرکزی مقام دارالسلطنت مدینہ میں لے آئے۔

بنو قریظہ اب اپنے قلعوں میں محفوظ ہو چکے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احزاب سے فارغ ہو کر فرمایا کہ لوگ ابھی ہتھیار نہ کھولیں۔ چنانچہ مسلمان بنو قریظہ کی طرف بڑھے۔

بنو قریظہ کا محاصرہ

بنو قریظہ اگر اب بھی کسی اچھے طریقہ کے ساتھ پیش آتے تو ممکن تھا کہ پہلے کی طرح ان سے کوئی قابل تسلی فیصلہ ہو جاتا۔ یا ان کے بھائی بندوں قینقاع اور بنو نضیر کی مانند جلاوطنی پر معاملہ ختم ہو جاتا۔ لیکن یہ لوگ اپنی جگہ جنگ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ فوج سے آگے نکل کر جب حضرت علی رض قلعہ کے قریب پہنچے، تو ان لوگوں نے بلند آواز سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اب ان کی طرف سے بیہودگیوں کی انتہا ہو چکی تھی۔ ان کا محاصرہ کر لیا گیا جو تقریباً ایک مہینہ تک قائم رہا۔ بالآخر انہوں نے درخواست کی کہ ہمارا فیصلہ سعد بن معاذ کے سپرد کیا جائے۔

ثالثی فیصلہ

۳۔ حضرت سعدؓ قبیلہ اوس کے سردار تھے، اور یہ قبیلہ بنو قریظہ کا حلیف تھا دستورِ عرب کے لحاظ سے یہ تعلق نسبی تعلق سے بھی بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یہ درخواست بھی منظور فرمائی۔

کسی شخص کے ساتھ اگر اُسی کے پیش کردہ اور منہ مانگے اور پھر اُس کے مسلمہ مذہبی طریقے کے مطابق سلوک کیا جائے، تو الزاماً اُسے شکایت کا کوئی حق پیدا نہیں ہو سکتا۔ نیز

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب تک قرآنِ مجید میں کسی معاملہ کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا، آپؐ توریت کے احکام کی پابندی فرماتے تھے۔ رجم وقصاص وغیرہ کے اکثر مسائل کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ نماز جو دین کا ایک زبردست رکن ہے اس میں جب تک بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم نازل نہیں ہوا، کئی سال اہلِ کتاب کا کا اتباع کیا گیا اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی گئی۔

حضرت سعد بن معاذؓ نے اسی بنا پر فیصلہ کیا کہ ان میں جو لوگ لڑنے کے قابل ہیں قتل کیے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں۔ مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے۔

یہ حکم توریت کی کتاب استثنار باب ۲۰۔ آیت ۱۰ تا ۱۴ میں بدیں الفاظ مذکور ہے۔

"اور جب تو کسی شہر کے پاس اُس سے لڑنے کے لیے آپہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام پیش کر۔ تب یوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور اور دروازے تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جاوے تیری خراج گزار ہوگی۔ اور تیری خدمت کرے گی۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے، تو تو اس کا محاصرہ کر۔ اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضے میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لُوٹ اپنے لیے لے۔ اور تو اپنے دشمنوں کی اس لُوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے دی ہیں کھائیو۔"

یہ فیصلہ سُن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا ہے۔ فیصلہ سُنائے جانے پر خود یہودیوں کی زبان سے بھی جو فقرے نکلے، ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس کو آسمانی فیصلہ یقین کرتے تھے۔

دشمن کا اعترافِ حق

ایھا الناس لا باس بامر اللہ کتاب و قدر وملحمۃ کتبھا اللہ علی بنی اسرائیل۔	لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ایک خدائی حکم تھا، یہ لکھا ہوا تھا۔ ایک سزا تھی جو خدا نے بنی اسرائیل پر لکھی ہوئی تھی۔

مقتولین کی تعداد ..۴ تھی، جن میں ایک عورت بھی تھی جو اس جرم میں قتل کی گئی کہ اُس نے قلعہ پر سے ایک پتھر مار کر خداس نامی ایک مسلمان کو قتل کیا تھا۔

اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد تو رہے ایک طرف، یہودی عورتیں بھی اُس لڑائی میں کس سرگرمی سے حصّہ لیتی رہیں۔

ایک یہودیہ عورت کی اعتقادی قوت

جب مجرموں کا باری باری نام پکارا جاتا اور وہ قتل گاہ میں پہنچ کر ملک عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے، حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ یہ عورت میرے ساتھ باتیں کرتی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ مجرموں کی فہرست میں اُس کا نام بھی درج ہے اچانک قاتل نے اُس کا نام پکارا وہ بے تکلف کھڑی ہوئی پوچھا کہاں جاتی ہو؟ بولی "میں نے ایک جرم کیا تھا اُس کی سزا لینے جاتی ہوں"۔ ہشاش بشاش مقتل میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔

جہاں عورتوں نے بھی اس فیصلہ کو ایسی فراخ دلی سے قبول کیا ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہود واقعی حضرت سعدؓ بن معاذ کے فیصلہ کو اپنے مذہب کی روشنی میں آسمانی فیصلہ ہی یقین کرتے تھے۔ مذہبی احکام اور عقیدہ سے بڑھ کر انسان کے دل کو مطمئن کرنے والی دنیا میں کوئی چیز نہیں اور یہ اطمینان اسی حقیقت کا نتیجہ ہے۔

اِن واقعات اور حقائق سے یہ نتیجہ صاف سامنے آتا ہے کہ انتہائی دشمنی کے باوجود یہود کے دل مسلمانوں کی انصاف پسندی کے معترف تھے۔ انہیں ظلم کا الزام دینے کی جرأت

نہ کر سکتے تھے اور اس کے مقابلہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار ان پر آسان تھا۔
اسلام کی اخلاقی قوت کے اعتراف اور اقرار کا اب یہ عالم تھا کہ بنی قریظہ کا سردار کعب بن اسد گو بالآخر بد عہد ہو کر مقابلے میں آجاتا ہے لیکن حی بن اخطب کے گمراہ کن اصرار کے جواب میں یہ الفاظ کہنے پر مجبور تھا کہ

"میں نے ہمیشہ محمدؐ کو سچ کہنے والا اور وعدہ پورا کرنے والا پایا ہے۔"

و ملیحۃ حمدت لھا ضرّاتھا

الفضل ما شھدت بہ الاعداء

ایمانی جرأت

۶۔ بہادر سے بہادر قومیں بھی حریف مقابل کی قوت میں جس قدر زیادہ شدت محسوس کریں، لازماً ان کے تردد، سوچ اور فکرمندی میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے لیکن مسلمانوں نے جنگِ احزاب میں جب دشمن فوجوں کی کثرت، قبائل کا اتفاق اور ہجوم دیکھا تو ان کے ایمان و یقین اور تسلیم و رضا میں اضافہ ہوا۔ (احزاب۔۳)

آزادیٔ رائے اور حق پرستی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً جنگ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ یہود مدینہ کو بد عہدی سے روکنے اور جنگ سے باز رکھنے کے لیے آپ نے ایک تجویز سوچی کہ مدینہ کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ دے کر ان سے صلح کر لی جائے۔ انصار سے مشورہ کیا سعد ابن عبادہؓ اور سعد ابن معاذ اوس اور خزرج کے سرداروں کا اس سلسلہ میں بیان اُن خیر و برکات کا کھلا نشان ہے اور اس رفتار ترقی کی شہادت ہے جو اس تحریک کے طفیل ان لوگوں کو نصیب ہوئیں۔ اور جس مقام پر اخلاقی لحاظ سے یہ تحریک اب تک پہنچ چکی تھی۔ ان بزرگوں نے حضورؐ سے یہ اطمینان کر کے کہ یہ وحی کا حکم نہیں آپ کی ذاتی تجویز ہے، عرض کیا،

"اے اللہ کے رسول جب یہ لوگ اور ہم مشرک تھے اُس وقت بھی ہم نے ان کو کبھی

ایک دانہ نہیں دیا تھا، اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دولتِ ایمان سے مالا مال کر دیا ہے اور اسلام کی عزت سے معزز کر دیا ہے اور حضور کی معیت کا اعزاز بخش رکھا ہے ہم انہیں مدینہ کی آمدنی کا تیسرا حصہ ہرگز نہیں دیں گے۔ ہمارے ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔"

اس واقعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضور پر ایمان لانے والے یہ لوگ جواب کے حکم پر زندگی کی ہر متاعِ عزیز قربان کر چکے تھے اور کر رہے تھے، یہ سب کچھ کسی شخصیت پرستی کی خوش اعتقادی کی بنا پر نہ تھا اور نہ ہی انہیں یہ تعلیم دی گئی تھی، بلکہ محض خدا کے حکم کی تعمیل کے تحت تھا اور نہ نہ آپ کی تجویز کو یہ مسترد کرتے اور نہ آپ اپنی رائے سے دستبردار ہوتے۔ بہر حال یہاں جو کچھ تھا حکم خداوندی کی بے لوث اطاعت اور محض حق پرستی تھی۔ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے بغیر کوئی اور غرض نہ تھی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہر شے کی پرستش کرتے اور صرف خدائے واحد کی نہ کرتے تھے۔ دوسری طرف محض حسد، رقابت، تعصب اور اقتدار کی ہوس تھی۔ یہ لوگ کیا تھے اسلام نے انہیں کیا بنا دیا۔

منافقت کا خاتمہ

۸۔ تکلیفوں اور مصیبتوں ہی میں دوستوں اور دشمنوں کا امتحان ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے۔ اس مقابلہ میں معاشرے کا منافق عنصر بڑی حد تک ختم ہو گیا۔ عین وقت پر اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے بہانے بنا بنا کر علیحدہ ہو گئے۔ اور اب اپنی مستقبل کی ناکامیوں کا بھی انہیں بڑی حد تک یقین ہو گیا۔

ترقی کا راز اعداد و شمار کی روشنی میں

۹۔ اسلامی جماعت کی یہ کامیابیاں جہاں دشمنوں کی دشمنیوں اور حاسدوں کے حسد میں اضافے کا سبب بن سکتی تھیں اور بن رہی تھیں، وہاں واقعات کی شکل میں ایسے حقائق بھی سامنے آ رہے تھے جو زبان کے ہزار انکار کے باوجود دلوں میں یقین اور اقرار کا سبب بھی ہو رہے تھے اور بن رہے تھے

تاریخ شاہد ہے کہ رمضان سنہ ۲ ہجری بدر کے موقع پر ۳۱۳ مجاہدین میدان میں آسکے تھے جو اسلامی تحریک اور دعوت و تبلیغ کی پندرہ سالہ زندگی کا حاصل تھا۔

اس کے بعد ۵ شوال سنہ ۳ ہجری صرف ایک سال بعد جنگِ احد لڑی گئی، جس میں عین جنگ کے وقت علیحدہ ہو جانے والے تین صد منافقین کو چھوڑ کر میدان میں آنے والے جاں نثار ۷۰۰ تھے۔ گویا ایک سال میں ۴۰۰ کا اضافہ ہوا۔

اب ۸ ذی قعدہ سنہ ۵ ہجری تک دو سال کے اندر تین ہزار صحابہ جنگِ احزاب میں شامل تھے۔ دشمنی اور دشمنوں کے ساتھ ساتھ یک دل، مخلص، جاں نثار اور جاں باز دوستوں میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ اضافہ اور ترقی اسلامی تعلیم اس تحریک کی حقانیت کا نتیجہ اور اثر تھا اور دوسرا اضافہ غلط فہمی اور جنگی عداوتوں کی پیداوار۔ غلط فہمیاں دن بدن دور ہو رہی تھیں اور حق شناسی کے بعد عداوتیں محبتوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔

چونکہ اکثر اوقات خون کے دھبے خون ہی سے دھونے پڑتے ہیں اور خون ہی سے دھل سکتے ہیں، اس لیے وہ بھی بفضلِ خدا دھل رہے تھے۔

صُلحِ حُدَیبیہ

ذوقعدہ سنہ ۶ھ

اسلام جو ہر کی جنگ کا مقصد ، بجز قیام امن اور خدا کی زمین پر صلح و سلام کو رواج دینے کے بغیر کچھ نہیں ، اس کی تاریخ میں وہ واقعہ جس کو صلح کے نام سے لکھا جاتا ہے ، ظاہر ہے کہ صلح و سلامتی کے باب میں اس کا کتنا بلند اور اس کی افادیت کا دائرہ کس قدر وسیع ہوگا ۔

چونکہ یہ واقعہ اسلام کے مزاج کے عین مطابق اور ان تقاضوں کو بڑی حد تک پورا کرنے والا ہے جس کی توقع اسلام بنی نوعِ انسان سے رکھتا ہے ، اس لیے اس واقعہ کو اسلام کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے ۔

واقعات کا بغور مطالعہ کرنے والے ایک ہوشمند اور صاحب انصاف پر خود بخود واضح ہو سکتا ہے کہ جہاں غلبہ و تسلط کے خواہشمند ، اقتدار کے شیدائی اور شہنشاہیت کے دلدادہ حکمرانوں کا نظریہ یہ ہے کہ ؎

صلح باشد مہلتِ سامانِ جنگ

صلح کی مدت کو سامانِ جنگ کی مہلت سمجھ کر اطمینان کے ساتھ دشمن کے خلاف فتنہ آرائیوں کے منصوبے تیار کرتے ہیں ، وہاں اس کے برعکس پیغمبر اسلام کا طرزِ عمل اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ جنگ کی ناگوار معروفیت سے ہمیشہ صلح کی فضا کو ہموار کرنے کا کام لیا ہے ۔ جنگ کی تیاریوں کے لیے کسی وقت بھی منافقانہ صلح کا فریب نہیں دیا ، بلکہ ہمیشہ کھلی جنگ سے صلح کے لیے زمین ہموار کرنے کی شریفانہ کوشش کی ہے ۔

وَقَاتِلُوْهُمْ لَا تَكُوْنُ فِتْنَةٌ ۔ اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے ۔

واقعہ کی وجہ تسمیہ

حدیبیہ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنوئیں کا نام ہے۔ کنوئیں کے قریب کا گاؤں بھی اسی نام سے مشہور ہوگیا۔ قریش کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح کا یہ معاہدہ اسی مقام پر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

کعبہ سے مسلمانوں کا تعلق

کعبہ اسلام کی عالمگیر تحریک کا اصل مرکز ہے۔ موحدِ اعظم حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور آں حضرت کے مورثِ اعلیٰ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی تعمیر کردہ مقدس یادگار اور فرزندانِ توحید کی سب سے پہلی اور مرکزی عبادت گاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے پنجگانہ اصول میں اس گھر کی زیارت اور طواف کو بھی ایک اصل قرار دیا گیا ہے تاکہ اس کی زیارت سے انسانی تاریخ کی وہ عام مقدس روایات ایک مومن کے دل میں تازہ ہوجائیں جو اس مقام کے ساتھ وابستہ ہیں۔ بلکہ دن میں کم از کم پانچ مرتبہ کعبہ کی اور کعبہ سے متعلقہ تعمیرِ انسانیت کے اہم واقعات کی اراتمندانہ یادیں ایک مسلمان کے دل میں اُبھرتی رہیں۔

اِس کے علاوہ وہ مسلمان جو بے جُرم و خطا مکہ سے نکالے گئے تھے، اُن کے دل میں اپنے وطنِ عزیز کی یاد غربت کی زندگی میں ایک مستقل خلش تھی۔

مسلمانوں کے دلوں میں حج کی تحریک

اِن تمام دبی ہوئی حسرتوں میں ہیجان پیدا کرنے میں موسمِ حج کی آمد نے وہ کام کیا جو خزاں رسیدہ بے برگ و بار درختوں کی بالیدگی اور شگفتگی میں بادِ بہاری کے روح پرور جھونکے کرتے ہیں۔ ؎

باز نوائے بلبلاں عشق تو یاد می دہد

ذی قعدہ کا مہینہ ہے جس میں عرب کے قدیم دستور کے مطابق جنگ بند ہے۔
اور مسلسل تین مہینے ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم یہاں تک کہ لوگ بیت اللہ کی زیارت

سے فارغ ہوکر اپنے اپنے گھر نہ پہنچ جائیں، جنگ بند رہے گی۔ عرب کے تمام قبائل جن کا ذریعہ معاش محض غارت گری تھا، آج نہایت امن و آشتی کے ساتھ زن و مرد مذہبی عقیدت کے نشہ میں سرشار دور دور سے سفر کر کے خانہ کعبہ کی زیارت کو آرہے ہیں امن وامان کی یہ جاں پرور فضا خلیل اللہ کے سچے جانشینوں کے دلوں پر کیونکر اثر نہ کرتی؟

سب سے بڑھ کر جو چیز محرک ہوئی وہ یہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ایک خواب سنایا جس میں نظر آیا تھا کہ آپ صحابہ سمیت بیت اللہ کا حج کر رہے ہیں۔

ان تمام محرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کی تیاری پر آمادہ کر لیا۔

حج کے لیے روانگی

چونکہ محض حج کا ارادہ تھا، دن ایسے تھے کہ سارے عرب میں قدیم رواج کے مطابق جنگ کا امکان نہ تھا، دشمن سے دشمن قبائل بھی دوش بدوش سفر کر رہے تھے مسلمانوں نے قربانی کے جانور لیے اور بے ہتھیار مکہ کو چل نکلے۔ صرف ایک تلوار ساتھ تھی جو ہمیشہ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہتی تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ۱۴۰۰ چودہ سو صحابہؓ تھے۔ یہ سنہ ۶ ہجری ذی قعدہ کا واقعہ ہے۔

ذوالحلیفہ پہنچکر قربانی کے جانوروں کی گردنوں میں امتیازی نشان باندھ دیے گئے۔

قریش کی مزاحمت

قریش نے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع پاکر بڑے زور سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قبائل میں پیغام بھیج کر بہت بڑی جمعیت فراہم کی اور مکہ سے نکلے۔ خالد بن ولید۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ سمیت دو سواروں کا لشکر لے کر فوج سے آگے بڑھے اور مقام غمیم تک پہنچ گئے۔ یہ مقام رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم راستہ کاٹ کر دائیں طرف ہو لیے اور حدیبیہ میں پہنچکر مقام کیا۔ خالد نے واپس مکہ پہنچکر صورتِ حال کی اطلاع دے دی۔

آں حضرت صلعم کا قریش کو پیغام

قبیلہ خزاعہ نے گو اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ اسلام کے حلیف تھے۔ قبیلے کا رئیس بدیل بن ورقاء چند آدمیوں کو ساتھ لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آمد کا سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا ہم محض بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اُس نے کہا قریش کی لاتعداد فوجیں بڑھی چلی آرہی ہیں وہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اُنہیں میری طرف سے پیغام دو کہ "ہم حج کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا نہیں چاہتے۔ قریش بھی جنگ میں کافی نقصان اُٹھا چکے ہیں اُن کے لیے بھی مناسب یہی ہے کہ ہمارے ساتھ ایک معین مدت کے لیے صلح کر لیں اور مجھے عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اگر یہ منظور نہیں تو خدا کی قسم میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کرے۔"

قریش کا جواب

قریش یہ پیغام سُن کر کہا "خواہ وہ لڑائی کے ارادہ پر نہیں آئے تاہم خدا کی قسم وہ ایسی حالت میں مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے کہ ہمیں کمزور خیال کرتے ہوں ہم اس میں عرب کے طعنے نہیں سنیں گے۔"

قبائلی رئیس کی حق گوئی اور قریش کی ہٹ دھرمی

پھر قبائل نے حلیس بن علقمہ کو جو بدوی قبائل کا رئیس مقرر کیا گیا تھا بھیجا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُسے دیکھا تو فرمایا۔ یہ عقیدت مند قوم کا فرد ہے۔ قربانی کے جانور اس کے سامنے سے لے کر گزرو تاکہ اس کی نگاہ ان پر پڑ سکے جب

احترام کے پیش نظر اُس نے آپ سے ملنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ قریش کے سامنے اپنے جذبات کے مطابق اصل حالات بتلائے۔ قریشیوں نے کہا "بیٹھ جاؤ تم جنگل کے رہنے والے آدمی ہو تمہیں کیا خبر ہے"۔ یہ بات سُن کر حلیس ناراض ہو گیا اور کہا "قریشیو! ہم نے تمہارے ساتھ اس لیے معاہدہ نہیں کیا کہ جو شخص کعبہ کی تعظیم و تکریم کے لیے آئے، تم اسے بیت اللہ کی زیارت سے روک دیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں حلیس کی جان ہے اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارادہ کو پورا نہ ہونے دیا تو ہم تمام قبائل ایک ساتھ واپس چلے جائیں گے"۔ اُنہوں نے جواب دیا "بس جاؤ! جاؤ حلیس ہمیں چھوڑ دو۔ ہم اپنے لیے جو مناسب سمجھیں گے کریں گے"۔

قریش کا ایک سفیر عروہ

عروہ بن مسعود ثقفی نے اپنی بزرگانہ حیثیت جتا کر کہا "اے معشر قریش! اگر تم کو میری نسبت کوئی بدگمانی نہیں تو مجھے اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کروں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معقول شرائط پیش کی ہیں۔

چنانچہ عروہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، قریش کا پیغام سنایا، اور کہا "محمد! فرض کرو تم نے قریش کو مٹا دیا۔ کیا اس کی کہیں مثال مل سکتی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود تباہ کر دیا ہو۔ اور اس کے علاوہ اگر دوسری صورت ہوئی تو یہ لوگ جو تمہارے گرد جمع ہیں سب منتشر ہو جائیں گے۔

صحابہ کرامؓ کو عروہ کے یہ الفاظ نہایت ناگوار گزرے اور بعض نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی بے تکلف گفتگو کو بھی بہت بُرا منایا۔ بہرحال گفتگو ناتمام رہی۔

صحابہؓ کی عقیدت کا عروہ پر اثر

عروہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہؓ کی والہانہ عقیدت اور شدتِ احترام سے سخت متاثر ہو چکا تھا۔ واپس آیا تو قریش سے کہنے لگا "میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی

کے دربار دیکھے ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کی مقبولیت اور عزت اس کی قوم میں
ایسی نہیں دیکھی جو عزت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس کے اصحاب کے دل میں ہے۔ محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے جب کوئی حکم دیتا ہے تو تعمیل کے
لیے ایک آدمی دوسرے پر سبقت کرتا ہے۔ کوئی شخص آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھ
سکتا جب وہ وضو کرتا ہے تو مستعمل پانی حاصل کرنے کے لیے ایسے گرے پڑتے ہیں
کہ ممکن ہے آپس میں جنگ ہو جائے۔ میری رائے یہی ہے کہ جس طرح بن پڑے اس سے
صلح کر لو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا لیکن قریش
نے اُن کی سواری کے اونٹ کو جو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ تھا مار ڈالا۔
البتہ ان کو بچا لیا اور وہ کسی طرح واپس پہنچ گئے۔

قریش کی شرارت اور آں حضرتؐ کا درگزر

اس اثنا میں قریش نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے فوج کا ایک دستہ
بھیجا لیکن وہ گرفتار ہو گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ صلح کے آرزومند تھے،
اس شرارت کو بھی درگزر فرمایا۔ سب کو معافی دے دی اور آزاد کر دیا۔ آیت درج ذیل
میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ
عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ
مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ
عَلَيْهِمْ۔ (سورۂ فتح - ۳)

وہ وہی خدا ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کے
ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیا اس
کے بعد کہ تم کو اُن پر پورا قابو دے دیا
تھا۔

سفارت کے لیے حضرت عثمانؓ کا انتخاب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلایا کہ قریش تک صحیح واقعات کی

اطلاع پہنچائیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میرے ساتھ قریش کے بغض اور دشمنی کو آپ جانتے ہیں اور مکہ میں بنی عدی یعنی میرے قبیلہ کا کوئی آدمی نہیں۔ البتہ میں اپنے سے بڑھ کر معزز اور موزوں آدمی کا پتہ دیتا ہوں اور وہ عثمان بن عفان ہیں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر ابوسفیان اور دیگر رؤسائے مکہ کی طرف پیغام دیا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ بیت اللہ کی زیارت اور تعظیم و تکریم کے لیے آتے ہیں۔

حضرت عثمان مکہ کی طرف گئے۔ ابان بن سعید بن العاص ابن اُمیہ نے آپ کو پناہ دی آپ نے پیغام سُنایا۔ قریش نے حضرت عثمان سے کہا۔ اگر چاہو تو تم بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں میں نہیں کر سکتا۔ قریش نے انہیں نظر بند کر دیا، اور خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ جب یہ اطلاع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی آپؐ نے فرمایا۔ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ آپؐ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ تمام مرد و عورت نے انتہائی جوش اور عقیدت کے ساتھ دستِ اقدس پر جاں نثاری کا عہد کیا۔ اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے۔ سورہ فتح میں اس کا ذکر حسب ذیل ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	بے شک خدا مسلمانوں سے راضی ہوا۔
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ	جب وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے
فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ	بیعت کر رہے تھے۔ خدا نے جان لیا جو کچھ ان
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ	لوگوں کے دلوں میں تھا۔ سو خدا نے اُن پر تسلی
فَتْحًا قَرِيْبًا۔ (فتح۔ ۳)	نازل کی اور عاجلانہ فتح دی۔

حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر بعد میں غلط ثابت ہوئی۔

قریش کا ارادہ صلح

قریش کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی عقیدت و محبت کی اطلاعات

متواتر پہنچ رہی تھیں۔ جب اس بیعت کی خبر پہنچی تو صلح کو مناسب سمجھا۔ سہیل بن عمرو
کو سفیر بنا کر بھیجا جو عرب میں مانے ہوئے فصیح و بلیغ مقرر تھے اور لوگ اُن کو خطیب قریش
کہتے تھے۔ تاہم قریش نے اُن کو یہ تاکید ضرور کر دی کہ صلح اس شرط پر ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ
وسلم) اس سال واپس چلے جائیں تاکہ عرب ہم پر یہ آوازے نہ کسیں کہ محمد قوت سے مکہ میں
داخل ہو گیا ہے۔

شرائط

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سہیل کو دیکھا تو فرمایا قوم نے صلح کا ارادہ
کر لیا ہے۔ سہیل دیر تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا رہا۔ آخر حسب ذیل
امور پر معاہدہ طے پا گیا:

(۱) مسلمان اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں اور واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آئیں اور
تین دن مکہ میں رہ کر واپس چلے جائیں۔ تلوار کے بغیر کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو۔ اور
وہ بھی نیام میں ہو۔

(۲) طرفین میں دس سال تک لڑائی بند رہے۔ کوئی ایک دوسرے کو نہ چھیڑے۔

(۳) اپنے ولی کی اجازت کے بغیر جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائے، وہ
قریش کو واپس کر دیا جائے اور جو مسلمانوں میں سے قریش کے پاس آئے واپس کیا جائیگا۔

(۴) جو قبیلہ چاہے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرے اور جو چاہے قریش سے عہد و پیمان
استوار کرے۔

معاہدہ لکھنے کے لیے آپؐ نے حضرت علی رضؓ کو بلایا آپ نے لکھا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ
الرَّحِیۡمِ۔ سہیل نے کہا بِاسۡمِکَ اللّٰھُمَّ لکھو کیونکہ عرب کا قدیم دستور یہی تھا۔ آپؐ
نے فرمایا۔ ایسا ہی لکھو۔ پھر لکھا هٰذا ما صالح علیه محمد رسول الله سہیل نے کہا
اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو پھر لڑتے ہی کیوں [illegible] اپنا اور اپنے باپ کا نام

لکھو۔ حضرت علی رضؓ نے ادب اور عقیدت کی وجہ سے رسول اللہ کا لفظ کاٹنے سے انکار کر دیا لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے کاٹ دیا اور فرمایا نام اور ولدیت لکھ دو۔

صلح جوئی اور وفائے عہد کی حیرت انگیز مثال

صلح کی ایسی سخت شرائط قبول کر لینے کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح جوئی اور امن پسندی پر یہ واقعہ تاریخ عالم میں بے مثال بلکہ حیرت انگیز ہے کہ عین اس موقعہ پر جب یہ معاہدہ لکھا جا رہا ہے، سہیل کے فرزند ابو جندل بن سہیل بن عمرو جو اسلام لا چکے تھے اور قریش نے اس مقدس جرم کی پاداش میں انہیں قید کر رکھا تھا، پا بہ زنجیر بیڑیوں سمیت افتاں وخیزاں اس مجمع میں پہنچ گئے اور سب کے سامنے آ کر گر پڑے۔

سہیل نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا "شرائط صلح پر عمل کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ ابو جندل مجھے واپس دے دیا جائے" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابھی معاہدہ کی تکمیل نہیں ہوئی"۔ اس کے جواب میں سہیل نے کہا "اگر ایسا ہے تو ہم صلح نہیں کرتے"۔ غرض کچھ بحث و تکرار کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کی واپسی بھی منظور کر لی۔

ابو جندل کا تمام جسم زخموں سے چور ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جاں نثار صحابہ رضؓ کی پر جوش جمعیت کے سامنے جو ایک سچے مسلمان کی آخری امید گاہ ہو سکتی ہے، مجرم محبت کا ایک ایک زخم ہمہ تن فریاد بن کر منہ کھولے دادرسی کا طالب ہے دوسری جانب حق کی منتقمانہ قوتیں بجلی کی طرح کفر کے خس و خاشاک پر گرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ لیکن محسن عالم ؐ کا حلم و عفو اور بردباری و حوصلہ اور خالق کائنات کی مخفی حکمتیں ان بے پناہ طوفانوں کا راستہ روکے کھڑی ہیں۔

طواف کعبہ اور زیارت بیت اللہ کے عقیدت مندانہ ولولہ کو لے کر آنے والے مکہ کے

قریب پہنچکر ناکام واپس جا رہے ہیں۔ شرائطِ صلح میں ہر شرط کو صریح شکست خیال کرتے ہیں اور پھر اس کا نتیجہ بھی ایک مظلوم مسلمان کی مظلومیت اور اپنی بے بسی کی صورت میں سامنے دیکھ رہے ہیں۔ اندازہ کرو کہ ایک مسلمان کے جذبۂ تسلیم و رضا اور اطاعتِ پیغمبر کا کتنا کڑا امتحان ہے۔

حضرت عمرؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ کیا آپ خدا کے رسول نہیں؟ ارشاد ہوا، "کیوں نہیں"؟ عرض کیا۔ کیا ہم مسلمان نہیں؟" فرمایا کیوں نہیں"۔ پھر عرض کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟" حکم ہوا "بے شک مشرک ہیں"۔ کہنے لگے" تو پھر ہم اپنے دین میں یہ ذلت کیوں برداشت کریں؟

آپؐ نے فرمایا:" میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا"

ادھر حضرت عمر اور بالواسطہ مسلمانوں کی تمام جمعیت کو اس مختصر لیکن معجزانہ فقرہ سے ٹھنڈا کیا کہ "خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا" اور دوسری جانب ابوجندل کو تسلی دی۔

یا ابا جندل اصبر واحتسب — اے ابوجندل صبر کرو اور ضبط سے کام لو
فان اللہ جاعل لك ولمن معك — بے شک اللہ تمہارے لیے اور ان کمزور
مِنَ المستضعفین فرجا و — مظلوم مسلمانوں کے لیے جو تمہارے ساتھ
مخرجا انا قد عقدنا صلحا — ہیں ضرور کوئی راہ نکالے گا۔ ہم صلح کا عہد
و انا لا نغدر بھم۔ — کر چکے ہیں اور ہم بد عہدی نہیں کریں گے۔

ابوجندل نے اسی اسلام کو قبول کیا تھا جو عہد کی پابندی کی تعلیم دیتا ہے، اس لیے ضروری تھا کہ وہ بھی اس یاد داشت پر مطمئن ہو جائے۔

یہ درست ہے کہ دین کے معاملہ میں جب مسلمانوں سے امداد طلب کی جائے تو اُن کا فرض ہے کہ امداد دیں لیکن جس قوم سے مسلمان معاہدہ کر چکا ہو اس کے خلاف وہ کسی

مسلمان کی امداد بھی نہیں کر سکتا۔ صاف حکم ہے:

وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ۔ (انفال - ۱۰)	اور اگر تم سے دین کے معاملہ میں امداد طلب کریں تو تمہارا فرض ہے کہ مدد دو۔ مگر ایسی قوم کے خلاف جس کا تمہارے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔

واپسی

اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام پر احرام کھول دیا۔ بال منڈوائے اور قربانی کی۔ صحابہؓ نے احرام کھول دیے اور قربانی کی تین دن قیام فرما کر آپ مدینہ کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں اعلان فرمایا گیا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔	ہم نے تم کو فتح مبین عنایت فرمائی۔

کیا یہ فتح ہے؟

آپ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ آیت سنائی۔ حضرت عمرؓ نے بڑے تعجب سے پوچھا: "کیا یہ فتح ہے؟" فرمایا "ہاں یہ فتح ہے" حضرت عمرؓ کو اطمینان ہو گیا۔

نتائجِ جنگ

امن کی برکات

۱۔ اسلام کا اصل مقصد خدا کے بندوں تک خدا کا پیغام پہنچانا ہے جس کے لیے امن کی فضا ہی زیادہ سازگار اور مناسب ہو سکتی ہے۔ اس معاہدہ کا پہلا اور شاندار نتیجہ یہ رہا کہ دس سال تک کے لیے جنگ بند ہو گئی۔ قریش اور اُن کے معاہد (حلیف) قبائل کی طرف سے اطمینان نصیب ہوا۔ مسلمان آزادانہ مکہ میں آنے جانے لگے۔ تجارتی اور خویشاوندی کے تعلقات کی بنا پر کفار اور مسلمانوں میں میل ملاپ شروع ہو گیا۔ اِس

معاصرانہ میل جول سے موقع پیدا ہوا کہ کفار مسلمانوں کی گفتگو سنیں، سیرت و کردار کا مطالعہ کریں اور معاملات میں ان کے اسلامی تعلیم و تربیت کے زیر اثر بدلے ہوئے بلند اور پاکیزہ اخلاق کو عملی صورت میں دیکھیں اور آزمائیں۔

تحریک کس طرح کتنی آگے بڑھی؟

ممکن نہ تھا کہ عرب جیسی بہادر اور آزاد قوم ان حقائق کے اعتراف سے اپنے ضمیر کو متاثر ہونے سے بچا سکتی۔ چنانچہ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسے جرنیل جنہیں آج تک کی کوئی جنگ اور کوئی شکست قائل اور معترف نہ کر سکی، وہ اسی دور میں اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور ہوئے۔

جتنے لوگوں نے آغاز دعوت سے لے کر آج تک یعنی تقریباً انیس سال میں اسلام قبول کیا تھا، اس سے کئی گنا زیادہ لوگ عہد صلح کے دو سالوں میں اسلام کی سچی غلامی میں شامل ہوئے۔ تاریخ کا سرسری اور اجمالی مطالعہ ان حقائق کو سامنے لے آسکتا ہے

آج سے ایک سال قبل جنگ احزاب میں تین ہزار تک یہ تعداد پہنچی تھی، اس کے بعد ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت دس ہزار قدوسی صرف فوج میں شامل تھے اور پھر حجۃ الوداع کے وقت ڈیڑھ لاکھ کے قریب زائرین کعبہ تھے جو حرم میں خطبہ سن رہے تھے گویا ۶ھ تک پورے انیس سال کی مدت میں یہ تعداد جو تین ہزار پہنچی تھی انیس سال کے بعد صرف تین چار سال میں لاکھوں تک پہنچ گئی۔ یہ صلح کی فضا ہی کا نتیجہ تھا۔

۲۔ راستوں کے پرامن ہو جانے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے بادشاہوں، بڑے بڑے قبائلی رئیسوں اور سرداروں کی طرف دعوتی پیغام اور خطوط بھیجے جن کے ذریعے اسلام کی زبردست اشاعت ہوئی۔

۳۔ معاہدہ کی شرائط میں سب سے کڑی شرط جو مسلمانوں پر گراں گزری یہ تھی کہ جو شخص مسلمان ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اسے اس کا ولی واپس لے سکتا

ہے۔ اس شرط کا نتیجہ یہ رہا کہ اسلام قبول کرنے والوں میں سے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر سب سے پہلے جو شخص مدینہ کی طرف پناہ لینے کے لیے بھاگا وہ عتبہ بن اسید تھا۔ جب حضرت عتبہ مدینہ پہنچے تو قریش نے اُن کی واپسی کے مطالبہ کی غرض سے دو آدمی دوڑائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عتبہ واپس چلے جاؤ۔ جب عتبہ نے عرض کیا کہ آپ مجھے پھر کفار کے سپرد کرتے ہیں تاکہ وہ مجھے کفر پر مجبور کر دیں۔ آپؐ نے ابوجندل کی طرح اُن کو بھی یہی جواب دیا کہ خدا کوئی تدبیر پیدا کرے گا۔"

چنانچہ مجبوراً ان دونوں کی حراست میں واپس کر دیے گئے۔ راستہ میں ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت عتبہ نے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرا شکایت لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس مدینہ پہنچا۔ ساتھ ہی عتبہ پہنچ گئے اور عرض کی آپ نے حسبِ معاہدہ مجھے واپس کر دیا۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ کہہ کر مدینہ سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے مقام عیص میں رہائش اختیار کر لی۔

مکہ کے مظلومین اور بے کس لوگوں کو اب جان بچانے کا ایک ٹھکانا مل گیا چھپ چھپا کر یہاں پہنچ جاتے، حتٰی کہ یہاں ایک جمعیت فراہم ہو گئی۔ آخر ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ شام کو جانے والے تجارتی قافلوں کو روک لیتے۔

چنانچہ قریش نے مجبور ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ معاہدہ کی یہ شرط منسوخ قرار دی جائے۔ اور آپؐ نے ان مظلوم مسافروں کو اب مدینہ میں بُلا لیا"

قرآنی اشارات

بیعتِ رضوان کا مقام

۱۔ قرآنِ پاک نے اس جاں نثاری کی بیعت کو جو صحابہؓ نے سامانِ جنگ کی عدم موجودگی میں محض قوتِ ایمانی پر اعتماد کر کے مقامِ حدیبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ

وسلم سے کی یہ رتبہ دیا کہ مسلمان گویا اللہ سے بیعت کر رہے ہیں اور اللہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا	بے شک وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کر
یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ	رہے ہیں وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان
اَیْدِیْہِمْ۔ (فتح)	ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

۲۔ جو لوگ اس سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل نہیں ہوئے فرمایا کہ وہ لوگ حیلے بہانے بنائیں گے اور جھوٹی معذرتیں کریں گے لیکن ان کا یہ فعل مومنوں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بداندیشی پر مبنی ہے اور یہ لوگ عذاب اور سزا کے مستوجب ہیں۔

سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ تا عَذَابًا اَلِیْمًا۔ (فتح)

۳۔ مسلمانوں کو حیرانی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سخت شرائط قبول کرلیں لیکن جنگ کو پسند نہ کیا، بلکہ لیس میں آئے ہوئے مفسدہ پردازوں کو بھی چھوڑ دیا۔ اس کے جواب میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کو تو حالات پر چھوڑ دیا اور موجودہ حالت کے پیش نظر ایک اطمینان بخش جواب دیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر آج ہی جنگ چھڑ جاتی تو وہ مرد و عورت جو مکے میں مسلمان ہو چکے ہیں اور تم انہیں نہیں جانتے، سب پیس ڈالے جاتے۔ نیز وہ سعید روحیں جن کا ایمان لانا آئندہ دو سال میں مقدر تھا، وہ بھی محروم رہتے۔

وَھُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَھُمْ	مسلمانو! وہی خدا تو ہے جس نے مکہ میں تم
عَنْکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ عَنْھُمْ بِبَطْنِ	کو کافروں پر فتح دیے پیچھے اُن کے ہاتھوں کو
مَکَّۃَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ	تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے
عَلَیْھِمْ ط وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	اور اللہ جو کچھ تم کر رہے تھے دیکھ رہا

بِصِيْرًا هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	تھا۔ یہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو
وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں
وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ	کو بھی جو رکے رہے اور اپنی جگہ پر نہ پہنچ پائے
مَحِلَّهٗ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ	اور اگر (شہر مکہ میں) کچھ مسلمان مرد اور کچھ
وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ	مسلمان عورتیں نہ ہوتیں کہ تم اُن سے ناواقف
اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ	تھے (اور لڑائی کی صورت میں) تم اُن کو پامال
مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ	کر ڈالتے اور نادانستہ تم کو ان کی طرف سے
اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ لَوْ	نقصان پہنچ جاتا) تو ابھی معاملہ طے کرا دیا جاتا
تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	مگر خدا نے صلح حدیبیہ کے وقت اس لیے لڑائی
مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (فتح - ۳)	نہ ہونے دی کہ خدا اس عرصہ میں جس کو چاہے

اپنی رحمت (یعنی دین اسلام) میں داخل کرے۔ اگر مکے کے رہنے والے مسلمان مکے سے کہیں کو ٹل گئے ہوتے تو ان میں سے جس نے کفر کیا سب عذاب دردناک کی سزا دیتے۔

حج کی بشارت کا مفہوم

۴۔ سب سے اہم سوال یہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب کی بنا پر یہ سفر اختیار فرمایا تھا، جس میں آپ نے صحابہ سمیت کعبہ کا طواف فرمایا لیکن مسلمان طواف اور زیارت سے روک دیے گئے اور ناکام واپس جا رہے تھے۔

چونکہ خواب کی بشارت میں سال اور وقت کی کوئی تعیین نہیں دکھائی گئی اس لیے اس کی تصدیق آئندہ سال کے واقعہ نے کی۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی پردہ کشائی فرما کر اپنے حبیب کی تصدیق اور مومنین کے اطمینان و یقین کا سامان فرمایا۔ فرمایا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ	اللہ نے اپنے رسول کو خواب بالتحقیق سچ
الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ	دکھایا اگر اللہ نے چاہا تو مسجد حرام میں اطمینان کے

الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ	ساتھ داخل ہو رہو گے بے خطر اپنے سروں کے
مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ	بال مونڈتے اور کترتے ہوتے۔ خدا جانتا ہے
لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا	جو تم نہیں جانتے اس کے علاوہ ایک فتح
فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا	نزدیک بھی ٹھہرا دی۔
قَرِیْبًا۔ (فتح-۳)	

۵۔ سورۃ کے آخر میں توراۃ اور انجیل کا حوالہ دے کر مسلمانوں کی جماعت کی حیرت انگیز ترقی کی مثال دی ہے جس سے مسلمانوں کی ساری کلفتیں دور ہوگئیں۔

تسلیم و رضا اور توحید کا سبق

۶۔ ان تمام واقعات میں ایک حقیقت جو سب سے زیادہ کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مومن تو مومن رہا، خود ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شخصیت بھی خدا ہی کی رضا پر راضی رہنے کی پابند ہے۔ یہی مومن کی شان ہے اور خدا کو مومن کی یہی ادا زیادہ پسند ہے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ کا مقامِ رفیع مومن کو اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں حج کا اشارہ دیکھتے ہیں اور قربانی کے جانور لے کر چل پڑتے ہیں، چودہ سو صحابہؓ کی مقدس جماعت یہی ارادہ لے کر ہم سفر ہو جاتی ہے۔ کسی کے سان گمان میں بھی نہیں کہ حج نہیں ہو سکے گا، صحابہؓ کی مخلص جماعت شرائطِ صلح بلکہ پیش آمدہ صورتِ حال کے ایک ایک واقعہ سے سخت پریشان ہے۔ کوئی علم نہیں کہ کیا سامنے آنے والا ہے اور کیا نتائج نکلنے والے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی غلط خبر کو درست تعیین کر کے بیعتِ رضوان کا اِس قدر اہم واقعہ صحابہ کرامؓ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین عمل میں آتا ہے جس پر یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ کا ابدی نشان ثبت کیا گیا اور اس کی تصدیق کی گئی۔ بہر حال جو کچھ رہا ہے اور سمجھا گیا جا رہا ہے

البتہ اس واقعہ بلکہ ان تمام واقعات میں خدا کو پسند آئی تو مومن کی یہی ادا پسند آئی کہ مومن اپنی رضا بے چون وچرا خدا کی رضا کے سپرد کر دے۔ اور بس

بہ درد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ ہرچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ یا مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی اور مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جیسی آیات کے مفہوم سے کئی غلط اندیش لوگ عبد اور معبود کے اس تعلق کو سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور بندے کو خدائی رتبہ دے دیتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ مقامات ہیں جہاں بندے کو خدا کے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور قطعی طور پر بے اختیار ظاہر کیا گیا ہے۔ بندہ موجود ہے لیکن اپنے تمام ارادے خدا کی رضا کے سپرد کر کے اپنی انا سے دست بردار ہو گیا ہے اور

با وجودت ز من آواز نیاید کہ منم

کے مقام پر پہنچ گیا ہے۔

بندہ ہونے کا حق یہی ہے کہ اپنی رضا آقا کے سپرد کر دے، یہ نہیں کہ بندہ خدا بن جائے اس میں شک نہیں کہ حج بیت اللہ بہت بڑی نیکی اور نیک عمل ہے اور بیت اللہ انسانی تاریخ کی بے شمار ایمان افروز مقدس یادوں کا مقدس نشان ہے — خدا کی راہ میں نکلنے والا انسانی دنیا کا یہ مقدس قافلہ زیارتِ کعبہ اور حج کا مقدس ارادہ لے کر نکلتا ہے — اور حج نصیب نہیں ہوتا — لیکن ان راہروانِ منزلِ تسلیم و رضا کو لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ کی سب سے بڑی اعزازی سند مل جاتی ہے۔ اس لیے اور محض اسی لیے کہ راضی بہ رضا ہونا ہی سچی عبودیت کی سب سے بڑی علامت، اطمینانِ قلب کا مقام' سوادِ کوئے جاناں اور اہلِ محبت کی اصل منزلِ مقصود ہے۔ باقی سب مقام میل راہ اور نشانِ منزل تو ہو سکتے ہیں، منزل نہیں ہو سکتے۔ کہنے والے نے کسی ایسے ہی ذہنی تصور میں

اپنے دل کو مخاطب کر کے کہا ہے یا کہا ہوگا، ورنہ کعبہ، کعبہ ہی تو ہے اور کعبہ ہی رہے گا۔

کعبہ را ویراں مکن اے دل کہ آں جایک نفس
گہ گہے واماندگانِ راہ منزل می کنند

"اے دل! کعبے کو ویراں نہ ہونے دے کہ وہاں گاہے گاہے کچھ وقت کے لیے راہ کے تھکے ماندے لوگ مقام کر لیتے ہیں۔"

مرزا غالب نے ذرا کھل کر کہا اور واقعی بڑی پتے کی کہی:

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

فانی بدایونی نے کچھ اور بھی دل آویز انداز میں اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

تو کہاں ہے کہ تیری راہ میں یہ دَیر و حرم
نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں بننے پاتے

بہرحال اسلامی تحریک اب تاریخ کے اُس مقام پہنچ چکی ہے اور جماعت اسلامی کا یہ مقدس قافلہ اب تربیت کی اُس پُرخلوص منزل میں ہے کہ یہ لوگ اپنی ہر آرزو سے دست بردار ہو جائیں اور اپنا سب کچھ خدا کے سپرد کر دیں۔

آج حج اور طوافِ کعبہ نہ کرسکنے پر کبیدہ خاطر ہونے والا روشن دماغ قریشی سردار اور زعیم۔ آئندہ دور میں اسلامی تاریخ کا وہی رہنمائے اعظم ہے جو ایک دن طوافِ کعبہ کرتے ہوئے جب حجرِ اسود کے سامنے آتا ہے تو کہتا ہے

اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَ لَا تَنْفَعُ۔ — میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے تو نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔

یہ قریشی سردار خطاب کا بیٹا عمر فاروق رضی ہے۔

آنکھیں کھولیں اور پتھروں ہی کی محکومی، غلامی اور عقیدت مندانہ بندگی کا ایمان لے کر مرنے پر فخر کرتے تھے۔

اسی عمر فاروق رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سُنا کہ لوگ اُس درخت کی زیارت کو جانا شروع ہو گئے ہیں جس کے نیچے یہی بیعت رضوان ہوئی تھی۔ آپ نے اسی وقت آدمی بھیج کر اُس درخت کو جڑوں سے اُکھڑوا دیا۔

اسلامی تاریخ کے یہی راہنما واقعات ہیں جن کے ذریعے آزادئ انسانیت کے آخری معلم روحی فداہ نے توحید کی تعلیم و تربیت کا وہ کورس مکمل کیا جس تربیت کے بعد شجر و حجر کیا، کائنات کے ذرّے ذرّے کو خدا ماننے والے اور صرف ایک خدا کو خدا نہ ماننے والے سب کٹ کر اُسی ایک کے ہو رہے جسے نہ مانتے تھے۔ واقعی حق کی سچی محبت اور کشش باطل کے ہر ادنیٰ سائے سے بھی نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ اور یہی ایمان کی علامت ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

جنگِ خیبر

سنہ ۷ ہجری

جنگ کیوں ہوئی؟

خیبر مدینہ سے شام کی جانب ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور یہودیوں کی قوت کا مرکزی مقام ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہود کا قبیلہ بنو نضیر جب مدینہ سے جلاوطن ہوا تو وہ لوگ یہیں آکر اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ آباد ہوتے۔ انہیں بڑے احترام سے یہاں ٹھہرایا گیا۔ یہاں تک کہ ان کی سرکردگی میں ان لوگوں نے سارے عرب میں مسلمانوں کے خلاف لڑائی کا جوش پھیلا کر جنگِ احزاب جیسا معرکہ کھڑا کیا۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

شکست اور ناکامی دشمن کو آئندہ کے لیے بددل بھی کر سکتی ہے لیکن بد باطن دشمن کا دل تاوقتیکہ سارے حربے استعمال نہ کرلے اور اپنے سارے ارمان نکال نہ لے ٹھنڈا نہیں ہو سکتا۔ جنگِ احزاب کی شکست حی بن اخطب جیسے لوگوں کا قتل اور اپنی جمعیت اور قوت کے باوجود قبائل قریش کی حمایت و اعانت اور پھر ان منافقینِ مدینہ کی انگیخت جن کی اب مسلمانوں کے اندر رہ کر کام کرنے کی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ یہ ایسے حالات اور محرکات ہیں جو یہود کو امن سے نہ بیٹھنے دے سکتے تھے۔ ان محرکات کی تصدیق حسب ذیل واقعات سے ہو گی۔ اور یہی آئندہ جنگِ خیبر کا باعث بنے۔

۱۔ بنو قریظہ کی شرارت کے سلسلہ میں جب حی بن اخطب مارا گیا تو اس کے بعد ابو رافع سلام بن ابی حقیق اس کا جانشین مقرر ہوا تھا۔ خیبر کے متصل عرب کا ایک بہت بڑا قبیلہ بنو غطفان آباد تھا۔ اور یہ قبیلہ ہمیشہ یہود کا حلیف بھی رہا ہے۔ اس کے علاوہ سلام کو جو لوں

سے رشتہ داری کا بھی تعلق تھا۔ ان اسباب کی بنا پر سلام نے قبیلۂ غطفان اور اردگرد کے دوسرے عرب قبائل کو اسلام کے خلاف آمادہ کرکے سنہ ۶ ہجری میں ایک عظیم الشان فوج مدینہ پر حملہ کی تیاری کے لیے جمع کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگیا اور آپ کے ایما سے سلام ایک انصاری کے ہاتھ سے مارا گیا اور قلعۂ خیبر ہی میں مارا گیا۔

۲۔ یہودیوں نے اب اس کی جگہ اسیر بن زرام کو رئیس مقرر کیا۔ اسیر نے قبائل کو جمع کرکے تقریر کی کہ اب تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کی گئیں وہ غلط تھیں۔ کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دارالسلطنت پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ میں یہی طرزِ عمل اختیار کروں گا۔

چنانچہ اس مقصد کی تکمیل میں اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کرکے ایک بھاری فوج فراہم کی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاعات پہنچیں تو آپ نے یقین نہیں کیا۔ اور صحیح حالات معلوم کرنے کی غرض سے عبداللہ بن رواحہ کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے اور چھپ چھپا کر خود اسیر کی زبانی تمام منصوبے سن کر آئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب باقاعدہ ۳۰ آدمیوں کی معیت میں عبداللہ بن رواحہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر تم لوگ حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔

سریۂ عبداللہ بن رواحہ

یہ پیغام سن کر اسیر نے ۳۰ آدمی اپنے ساتھ لیے اور حاضری کے لیے روانہ ہوگیا مگر دل سے صاف نہ تھا۔ ایک ایک مسلمان کے ساتھ ایک ایک یہودی ہم رکاب کر دیا اور سارا قافلہ اسی طرح دو دو ہو کر چل رہے تھے۔ جب قرقرہ کے مقام پر پہنچے تو اسیر نے موقع پا کر ہاتھ بڑھایا کہ عبداللہ بن انیس کی تلوار چھین لے۔ وہ جھٹ پا گئے۔ کہا "او دشمنِ خدا! بدعہدی کرتا جاتا ہے؟" گھوڑا آگے بڑھایا اور تلوار ماری جس سے اُس کی ران کٹ گئی لیکن گھوڑے سے

گرتے گرتے اس نے عبداللہ کو بھی زخمی کر دیا۔ دونوں فریق کے درمیان جنگ ہوئی نتیجہ
یہ رہا کہ یہودیوں میں سے صرف ایک آدمی بچا۔ یہ شوال سنہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔

۳۔ مدینہ کے یہود بنی نضیر جو جلاوطن ہو کر آئے تھے، جلاوطنی کے صدمہ کو نہیں
بھول سکتے تھے، اور پھر اپنے رئیس سلام بن الحقیق کے قتل کی یاد انہیں اور بھی ستاتی تھی۔
خیبر والوں نے ان لوگوں کو بڑے احترام سے جگہ دی تھی۔ خیبر کا مشہور قلعہ قموص ان کے
قبضہ میں دے دیا گیا تھا۔ سلام کے بعد خاندانی ریاست کا عہدہ اس کے بھتیجے کنانہ
بن الربیع بن ابی الحقیق کو دیا گیا تھا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگ احزاب میں بھی انہیں
لوگوں کا زیادہ ہاتھ تھا۔ اب بھی یہ قبیلہ خیبر کی آبادی میں گوناگوں وجوہ کی بنا پر امتیازی
حیثیت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل تھا۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ان لوگوں نے آپؐ کی کوشش کے
باوجود معاہدہ نہ کیا اور عبداللہ بن رواحہ کی سفارت کو بدگمانی کی نگاہ سے دیکھا لیکن
دوسری جانب کنانہ اور ہودہ بن قیس کو بھیج کر غطفان کے ساتھ خود معاہدہ طے کر لیا۔
کہ اگر ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو نخلستان کی پیداوار کا نصف تمہیں دیا جائے
گا۔ بلکہ بنو فزارہ جو غطفان کا ایک طاقتور قبیلہ ہے۔ یہ لوگ مدینہ پر حملہ کی تیاری کی خبر
سُن کر خود خیبر میں پہنچے کہ ہم تمہارے ساتھ شامل ہو کر لڑیں گے۔

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے بنو فزارہ کو بھی خط لکھا کہ
تم خیبر والوں کی امداد نہ کرنا خیبر فتح ہوا تو تمہیں بھی حصہ دیا جائے گا لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا۔

۵۔ مسلمانوں کے خلاف یہود خیبر اور دیگر قبائل کی اس ہٹ دھرمی کی ایک وجہ یہ بھی
تھی کہ مدینہ کے منافق ان لوگوں کو مسلسل پیغامات بھیجتے رہتے تھے کہ مسلمانوں سے ڈرنے
کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان مٹھی بھر آدمیوں کی کیا ہستی ہے کہ تمہارا مقابلہ کرسکیں جن کے

۶۔ غطفان ویسے بھی یہود کے حلیف تھے۔ لیکن ایک تازہ واقعہ بھی پیش آیا جس نے انہیں مسلمانوں کے خلاف اَور بھی بھڑکا دیا۔ محرم سنہ ۶ ہجری میں ذی قرد کی چراگاہ سے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی قبیلہ غطفان کے چند آدمی عبدالرحمن بن عیینہ کی سرکردگی میں چھاپہ مار کر بیس اونٹنیاں لے گئے۔ حضرت ابوذر کے صاحبزادے اونٹوں کے رکھوالے تھے، انہیں بھی قتل کر دیا۔ اور اُن کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ مسلمانوں نے اطلاع پاکر جب تعاقب کیا تو وہ پہاڑ کے درہ میں گھس گئے جہاں عیینہ بن حصین قبائل غطفان کا سپہ سالار ان کی امداد کو موجود تھا۔

اس غارت گرانہ حملہ کی اطلاع سب سے پہلے ایک مشہور تیر انداز صحابی سلمہ بن الاکوع کو ملی وہ واصباحاہ کا نعرہ مار کر ان کے پیچھے ہو لیے اور اُن کو جالیا۔ حملہ آور اُنٹوں کو پانی پلا رہے تھے سلمہ نے تیر برسانے شروع کیے۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ نکلے۔ سلمہ آگے بڑھے اور اونٹنیاں چھڑا لاتے۔ آں حضرتؐ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ دشمن کو پیاسا چھوڑ آیا ہوں اگر آپ سو آدمی میرے ساتھ کر دیں تو ایک ایک کو گرفتار کر کے لے آؤں۔ رحمۃ للعالمین نے فرمایا:

اذا ملکت فاسجح — جب قابو پا جاؤ تو درگزر سے کام لو!

الغرض غطفان کے چار ہزار جنگجو بہادر یہود خیبر کے ساتھ حسب معاہدہ شریک جنگ ہونے کو تیار ہوتے۔

یہ ہیں وہ تمام واقعات اور حالات جو جنگِ خیبر کا باعث بنے اور جن کی بنا پر مسلمانوں کو یہ جنگ لڑنا پڑی۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہر طرح یقین ہو گیا کہ خیبر کے یہود اور غطفان کے

ان لوگوں نے صاف ٹھکرا دیا ہے تو آپؐ سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے
یہود کی مدافعت کے لیے آخر محرم ۷ھ ہجری میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔

محض جہاد مقصود ہے

یہود مالدار قوم تھی اور خیبر ایک زرخیز قطعۂ زمین تھا۔ ہوسکتا ہے کہ عرب کے سابق
رواج اور صدہا سال کے تصورات کے مطابق بعض کے دل میں مالِ غنیمت کی تمنا ابھرے
اور نمود و ظہور پکڑے، اس لیے آپؐ نے اسلامی نقطۂ نگاہ سے جہاد کی حقیقت کی طرف
توجہ دلائی۔ بلکہ پابندی عائد کر دی کہ:

لا یخرجنّ معنا الّا راغب فی الجہاد (ابن سعد)
صرف جہاد کے خواہشمند لوگ ہمارے ساتھ نکلیں۔

بلکہ آپؐ نے صرف اُن لوگوں کو ہمرکابی کی اجازت دی جو بیعتِ رضوان میں شامل تھے
اور حدیبیہ میں بے سروسامانی کی حالت میں محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جانبازی کی
بیعت کر کے اخلاص کا ثبوت دے چکے تھے۔

یہ چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہؓ تھے۔ دو سوار باقی پیادہ اور ان میں بیس عورتیں بھی تھیں۔
ازواجِ مطہرات میں سے اُمِ سلمہ ساتھ تھیں۔

یہ پہلا دن ہے کہ فوج میں علم استعمال کیا گیا، جو حضرت عائشہ کی چادر سے تیار
ہوا اور حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا۔

جنگ کے مقاصد

جنگ کے مقاصد اور مسلمانوں کے جنگی عزائم کی غرض و غایت ذیل کے اشعار سے
بخوبی سمجھی جا سکتی ہے جن کو عامر بن الاکوع فوجی علم کے آگے آگے رجز کے طور پر
پڑھتے جاتے تھے۔

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا — اے خدا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت

ولا تصدقنا ولا صلّینا — نہ پاتے نہ خیرات کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔

فاغفر فداء لك ما اتقینا — ہم تجھ پر فدا ہوں ہماری نافرمانیاں معاف

والقین سکینة علینا — کر دے اور ہم پر اطمینان نازل فرما۔

انا اذا صیح بنا اتینا — ہم جب فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے

وثبت الاقدام ان لاقینا — ہیں اور جب مڈھ بھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ

وبالصیاح عولوا علینا — لوگوں نے پکار کر ہم سے امداد طلب کی ہے۔

ان الذین قد بغوا علینا — جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے

اذا ارادوا فتنة ابینا — جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم

ونحن عن فضلك ما استغنینا — اُن سے دبتے نہیں اور اے خدا ہم تیری ہی

عنایت کی وجہ سے بے نیاز ہیں۔

رجز اُن فخریہ اشعار کو کہتے ہیں جو ایک جنگجو بہادر میدان میں نکل کر حریف مقابل کے سامنے للکار کی صورت میں پڑھتا ہے۔ جن میں اپنی بہادری کے کارنامے، ان پر فخر اور دشمن کی تحقیر اور اس کی کمزوری جتاتا، اپنا رُعب جمانا اور اُسے مرعوب کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ اب خیال فرماؤ کہ جس اسلامی تحریک نے ان پُر غرور الفاظ کی یہ اصلاح کر دی ہے، اُس کی کے مقاصد کیا ہو سکتے ہیں؟ اور اُن میں کیا تبدیلی آچکی ہوگی؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ کچھ عورتیں بھی ساتھ آرہی ہیں تو آپ نے ان سے وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس زخمیوں کے لیے دوائیں بھی ہیں اور اس کے علاوہ ہم تیر اُٹھا کر لائیں گی۔

ایک جنگی تدبیر

آپ پڑھ چکے ہیں کہ غطفان کا اہلِ خیبر سے شرکتِ جنگ کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ اس لیے آپؐ نے رجیع کے مقام پر فوج کو اُترنے کا حکم دیا جو غطفان اور خیبر کے درمیان

واقع ہے۔ فوج کی اصل قیام گاہ یہی مقام قرار پایا۔ سامان باربرداری و مستورات وغیرہ کو یہیں ٹھہرا کر حسب ضرورت فوجی دستے آگے بڑھانے کا انتظام کیا۔ بلکہ یہاں ایک مسجد بھی تعمیر کر لی گئی تاکہ دینی اور روحانی مشاغل اور تبلیغی سرگرمیاں بھی برابر جاری رہیں۔ کیمپ کا انتظام حضرت عثمانؓ کے سپرد کیا گیا۔ اس مقام پر کیمپ لگانے کا یہ فائدہ ہوا کہ جب جسب وعدہ غطفان کی فوجوں نے خیبر کی طرف بڑھنا چاہا تو خود اپنے علاقہ کو خطرہ میں دیکھ کر واپس ہو گئے اور یہود بیرونی امداد سے محروم رہ گئے۔

معمولِ جنگ

اسلامی فوجیں جب خیبر کی سرحد میں داخل ہوئیں تو رات ہو چکی تھی۔ چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ رات کو حملہ کی اجازت نہ دیتے تھے لشکر نے میدان میں ڈیرے ڈال دیے۔ صرف یہی نہیں کہ آپ کو دشمن پر شب خون مارنے سے پرہیز تھی بلکہ رحمت عالمؐ کی عادت میں شامل تھا کہ کسی نئے مقام میں داخل ہوتے تو ذیل کے الفاظ میں دعا مانگتے۔ چنانچہ خیبر کی عمارتیں نظر آئیں تو صحابہ کو ٹھہرا کر دعا کی:۔

اللّٰھم انا نسئلک خیر ھٰذہ	اے خدا ہم تجھ سے اس گاؤں کی گاؤں
القریۃ وخیر اھلھا وخیر ما	والوں کی اور گاؤں کی چیزوں کی بھلائی
فیھا۔ ونعوذ بک من شرھا	چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے
وشر اھلھا وشر ما فیھا۔	پناہ مانگتے ہیں۔

صبح خیبر میں داخلہ ہوا۔ یہودیوں نے مستورات کو علیحدہ ایک مقام میں محفوظ کر لیا۔ سامان رسد قلعہ ناعم میں جمع کیا اور فوجیں نطاط اور قموص میں فراہم کیں۔

جہاد پر آں حضرتؐ کا وعظ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد جنگ نہ تھا۔ لیکن یہود نے کسی مقاومت کے

جہاد کی ترغیب دی۔

ولما ایتیقن النبی صلعم ان الیهود تحارب، وعظ اصحابہٗ ونصحهم وحرضهم علی الجهاد۔	جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین ہو گیا کہ یہود ضرور لڑیں گے تو آپ نے صحابہؓ کو نصیحت کی اور جہاد کی ترغیب دی۔

حملہ آور فوج کا سردار محمود بن مسلمہؓ کو مقرر کیا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے قلعہ نطاۃ پر حملہ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فوج میں شامل تھے۔ پانچ دن تک مسلسل جنگ جاری رہی۔ قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ محمود گرمی سے پناہ لینے کے لیے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں ذرا لیٹ گئے۔ کنانہ بن ابی الحقیق یہودی نے موقع پا کر اوپر سے ایک پتھر مارا جس سے آپ شہید ہو گئے لیکن قلعہ جلد ہی فتح ہو گیا۔ ان کے بعد فوج کی کمان آپ کے بھائی محمد بن مسلم کے سپرد ہوئی۔

درخت کاٹنے کی ممانعت

محمد بن مسلمہؓ نے نہایت شجاعت اور بہادری سے شام تک جنگ کی۔ یہودیوں کو چونکہ نخلستان سے بڑی محبت تھی اور وہ ایک ایک درخت کو ایک ایک بچہ کے برابر سمجھتے تھے اس خیال سے محمد بن مسلمہؓ نے تجویز کی کہ درختوں کو کاٹا جائے لیکن یہ معاملہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، تو آپؐ نے فوراً روک دیا۔

فتح خیبر کے لیے حضرت علیؓ کا انتخاب

اس قلعہ کے بعد کچھ اور قلعے بھی آسانی سے فتح ہوتے گئے۔ البتہ قلعہ قموص جو مرحب کا تخت گاہ تھا زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا۔ اکثر بڑے بڑے صحابہ اس پر زور آزمائی کر چکے، آخر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل جھنڈا اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا جسے اللہ

صحابہؓ کی سرفروش جماعت کے لیے جن کا مقصدِ زندگی خدا کی رضا حاصل کرنے اور اپنی ہر متاعِ عزیز اس کی راہ میں قربان کرنے کے بغیر کوئی نہیں تھا، یہ عجیب امید و انتظار کی رات تھی، تمام رات بیقراری میں گزری۔ کیونکہ امید کے ساتھ ساتھ یہ علم بھی نہ تھا کہ یہ سعادت کس کی قسمت میں آتی ہے۔ حضرت عمرؓ جیسے قناعت پسند بزرگ جنہوں نے کبھی ریاست وسرداری کی آرزو نہیں کی آج وہ بھی اسی انتظار میں محو نظر آتے ہیں۔

صبح ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی کہاں ہیں۔ یہ آواز تمام لوگوں کی توقع کے خلاف تھی۔ کیونکہ آپ آشوبِ چشم کی وجہ سے بیمار تھے۔ اور لڑائی سے معذور تھے حضرت علی حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اپنا لعابِ دہن اُن کی آنکھوں پر لگایا اور دعا فرمائی۔ فوراً آنکھیں کھل گئیں، درد رک گیا بلکہ آنکھوں میں سُرخی تک باقی نہ رہی۔

تبلیغ اسلام کا درجہ

آپ نے عَلَم عنایت فرمایا۔ حضرت علی رضؓ نے عرض کیا، کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنا لوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نرمی سے اُن پر اسلام پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے ایمان لے آئے تو سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

یہود کو اسلام سے دلی عداوت تھی جس پر اُن کے سابقہ حالات شاہد ہیں۔ یہ سلام کو کیسے قبول کر سکتے تھے۔

مرحب رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب — خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔

شاکی السلاح بطل مجرب — دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں

اذا القلوب اقبلت تلھب — جب لوگوں کے ہوش مارے جاتے ہیں تو میں بہادری کے جوہر دکھاتا ہوں۔

قد علمت خیبر انی عامر — خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں۔
شاکی السلاح بطل مغامر — ہتھیار چلانے والا جنگ آور بہادر ہوں۔

مرحب نے تلوار کا وار کیا لیکن عامر نے اُسے ڈھال پر لیا۔ اور مرحب چونکہ زرہ اور خود پہنے ہوئے تھا حضرت عامر نے اُس کے نچلے حصہ پر وار کیا۔ تلوار لمبی نہ تھی خود اپنے ہی گھٹنے پر آ لگی جس سے کاری زخم آگیا۔

پھر حضرت علی مرتضیٰ میدان میں نکلے نعرۂ حیدری سے میدانِ جنگ گونج اُٹھا فرمایا:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ — میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام غضنفر
اکیلکم بالسیف کیل السندرہ — شیر رکھا ہے میں اپنی تلوار کی سخاوت سے تمہیں بڑے بڑے پیمانے عطا کروں گا۔
کلیث غابات شدید قسورہ — میں شیر ببر سخت حملہ آور بزم میدان ہوں۔

مرحب کا قتل

حضرت علیؓ نے تلوار کا ایک وار کیا، کہ مرحب کے آہنی خود کو پگڑی سمیت قطع کرتا ہوا سر کے دو ٹکڑے کر گیا اور گردن تک جا پہنچا۔

مرحب کا بھائی یاسر نکلا جسے زبیر بن العوام نے خاکِ مذلت پر ہمیشہ کی نیند سلادیا۔

فتح خیبر

اس کے بعد حضرت علیؓ نے عام حملہ کر دیا اور قلعہ فتح ہو گیا۔ یہ قلعہ ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا۔ یکے بعد دیگرے باقی قلعے بھی فتح ہو گئے۔

نتائج جنگ

اس معرکہ میں ۹۳ یہودی مارے گئے جن میں مشہور اور قابل ذکر مرحب، یاسر، اسیر، عامر وغیرہ ہیں
صحابہؓ [illegible]

خیبر کی زمین مجاہدین پر تقسیم کر دی گئی۔ پیادہ کے مقابلہ میں سوار کا حصہ دگنا قرار پایا۔
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصہ ملا۔
یہود کی درخواست پر یہ مفتوحہ اراضی نصف بٹائی پر یہود ہی کو دیدی گئی۔

مغلوب اور مفتوح فریق سے برتاؤ اور اس کا اثر

۱۔ فصل کی کٹائی کا جب وقت آتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے۔ آپ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے کہ جو حصہ چاہتے ہو لے لو۔ یہود اس فراخ دلی، رواداری اور انصاف پر حیران ہو کر کہتے کہ: زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہے۔

۲۔ فتح کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن خیبر ہی میں قیام فرمایا۔ یہود کو کامل امن وامان دیا جا چکا تھا اور انہیں ہر قسم کی مراعات سے نوازا گیا لیکن بغاوت و فساد اُن کی سرشت میں بسا ہوا تھا۔ ایک دن سلام بن مشکم کی بیوی زینب نے جو مرحب کی بھاوج تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مع چند صحابہ دعوت کی۔ آپ نے ازراہِ کرم منظور فرمالی۔ زینب نے کھانے میں زہر ملا رکھا تھا آپ نے ایک لقمہ لے کر ہاتھ کھینچ لیا۔ بشر بن برار پیٹ بھر کر کھا چکے تھے تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زینب سے پوچھا تو اُس نے اقبال جرم کیا۔ بلکہ یہود نے کہا کہ ہم نے زہر اس لیے دیا ہے کہ اگر آپ پیغمبر ہیں زہر آپ پر اثر نہ کرے گا اور اگر پیغمبر نہیں تو ہم آپ کے ہاتھ سے نجات پا جائیں گے۔

یہود کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ انفرادی جُرم نہ تھا بلکہ ایک سازش تھی۔ تاہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے زینب یا سازشی گروہ سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔ البتہ بشر کے قتل کے قصاص میں زینب کو قتل کیا گیا۔

۳ - ایک مرتبہ صحابہؓ میں سے عبداللہ بن سہیل اور محیصہ خیبر گئے یہودیوں نے عبداللہ کو دھوکے سے قتل کر کے نہر میں ڈال دیا۔ محیصہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے یہود سے کوئی باز پرس نہ کی۔ اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے ادا کر دیا۔

۴ - حی بن اخطب کی ساری زندگی اسلام دشمنی میں گزری تھی۔ لیکن آج وہ موجود نہیں۔ اور اس کی قوم اپنی ساری قوت ختم کر چکی ہے۔ اس کے وارثوں اور ساتھیوں کو ہر طرح ذلیل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی حضرت صفیہ کو جسے عرب کے عام قانون کے مطابق لونڈی کی حیثیت دی جا سکتی تھی آزاد کر کے حرم محترم بننے کا اعزاز عنایت فرمایا جس سے بڑھ کر شاید کوئی اعزاز نہ ہو۔ آپ ام المومنین کہلائیں۔

صلح حدیبیہ کا تتمہ

صلح حدیبیہ میں قریش کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاہدہ ہوا تھا، اُس کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان آئندہ سال حج کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حسبِ معاہدہ اُس سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو لوگ حدیبیہ کے واقعہ میں شریک تھے، ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے۔ سوائے اُن کے جو اس اثنا میں فوت ہو چکے تھے سب تیار ہو گئے۔

معاہدہ میں یہ بھی طے ہو چکا تھا کہ مسلمان ہتھیار ساتھ نہ لائیں، اس لیے سامانِ جنگ ایک مقام بطنِ یا حج جو مکہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے چھوڑ دیا گیا۔ اور دو سو سواروں کا ایک دستہ سامانِ جنگ کی حفاظت پر متعین کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ مکہ میں داخل ہوئے۔

حدیبیہ کے واقعہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ قریش کو مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ کسی صورت گوارا نہ تھا۔ اب چونکہ اجازت دے چکے تھے۔ تاہم اس منظر کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی موجودگی میں مسلمان مکہ میں داخل ہوں۔ اس لیے قریش تین دن کے لیے شہر کو خالی کر گئے۔ اور کوہِ بوقبیس کی چوٹی پر چڑھ گئے جہاں سے مکہ میں مسلمانوں کی نقل و حرکت تمام نظر آتی تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی جمعیت کے ساتھ حسبِ معاہدہ تین دن مکہ میں رہے اور واپس چلے گئے۔ قریش پر مسلمانوں کی امن پسندی، کعبہ کی نسبت سچی عقیدت اور سادہ طریقِ عبادت کا نہایت گہرا اثر ہوا۔ دشمن کے بالکل خالی شہر میں مخالف

وفاداری اور امن کوشی کی ایک ہی مثال ہے۔

یہ حسنِ عمل اور کردار کی بلندی کا کارنامہ بے اثر اور رائیگان نہ جا سکتا تھا وہ دل جن کو میدان جنگ کے معرکے مرعوب اور مغلوب نہ کر سکے، آج موم ہو رہے تھے۔

خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسے مخالفِ اسلام جرنیل قبولِ اسلام کے لیے بے چین ہو گئے اور بے تابانہ آستانۂ نبوت پر جھک گئے۔

غزوہ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ

جنگ کیوں ہوئی؟

صلح حدیبیہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مراسلات مختلف اُمراء و رؤسائے عرب کی طرف پہنچے۔ اُن میں ایک دعوت نامہ حوزان کے بادشاہ شرجیل بن عمر کے نام بھی تھا۔ جو شام کے سرحدی علاقہ میں قیصر روم کے ماتحت عرب کے ایک عیسائی خاندان پر حکومت کرتا تھا۔ یہ دعوت نامہ حارث بن عمیر لے کر گئے تھے۔ اور شرجیل نے ان کو قتل کر دیا تھا۔

اس حادثہ نے چونکہ سفیروں کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کی بنا پر تقریباً تین ہزار فوج روانہ فرمائی۔ زید بن حارثہ کو جو آں حضرت کے آزاد کردہ غلام تھے، سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ حضرت علی کے برادر بزرگ حضرت جعفر طیار کو سپہ سالار مقرر کیا جائے اور اگر انہیں بھی دولتِ شہادت نصیب ہو تو عبداللہ بن رواحہ کو اُن کا جانشین مقرر کیا جائے۔

اسلامی مساوات کا ایک منظر

خاندانی وجاہت کے لحاظ سے حضرت جعفر، عبداللہ اور خالد بن ولید جیسے لوگوں کی موجودگی میں ایک غلام کو سپہ سالار مقرر کرنا عرب کی روایات میں ایسا انقلابی واقعہ ہے جس کا تصور بھی جاہلی تمدن کے وجود پر لرزہ طاری کر دیتا ہے لیکن اسلام کی اصلاحی تحریک کی نگاہ میں دشمن کی سرکوبی اور استیصال سے بڑھ کر دستوں کی تہذیب اخلاق کی

تکمیل مقدم تھی۔ اسلام کی قائم کی ہوئی اسی مساوات کی یک رنگی اور ہم آہنگی کا نتیجہ تھا کہ تین ہزار جاں نثار ایک لاکھ فوج کا مقابلہ پورے جوش میں کرتے ہیں اور عہدہ برآ ہوتے ہیں ان لوگوں کی بے پناہ حیرت انگیز قوت کا راز محض اس حقیقت میں مضمر تھا کہ ان میں اب نسلی عصبیت ختم ہو چکی تھی اور انفرادی تقاضے یک سر سمٹ کر اجتماعی روح بیدار ہو چکی تھی۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

موتہ ملک شام کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار جاں نثاروں کی فوج کو مدینہ سے باہر ثنیۃ الوداع کی پہاڑیوں تک ساتھ جا کر وداع کیا۔ مسلمانوں کی یہ جنگ گو قصاص جیسے ناگزیر فرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں تھی تاہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو وداع کرتے ہوئے فرمایا کہ "پہلے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر قبول کر لیں تو لڑنے کی ضرورت نہیں۔ پھر حسب ذیل مفصل احکام دیے۔

اوصیکم بتقوی اللّٰہ ولمن	میں وصیت کرتا ہوں تم کو اللہ کے ساتھ
معکم من المسلمین خیراً اغزوا	پرہیزگاری کی اور اپنے ساتھی مسلمانوں کے
بسم اللّٰہ فی سبیل اللّٰہ من کفر	ساتھ نیکی کرنے کی خدا کی راہ میں اللہ کے نام
باللّٰہ لاتغدروا ولاتقتلوا ولیداً	سے اس شخص سے لڑو جس نے اللہ کے ساتھ کفر
ولا امرأۃ ولاکبیراً فانیاً ولا	کیا ہے۔ اور وعدہ خلافی اور تعدی نہ کرو اور
منعزلا بصومعۃ ولاتقربوا	بچے اور عورت اور بوڑھے اور عبادت خانہ
نخلا ولاتقطعوا شجراً ولا	کے گوشہ نشینوں کو نہ مارو اور درخت نہ کاٹو
تھدموا بناءً	اور باغ کے نزدیک نہ جاؤ اور مکان نہ ڈھاؤ۔

پھر فرمایا اس مقام پر پہنچو جہاں حارث بن عمیر نے اپنے فرض کو ادا کرتے ہوئے جان

لیے دعا کی۔ اور فوج روانہ ہوگئی۔

اُدھر شرجیل کے جاسوسوں نے اُسے اطلاع دیدی جس پر شرجیل نے پوری قوت سے مقابلہ کی تیاری کر لی۔ اتفاق سے قیصر روم (ھرقل) بھی ادھر آیا ہوا تھا اور ایک لاکھ کی جمعیت جو عرب کے صحرانشیں عیسائی اور دیگر قبائل پر مشتمل تھی اس کے گرد جمع تھی۔ شرجیل نے اس سے بھی امداد حاصل کر لی۔ غرض ایک لاکھ فوج لے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا۔

صحابہؓ کا شوقِ شہادت

حضرت زیدؓ ان حالات کے پیش نظر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید ہدایات حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا "ہمارا مقصد فتح نہیں دولت شہادت ہے جو ہر صورت میں حاصل ہو سکتی ہے۔

چنانچہ یہ مخلص جمعیت دشمن پر حملہ آور ہوئی۔ حضرت زید کو چھاتی میں برچھی کا زخم آیا، گھوڑے سے گر پڑے، علم اُن کے ہاتھ سے لے کر حضرت جعفرؓ نے سنبھالا۔ حضرت جعفرؓ نے تلوار سے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ اور پھر میدان میں نہایت بے جگری سے لڑے۔ تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم کھا کر جو صرف سامنے کی طرف تھے، شہید ہو گئے۔ اب حضرت عبداللہ نے علم ہاتھ میں لیا لیکن وہ بھی دادِ شجاعت دے کر آخر شہید ہو گئے۔ بالآخر حضرت خالد سپہ سالار مقرر ہوئے۔ نہایت بہادری سے لڑے۔ ڈیڑھ دن کی شدید جنگ کے بعد اپنے سے چالیس گنا زیادہ فوج سے میدان لے لیا۔ یہ جمادی الاولیٰ ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔

نتائجِ جنگ

۱۔ اس جنگ میں ۱۲ مسلمان شہید ہوئے۔

۲۔ تین ہزار کا ایک لاکھ سے مقابلہ ہوتا ہے۔ صرف بارہ مسلمان شہید ہوتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اب زبردست سے زبردست طاقتیں بھی مسلمانوں سے اس قدر خائف تھیں کہ مقابلہ میں صرف اپنا آپ بچا لینا ہی غنیمت تصور کرتی تھیں۔ ورنہ ایک لاکھ فوج کے مقابلہ میں تین ہزار افراد میں صرف ۱۲ آدمیوں کا نقصان بالکل خلافِ توقع واقعہ ہے۔

۳۔ اس جنگ میں سب سے بڑا معرکہ جو سرہوتا ہوا نظر آتا ہے، یہ ہے کہ وہی بڑے بڑے قریشی سردار جو ایک وقت جنگِ بدر میں انصار کے لوگوں سے لڑنا بھی اپنی خاندانی توہین سمجھتے تھے اور نہ لڑے تھے جب تک قریشی اُن کے مقابلہ میں نہ آتے، آج وہی زعمائے عرب ایک آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے زیر کمان عام سپاہیوں کی حیثیت سے لڑ رہے ہیں۔ اس صورتِ حال سے اُس نظریاتی انقلاب کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے جو اسلامی تحریک نے عرب جیسے نسل پرست ملک میں پیدا کر دکھایا۔

اسلام پر غلامی کی رسم کا الزام دینے والے معترض غور کریں۔

یہی وہ حضرت زیدؓ ہیں جن کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد زینب کا نکاح کرایا۔ اکرام آدمیت اور مساواتِ نسل انسانی کے عملی مظاہرے کی تاریخِ عالم میں یہ ایک ہی مثال ہے۔

فتحِ مکّہ

رمضان سنہ ۸ ہجری　　جنوری سنہ ۶۳۰ء

جنگ کیوں ہوئی؟

آپ پڑھ چکے ہیں سنہ ۶ھ میں مقامِ حدیبیہ پر مسلمانوں کا قریش کے ساتھ جو معاہدہ صلح ہوا، اُس کی چوتھی شرط یہ تھی کہ عرب کے قبائل میں سے ہر قبیلہ کو اختیار ہے کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں شریک ہو جائیں۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بن گیا اور خزاعہ کے مخالف قبیلہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ یہ دو قبیلے مدت سے ایک دوسرے کے حریف چلے آتے تھے صرف مسلمانوں کی مخالفت نے ان کو آپس کی دشمنیاں بھلا رکھی تھیں۔ اب جبکہ قریش اور مسلمانوں میں صلح حدیبیہ کے سبب دس سال تک جنگ بند ہو چکی تھی تو اس جنگجو اور فتنہ ساماں قوم کو اپنی قدیم عداوتیں پھر یاد آگئیں۔ بلکہ بنو خزاعہ کا مسلمانوں سے مل جانا حق دشمنی کی بنا پر ان لوگوں کو ایسا ناگوار اور شاق گزرا کہ صلح حدیبیہ میں اپنی ہی پیش کی ہوئی متارکہ جنگ کی شرط کا بھی پاس نہ رکھ سکے اور دفعۃً خزاعہ پر حملہ آور ہوتے۔ اور قریش کے روسا نے بھی ان کو علانیہ امداد دی۔ عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن اُمیہ اور سہیل بن عمرو جیسے لوگوں نے بنو بکر کے ساتھ مل کر شبخون مارا۔

حرمِ کعبہ کی بے حرمتی

چونکہ تمام عرب قبائل کے نزدیک کعبہ کا حرم امن کا مقام تھا۔ اس لیے خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ قبیلہ کے

نے کہا کہ پھر یہ موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ چنانچہ خزاعہ کا عین حرم میں خون بہایا گیا۔ ایسی حالت میں ان لوگوں کو تہ تیغ کیا گیا کہ یہ الٰھکَ الٰھکَ (اپنے خدا کے واسطے۔ اپنے خدا کے واسطے) کہہ کہہ کر رحم کی درخواست کرتے اور ظالم جواب میں کہتے: لا الٰہ الیوم (آج خدا کوئی چیز نہیں۔)

آں حضرتؐ کی خدمت میں استغاثہ

ان آدمیوں میں سے چالیس آدمی بھاگ کر اپنی جان لے نکلے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ یہ لوگ عمرو بن سالم کی قیادت میں پہنچے۔ عمرو نے اس دردناک واقعہ کو چند اشعار میں پیش کیا بعض اشعار حسب ذیل ہیں۔

ان قریشا اخلفوک الموعدا ونقضوا میثاقک المؤکدا

بے شک قریش نے وعدہ خلافی کی۔ اور جو آپ سے پکا وعدہ کر رکھا تھا، توڑ دیا۔

لاھم انی ناشد محمد حلف ابینا وابیہ الاتلدا

کچھ غم نہیں میں محمد (صلعم) کو وعدہ یاد کراؤنگا جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہو چکا ہے

فانصر رسول اللہ نصرا اعتدا وادع عباد اللہ یاتوا مددا

اے خدا کے رسول ہماری مدد کر۔ اور خدا کے بندوں کو بلا سب مدد کو آئیں گے۔

اسلام کی صلح پسندی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے سخت رنج پہنچا۔ اور دستور کے مطابق قریش کے خلاف اب چڑھائی کرنا بالکل درست تھا۔ لیکن پھر بھی آپ نے اپنی صلح جوئی کی بنا پر قریش کی جانب قاصد بھیج کر حسب ذیل تین شرائط میں سے کوئی ایک شرط منظور کرنے کے لیے کہلا بھیجا۔

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خوں بہا ادا کیا جائے۔

۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ چکا ہے۔

اس کے جواب میں قرطہ بن عمر نے قریش کی طرف سے کہہ دیا کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے"۔

قاصد جب واپس چلا گیا تو قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ فوراً ابوسفیان کو بھیجا کہ معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر آئیں۔ ابوسفیان نے جب مدینہ پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے کام لینا چاہا، انہوں نے بھی جرأت نہ کی۔ آخر حضرت فاطمۃ الزہرا کے پاس آیا۔ اور امام حسنؓ (جو اس وقت پانچ برس کی عمر میں تھے) کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ بچہ ہم دونوں فریق میں مصالحت کا اعلان کر دے، تو آج ہی عرب کا سردار تسلیم کر لیا جائے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔ آخر ابوسفیان نے مسجد نبوی میں جا کر خود ہی اعلان کر دیا کہ "میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔"

ابوسفیان نے جب واپس آ کر قریش سے صورتِ حال بیان کی تو سب نے باتفاق کہا کہ "یہ نہ صلح ہے جس پر ہم مطمئن ہو جائیں اور نہ جنگ ہے کہ سامانِ جنگ کی تیاری کی جائے۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاری شروع کر دی۔ قبائل کو اطلاعیں بھیجدی گئیں۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

۱۰ رمضان ۸ھ ہجری کو دس ہزار صحابہؓ کی مسلح فوج کے ہمراہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف بڑھے۔ مکہ کے قریب بمقام مرّ الظہران پہنچکر فوجیں اتریں۔

قریش کے دل میں اپنی بدعہدی کی بنا پر کھٹکا ضرور تھا۔ ابوسفیان بن حزام (حضرت

میلوں میں لشکرِ اسلام پھیلا ہوا ہے اور جا بجا آگ روشن ہے۔ قریش کے یہ جاسوس چھپکے پھر رہے ہیں اور فوج کا جائزہ لے رہے ہیں۔ یہاں تک اسلامی لشکر کے ہاتھ آ گئے۔ ابو سفیان کو سب سے پہلے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت عباسؓ نے اُسے خچر پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور جلدی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف بڑھے تاکہ اس کے متعلق اُن سے درخواست کر سکیں۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کوئی ستایا ہوا مسلمان اسے ضرور قتل کر دے گا۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ تیزی سے جا رہے تھے تاکہ ابو سفیان کے قتل کی اجازت حاصل کریں۔ لیکن حضرت عباسؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے اسے امن دے دیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اسے اپنی قیام گاہ پر لے جاؤ۔ صبح میرے پاس لانا۔" حضرت عباسؓ صبح لے کر حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا:

آزادیِ رائے

"اے ابو سفیان! تمہارے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ سمجھ لو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔" ابو سفیان نے کہا: "خدا کی قسم اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا تو آج میرے کام آتا۔"

آپؐ نے فرمایا: "اے ابو سفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ کا رسول یقین کر لو۔" کہا:

اما ھٰذہٖ فان فی النفس منھا حتی الاٰن شیئًا۔ — البتہ اس معاملہ میں ابھی دل میں شبہ باقی ہے۔

مقصد محض اسلام ہے

ابو سفیان اسلام کا وہ دشمن ہے جس نے کئی بار مسلمانوں پر چڑھائی کی۔ سارے عرب کو اپنا ہمنوا بنا کر خلاف مشتعل کیا بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی ناپاک

سازشوں میں زندگی گزاری، آج تنہا لشکرِ اسلام کی حراست میں ہے۔ اس کا ایک ایک جُرم سزائے موت کے لیے کافی ہے۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے امن دے کر دعوتِ اسلام دیتے ہیں کیونکہ اسلام کے پیشِ نظر قتل وغارت، انتقام و اِحتشام اور جنگ وجدال نہیں بلکہ محض احکامِ الٰہی کی دعوت و تبلیغ اور حق کی اشاعت و حمایت ہی مقصود ہے۔ اور پھر آں حضرت کے وعدۂ امن پر ابوسفیان جیسے دشمن کو اس قدر یقین اور اعتماد ہے کہ اگرچہ دعوت کے ایک یعنی توحید کو اس کے دل نے قبول کر لیا ہے تو اُس کا اقرار اور اظہار کرتا ہے۔ اور اقرار رسالت پہ اگر وہ تاحال مطمئن نہیں۔ تو پوری آزادی سے اپنے شبہ کو برملا پیش کرتا ہے۔

اِس مختصر سے واقعہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اسلام کے جنگی مقاصد رجحانات اور اقدامات کی حقیقت کیا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں فوج کو جنگی قواعد کی ہدایت فرماتے ہوئے حکم دیا کہ جو شخص دروازہ بند کر لے اُسے امن دیا جائے۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمی اور اسیر کو قتل نہ کیا جائے، وہاں ابوسفیان کی عزت افزائی فرماتے ہوئے حکم دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے بھی امن دیا جائے۔

اِن ہدایات کے بعد جن کی رو سے سوائے ان شرپسند لوگوں کے جو بڑی کوشش سے لڑنے کے لیئے نکلیں، جنگ وقتال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آں حضرت مکہ کی طرف بڑھے۔ حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پہ لے جا کر کھڑا کر دو۔ جہاں سے لشکرِ اسلام کا منظر دیکھ سکے۔

اسلام کے پیشِ نظر تخریب نہیں تعمیر ہے

قبائلِ عرب کی مسلح فوجیں اپنے اپنے علمبرداروں کی قیادت میں نعرہائے تکبیر

بلند کرتے ہوئے گزرتی گئیں۔ ابوسفیان دیکھ رہا تھا۔ تاآں کہ انصار کا لشکر اس سروسامان اور جاہ وجلال سے سامنے آیا کہ نگاہیں خیرہ ہوکر رہ گئیں۔ پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت عباس نے کہا انصار ہیں۔ اتنے میں حضرت سعدؓ بن عبادہ علم ہاتھ میں لیے سامنے آئے۔ ابوسفیان پر نگاہ پڑی بے ساختہ زبان سے نکلا:

اليوم يوم الملحمه — آج گھمسان کا دن ہے۔

اليوم تستحل الكعبة — آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

سارے فوج کے سالارِ اعظمؐ کی سواری آ رہی تھی جو دنیا کے فاتحوں کی طرح تخریبی نہیں بلکہ تعمیری پروگرام لے کر آیا تھا۔ ابوسفیان کی نگاہ چہرۂ انور پر پڑی تو کہا "آپ نے سنا سعد نے کیا کہا ہے؟" ارشاد ہوا "اس نے غلط کہا ہے، آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔" اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ سعد بن عبادہ سے علم لے کر ان کے بیٹے کو دیدیا جائے۔

حضرت خالد بن ولید کے دستے کے بغیر لشکرِ اسلام کا کہیں مقابلہ نہیں ہوا۔ اس پر بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کی جواب طلبی فرمائی لیکن جب معلوم ہوا کہ پہل مخالف کی طرف سے ہوئی ہے تو فرمایا "خدا کی یہی مرضی تھی۔"

مکہ میں آں حضرتؐ کا داخلہ

خدا کے برگزیدہ نبی اپنے آزاد کردہ غلام زید کے بیٹے اسامہؓ کو اونٹ پر اپنے ساتھ بٹھائے ہوئے سورۂ فتح کی تلاوت میں مصروف ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۸ ہجری کو مکہ میں داخل ہوئے۔

سواری پر سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا۔

اب حاجبِ کعبہ عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی کنجی لی۔ یہ وہی عثمان بن طلحہ ہے جس سے ابتدائے ایامِ نبوت میں آپؐ نے ایک مرتبہ کعبہ کی کنجی طلب فرمائی تھی اور اُس نے انکار کر دیا تھا۔ جس پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے

چاہوں گا دوں گا۔ عثمان نے جواب میں کہا تھا "کیا اس دن قریش کے تمام لوگ ذلیل و خوار ہو جائیں گے؟" ارشاد ہوا "نہیں بلکہ اور بھی معزز اور با اقبال ہوں گے"۔

کعبہ کی تطہیر

ابراہیم خلیل اللہ کی اس یادگار مسجد میں جو سب سے پہلے روئے زمین پر خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کی گئی تھی، ابراہیم بت شکن ہی کی اولاد نے ۳۶۰ بت سال کے ہر دن میں ایک نئے خدا کی پرستش کے لیے نصب کر رکھے تھے۔ آج وقت آگیا کہ خدا کا آخری نبی توحید کے اس مرکز کو شرک کی تمام آلائشوں سے ہمیشہ کے لیے پاک کر دے۔ آپؐ ایک ایک بت کو چھڑی سے ٹھوکر لگاتے اور زبانِ مبارک سے تلاوت فرماتے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ (بنی اسرائیل)	حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل مٹنے ہی کے لیے ہے۔
جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۔ (سبا)	حق آگیا اب باطل نہ پیدا ہوگا۔ نہ لوٹے گا۔

جب کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے دیواروں پر سے تصویریں بھی مٹا دیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ ایزدی میں سجدۂ شکر بجا لاتے۔ کعبہ کے اندر تکبیریں کہیں اور کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ظاہری آلائشوں سے کعبہ کی تطہیر کے بعد قوم کی باطنی آلائشوں سے پاکیزگی کا اعلانِ عام فرمایا :

خطابِ عام

دعوتِ اسلام کے مرکز میں باطل کی تمام مخالفانہ قوتیں ہر قسم کے زور دکھا دکھا کر ٹوٹ چکی ہیں اور ان کے دوبارہ ابھرنے کا امکان ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ خدائی حکومت کی خلافت کے اعلان کا بہلا دن ہے جس میں صرف عرب نہیں بلکہ ساری دنیا کو

تمام بنی نوع کو خطابِ عام کی ضرورت ہے اور انسانیت کے ان بنیادی حقوق کو قانونی حیثیت دینے کا وقت ہے جس پر نسلِ آدم کے امن و آسائش اور دینی دنیوی فلاح و کامرانی کا انحصار و مدار ہے، اس لیے امنِ عالم کا علمبردار اور انسانیت کا سچا محافظ و مربی تمام دنیا کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

لا اله الا الله وحده لا شريك له - صدق وعده و نصر عبده وهزم الاحزاب وحده -

ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں نہ اُس کا کوئی شریک ہے۔ اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو تنہا شکست دے دی۔

الا كل مأثرة او دم او مال يدعى به فهو تحت قدمى هاتين الا سدانة البيت و سقاية الحاج

ہاں تمام مفاخر، پرانے انتقام اور خون بہا سب کے سب میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ مگر خانہ کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کی آب رسانی۔

پھر فرمایا:-

يا معشر قريش ان الله قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب

اے قریش خدا نے جاہلیت کا غرور اور نسل کا گھمنڈ مٹا دیا ہے تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

پھر قرآنِ مجید کی یہ آیت پڑھی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان اس لیے بنائے کہ ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ (حجرات)

لیکن اللہ کے نزدیک معزز وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے خدا بڑا جاننے والا اور باخبر ہے

خطاب کی توضیح

جان، مال اور عزت یہ تینوں چیزیں ہمیشہ سے آدم کے بیٹوں میں مایہ النزاع رہی ہیں۔ ہر جھگڑے کی اصل بنیاد اگر تلاش کرو گے تو ان کے علاوہ کوئی چیز نظر نہ آئے گی اس لیے اسلامی حکومت کے ابتدائی منشور میں ان ہی بنیادوں کو مدِ نظر رکھا گیا تاکہ اسلام دنیا کو جو سلامتی کا پیغام دے رہا ہے اُسے قانوناً اور عملاً راسخ کر دے۔

۱۔ عرب کی جنگ جو قوم ایک قتل کے دعوے سے صدیوں تک دست بردار نہ ہوتی خواہ اس کا بدلہ قاتل کی نسل کے کسی فرد، بلکہ ساری قوم کے نسل در نسل کسی شخص سے لے خطبہ کے پہلے فقرے میں اسلام کی فتح کو اصولی طور پر صرف ایک خدا کی نصرت اور اعانت کا نتیجہ قرار دیا تاکہ اس واقعہ کی بنا پر نسلی اور قبائلی انتقام کی طرف ذہن منتقل نہ ہوں۔

غرورِ نسل بے حقیقت ہے

۲۔ پھر اس قسم کے تمام متعصبانہ رجحانات کو جو عرب کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے پامال کر دینے کا اعلان فرمایا۔ اس قسم کے تمام فخر و غرور کا سرمایہ صرف خاندانی عظمت کا گھمنڈ ہی ہو سکتا ہے جس کے موہوم تصور کو اس ناقابلِ انکار حقیقت کی روشنی میں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا کہ تمام بنی نوع ایک باپ (آدمؑ) کی اولاد ہیں۔ ایک کو دوسرے پر کوئی نسلی امتیاز عقلاً حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے یہ غرور اور گھمنڈ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور اگر اس نخوت و غرور کی کوئی حیثیت نہیں، تو اس بنا پر ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا محض نادانی ہے۔

عزت کا عقلی معیار

۳۔ آخر میں عزت و اعتبار اور کرامت و اقتدار کا ذریعہ صرف تقویٰ اور بلندی اخلاق

کو قرار دے کر حکومتِ الٰہیہ کے منشور کی آخری دفعہ بیان فرمائی تاکہ خدا کی زمین پر ایک ہی قسم کی حکومت قائم ہو جس کا ایک ہی قانون ہو۔ اور وہ خالق ارض و سما کا تجویز کیا ہوا ہو۔ نہ اس میں کسی کو رد و بدل کا حق ہو نہ محو و اثبات کا اختیار، نہ کسی خاندان اور کسی شخصیت کے لیے اس میں تحفظات کی گنجائش ہو اور نہ کوئی قوم اس کی اجارہ دار ہو۔ فرزندانِ آدم میں سے ہر فرد کے لیے اس مقام تک پہنچنے کے دروازے ہر وقت کھلے ہوں اور اُن تک پہنچنے کے لیے دوسرے بنی نوع کو پامال کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ بلکہ قانونِ خداوندی کے احترام اور زیادہ سے زیادہ پابندی اختیار کر کے بنی نوع کی خدمت اور بہی خواہی کا ثبوت مہیا کرنا ناگزیر ہو۔ کسی قوم، کسی طبقہ اور کسی فرد کے لیے اس قانون کے رد و بدل کوئی اختیاری حیثیت اور کوئی تحفظ نہ ہو۔ غرض سب کے لیے ہو اور کسی کے لیے بھی نہ ہو۔

مفتوح قوم سے سلوک

معافی کا اعلان عام

دنیا کی قسمتوں کو تبدیل کر دینے والے اس اعلانِ عام کے بعد جب آپؐ کی نگاہ مجمع پر پڑی۔ تو وہ تمام لوگ سامنے موجود تھے جو محض دعوتِ حق اور خیر خواہی کے جواب میں ہر ممکن ذریعہ سے آج تک برابر درپے آزار رہے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھانے والے، بے کس مسلمانوں کے ایماندار سینوں پر آگ کے داغ دینے والے، نبی کے مقدس وجود کو اینٹ پتھر بلکہ نیزہ اور تلوار سے لہولہان کرنے والے، اشعار میں بر سر اجلاس ہجویں کہنے والے بلکہ برملا گالی دینے والے اور پھر ملک بدر کر کے بھی آرام نہ لینے والے۔ اور سارے عرب کو مشتعل کر کے لگاتار حملے کرنے والے ایسے بدترین مجرموں کا مغلوب مفتوح گروہ ایک با اختیار فاتح کے سامنے موجود ہے۔

یا معشر قریش ما تظنون انی فاعل بکم ؟ — قریش! جانتے ہیں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں ؟

لیکن یہ فاتح ملک گیر اور مال و دولت یا اقتدار کا بھوکا فاتح نہیں۔ بلکہ دل کی مملکتوں کو فتح کرنے والا اور مفتوح و مغلوب کو پامال اور رسوا کرنے کے بجائے عزت و اکرام بخشنے والا فاتح ہے۔ اور یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ ایسے خوفناک ماحول میں بھی دشمن کو اس حقیقت کا اعتراف اور اس پر پورا اعتماد اور یقین ہے۔ سب یک زبان ہو کر بول اُٹھے:

خیراً۔ اخ کریم و ابن اخ کریم۔ — ہمیں بھلے کی اُمید ہے۔ تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے۔

آپؐ نے جواب میں فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء۔ — تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

بے نفسی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے عرض کی بیت اللہ کی کنجی بنی ہاشم کو عطا فرمائی جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

الیوم یوم الوفاءِ۔ — آج کا دن تو احسان اور وفا کا دن ہے۔

عثمان بن طلحہ کو بلایا اور کنجی اُن کے سپرد کی اور فرمایا جو کوئی تم سے کنجی لینے کی کوشش کرے گا وہ ظالم ہے۔ یہ کنجی آج تک اُنہیں کی نسل کے قبضہ میں چلی آتی ہے۔

نتائج جنگ

اس معرکہ میں نقصان صرف اس قدر ہوا کہ کرز بن جابر فہری اور حبیش بن الشعر

صرف دو صحابیوں نے شہادت پائی جو خالد بن ولید کے زیرِ قیادت دستے میں تھے
اور قریش کے ۲۸ آدمی مارے گئے۔

۲۔ جس طرح مسلمانوں پر چھوٹی بڑی جنگ فتنہ و فساد کے استیصال، بُرائی کے خاتمہ اور نیکی و سعادت کی اشاعت و توسیع کا سبب بنتی رہی ہے۔ چونکہ یہ معرکہ فتنہ ساماں لوگوں کی شکست کا آخری میدان تھا۔ اِس لیے اسی مناسبت سے فتح مکہ تمام معرکوں سے بڑھ کر خیر و عافیت اور برکت کا باعث ہوئی۔

عفو و درگزر، بلند اخلاقی اور بے غرضی اور بے نفسی کے اظہار کا صحیح موقع یہ ہوتا ہے کہ انتقام پر مکمل اختیار رکھتے ہوئے دشمن کو معاف کر کے حسن سلوک کا ثبوت مہیا کیا جائے۔ اس لحاظ سے یہ معرکہ دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔

ابو جہل کا بیٹا عکرمہ جو سابقہ تمام لڑائیوں کا محرک اور بانی ہونے کے علاوہ اس مرتبہ بنو خزاعہ کی تباہی کا بھی وہی سبب تھا۔ ہبار بن الاسود جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ زینبؓ کو جب کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جا رہی تھیں نیزہ مار کر کجاوہ سے گرایا۔ اس حادثہ سے اُن کا حمل ساقط ہو گیا اور آخر اسی صدمہ سے اُن کی موت واقع ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سرح جو کہا کرتا تھا کہ محمد مجھ سے سُن کر وحی بیان کرتے ہیں۔ ہندہ ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہ عم نبیؐ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ اور خود وحشی جس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا اور نعش کو مثلہ کر کے بے حرمت کیا، ایسے مجرموں کو معاف کرنا صرف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے اور پھر اس عالی حوصلگی کا نتیجہ بھی اس کے سوا تے اَور کیا ہو سکتا ہے کہ دنیا آپ کے اخلاص اور بے نفسی پر دل سے یقین کرے اور آپ کی دعوت پر ایمان لانے میں کسی منکر سے منکر کو بھی تامل نہ ہو۔

لوگوں نے جوق در جوق اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ آپؐ کوہِ صفا پر تشریف فرما

حسب ذیل شرائط کا اقرار لیتے جاتے تھے۔

(۱) خدا کے ساتھ کسی کو اس کی ذات، صفات اور حق عبادت و استعانت میں شریک نہ کروں گا۔

(۲) چوری نہ کروں گا۔ زنا نہ کروں گا۔ خونِ ناحق نہ کروں گا۔ لڑکیوں کو نہ ماروں گا کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حتی الامکان اطاعت کروں گا۔

(۴) عورتوں سے کچھ مزید شرائط کا عہد لیا جاتا۔ وہ یہ تھے کہ ماتم میں مُنہ نہ نوچیں گی چہرہ نہ پیٹیں گی، سر کے بال نہ کھولیں گی۔ گریبان چاک نہ کریں گی سیاہ کپڑے نہ پہنیں گی۔ اور قبر پر نہ بیٹھیں گی۔

اس فتح کے مالِ غنیمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ صحابہؓ جو لُٹ پٹ کر مکہ سے ہجرت کر گئے تھے، انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہماری جائدادیں واپس دلائی جائیں۔ آپؐ نے ان کی درخواست مسترد فرما دی۔ گویا جن چیزوں کو وہ ایک مرتبہ خدا کے لیے چھوڑ چکے ہیں اب دوبارہ ان کا خیال نہ کرنا چاہیے۔

قبولِ اسلام کے دیگر اسباب

مذکورہ کوائف کے علاوہ عام قبائلِ عرب کے قبولِ اسلام کے اور بھی اسباب ہیں وہ یہ ہیں کہ اب وہ مختلف رکاوٹیں بڑی حد تک دور ہو گئیں جو اہلِ عرب کو اسلام کی دعوت کے قبول کرنے میں مانع تھیں۔

۱۔ اکثر قبائل قریش کے حلیف اور معاہد تھے، اور وہ اسلام قبول کرنا عہد شکنی کے برابر خیال کرتے تھے۔

۲۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ جو قریش کے مقابلہ میں کمزور تھے لیکن قریش سے ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ اس بنا پر وہ تعلقات کے کٹ جانے اور قریش کی دشمنی کا نشانہ بننے سے ڈرتے تھے۔

اور سچا رسول سمجھتے تھے۔ بلکہ مختلف قبائل میں کئی بوڑھے اب تک موجود تھے جو آج سے ساٹھ سال پہلے کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے جس میں ابرہہ حبشی کی چالیس ہزار فوج مکہ پر حملہ آور ہوئی اور ہاتھیوں سمیت تباہ ہو گئی۔

ان معتقدات کی بنا پر یہ لوگ منتظر تھے کہ اگر آں حضرتؐ نے مکہ کو فتح کر لیا اور اپنی قوم پر غالب آ گئے، تو یہ اسلام کی صداقت کا یقینی نشان ہو گا۔ کیونکہ مکہ کا فتح ہونا ان کے خیال میں تائید ایزدی کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے۔

یقولون اترکوہ و قومہٗ	یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اسے اپنی قوم سے
فانّہٗ ان ظہر فہو نبی صادقٌ	نپٹ لینے دو۔ اگر اس پر غالب آ گیا تو
(عن عمرو بن سلمہ ؓ)	سچا نبی ہے۔

اب مکہ کی اس شاندار فتح سے یہ تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں اور ان کے خیال کے مطابق بھی مسلمانوں کا راہِ حق پر ہونا ثابت ہو گیا۔

۴۔ سب سے بڑھ کر جس چیز نے اسلام کے لیے راہ ہموار کی وہ تبلیغ کی آزادی تھی۔ اب مبلغین ہر وقت اور ہر مقام پر بلا مزاحمت اسلام کی تبلیغ کر سکتے تھے اور اسلام اپنی اصولی خوبیوں کی وجہ سے خود بخود اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کرتا چلا جاتا تھا۔

۵۔ مفتوح قوم کو فاتح سے قدرتی طور پر نفرت ہوتی ہے اور وہ فاتح حکمران کی اطاعت میں طبعی طور پر عار اور ننگ محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اسلام کا فاتح یا امیر چونکہ رعایا سے اپنی بندگی اور غلامی کا مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ محض خدا کے احکام کی پیروی کا طالب ہے۔ اور پھر اس پیروی میں فاتح اور مفتوح کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا بلکہ خود راعی اور رعایا میں بھی سرمو فرق نظر نہیں آتا۔ اس لیے مسلمانوں کی مفتوح قوموں کو اپنے فاتح سے نفرت کی جگہ دلی ارادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلامی نظام حکومت کو دنیا کی قوم سے نفرت یا عداوت نہیں۔ اسے بدی سے

جنگِ حنین

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے جو پورب کی جانب مکہ کے قریب ہی واقع ہے۔ یہ جنگ اِسی مقام پر ہوئی ہے۔

جنگ کیوں ہوئی

فتح مکہ نے کئی وجوہ سے قبائلِ عرب کو گو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ اور اکثر لوگ بطوع و رغبت دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور ہو رہے تھے، لیکن قبیلہ ہوازن اور ثقیف جو طائف میں آباد تھے اپنی بہادری اور جنگی قابلیت کے گھمنڈ کی بنا پر اسلام دشمنی میں اور بھی بڑھ گئے۔ وہ ایک سال سے مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں پہلے ہی مصروف تھے اور اس سلسلہ میں سارے عرب کا دورہ کر چکے تھے۔ اسی اثنا میں مکہ کی فتح نے اُنہیں بالکل مشتعل کر دیا۔ اب اُنہیں یقین ہو گیا کہ اگر جلدی تدارک نہ کیا گیا۔ تو یہ مصیبت لا دوا ہو جائے گی۔

اِس کے علاوہ اُنہیں یہ خیال بھی تھا کہ اب مسلمانوں کی شکست اہلِ مکہ کی شکست ہے اس لیئے کامیابی کی صورت میں مکہ والوں کے وہ تمام باغات اور جاگیریں جو طائف میں ہیں ہماری ہو جائیں گی اور مسلمانوں کو بت شکنی کی سزا دے کر دل ٹھنڈا بھی کر لیا جائیگا

یہ اسباب تھے جن کی بنا پر ہوازن اور ثقیف جنگ پر آمادہ ہوئے۔ مُضر اور بنی ہلال کے دونوں قبیلوں کو بھی شامل کر لیا اور چار ہزار جنگی بہادر مالک بن عوف قبیلہ ہوازن کے سردار اور درید بن الصمہ قبیلہ جشم کے رئیس کی قیادت میں مکہ کی طرف بڑھے اور وادیٔ حنین میں اُترے مالک بن عوف نے فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر آدمی اپنے بیوی بچے اور مال مواشی

اپنے ساتھ لے۔ اس تدبیر کا اس نے یہ فائدہ بتایا۔ کہ بیوی بچوں کی غیرت اور مال مواشی کی حمیت کے سبب سخت سے سخت حالات میں بھی کوئی شخص میدانِ جنگ سے نہ بھاگے گا۔

یہ خبر سُن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق حال کے لیے عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا۔ جو چند دن جاسوسی کی صورت میں فوج میں رہ کر تمام حالات کی تحقیق اور تصدیق کر لائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً مقابلہ کی تیاری کی اور چونکہ حرم کعبہ میں جنگ مناسب نہ تھی مکہ سے آگے بڑھے۔

یہ شوال ۸ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دس ہزار فوج پہلے ہی موجود تھی۔ اس کے ساتھ دو ہزار مکہ کے لوگ شامل ہو گئے جن میں کچھ نومسلم تھے اور باقی بت پرست جو اب مسلمانوں کے معاہد تھے۔

مسلمانوں کو اپنی کثرت تعداد اور سرو سامان پر ناز پیدا ہوا بلکہ بعض کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "آج ہم پہ کون غالب آسکتا ہے؟" ظاہر ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں جہاں قلت و کثرت اور سامانِ دنیا کا کوئی وزن نہیں، یہ الفاظ صحابہ جیسی مقدس جماعت کی زبان سے کیونکر مناسب ہو سکتے تھے۔؟

دشمن چونکہ پہلے میدانِ جنگ کا انتخاب کر چکا تھا اس لیے پہاڑ کی گھاٹیوں، دروں اور مناسب مقام پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر رکھے تھے۔

غرور کی سزا

اسلامی فوج کے ہراول دستے میں زیادہ تر مکہ کے نومسلم نوجوان تھے۔ جنہوں نے لڑائی کے جوش میں مکمل ہتھیاروں کی بھی ضرورت نہ سمجھی تھی۔ جب صبح منہ اندھیرے

فوج بے خبری میں آگے بڑھی تو دشمن نے ہر طرف سے بے پناہ تیر برسانے شروع کر دیئے کمیں گاہوں سے ہزاروں کی تعداد میں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔

جب پہلا ہی لشکر سراسیمہ ہو کر بدحواسی میں پیچھے ہٹا۔ تو باقی تمام فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

حق کی قوت

اسلام کا دعویٰ ہے کہ قوت کا مدار قلت اور کثرت پر نہیں، اعتقاد پر ہے۔ بارہ ہزار فوج جسے دشمن کے مقابلہ میں اپنی کثرت پر ناز تھا، بے طرح منتشر ہو چکی ہے۔ تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ ہر طرف سے دشمن گھیرا ڈالے بڑھ رہا ہے۔ لیکن یک مقدس وجود ہے جو پہاڑ کی طرح پورے اطمینان قلب اور وقار و پامردی سے میدان میں کھڑا اپنی صداقت و حقانیت کا اعلان کر رہا ہے۔

انا النبی لا کذب — میں نبی ہوں، اس میں کوئی شبہ نہیں۔

انا ابن عبد المطلب — میں عبد المطلب کا فرزند ہوں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضؓ نہایت بلند آواز تھے۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو بلاؤ۔ انہوں نے یا معشر الانصار (اے گروہ انصار) یا اصحاب الشجرۃ (اے اصحاب شجرہ یعنی بیعت الرضوان والو!) کہہ کر پکارا۔ تمام فوج دفعۃً پلٹ آئی۔ جن کے گھوڑے بھیڑ کی وجہ سے مڑ نہ سکے، وہ گھوڑوں سے کود پڑے۔ فوراً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے۔ باقی سب بھاگ گئے یا قید ہو گئے۔

ہزیمت خوردہ فوج کے ایک حصہ کو برید بن الصمۃ اوطاس میں لے گیا۔ اور باقی فوج نے مالک بن عوف کے ہمراہ طائف کے قلعہ میں پناہ جالی۔

اشعری کو کچھ فوج دے کر بھیجا۔ ابو عامر درید کے بیٹے کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ لیکن ابو موسیٰ اشعری نے بڑھ کر قتل کر دیا اور علم خود سنبھال لیا۔ مسلمانوں نے دشمن کے زر و مال اور اہل و عیال پر قبضہ کر لیا۔

میدانِ جنگ میں دشمن کی صاف شکست و ہزیمت کے بعد آپؐ نے قلعہ کے محاصرہ کو غیر ضروری سمجھا اور محاصرہ اُٹھا دینے کا حکم دیا۔ صحابہؓ نے طائف والوں کے خلاف بد دعا کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا:

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم۔ — الٰہی ثقیف کو ہدایت دے کہ میرے پاس آ جائیں۔

نتائجِ جنگ

١۔ دشمن کے ٧١ آدمی مرے اور مسلمان ٦ غزوۂ حنین میں اور ١٣ محاصرۂ طائف میں شہید ہوئے۔

٢۔ اوطاس میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوا وہ چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی (تین من ساڑھے سترہ سیر) کے علاوہ چھ ہزار عورتیں اور بچے تھے۔

مالِ غنیمت مقام جعرانہ میں رکھا گیا تھا۔ آپؐ محاصرۂ طائف چھوڑ کر جعرانہ میں تشریف لائے اور کئی دن ٹھہر کر اسیرانِ جنگ کے وارثوں کی انتظار کی۔ آخر قبیلہ ہوازن کی ایک سفارت چھ سرداروں پر مشتمل آئی۔ یہ وہ قبیلہ ہے کہ آپؐ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ اسی قبیلہ سے تھیں۔ قبیلہ کے رئیس اسیر بن صرد نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا۔

ہیں، ان میں تیری پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا، اور ایسے واقعات پیش آجاتے تو اس سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں، اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا "تمہیں مال وزر سے محبت ہے یا اپنے بیوی بچوں سے؟"

ان لوگوں نے جواب دیا "تم نے ہمیں مال اور اولاد میں اختیار دیا ہے، سو ہمیں ہمارے بیوی بچے واپس کر دیے جائیں۔ کیونکہ ان سے مال کی نسبت زیادہ محبت ہے۔" آپؐ نے فرمایا "میرا اور خاندانِ عبدالمطلب کا جس قدر حصّہ ہے وہ تمہارا ہے۔ اور جب ہم ظہر کی نماز پڑھ چکیں تو تم تمام مسلمانوں کے سامنے کہنا کہ ہم اپنے بیوی بچوں کے لیے رسول اللہؐ کی سفارش مسلمانوں کے پاس اور مسلمانوں کی سفارش رسول اللہؐ کے پاس پیش کرتے ہیں۔ میں تمہیں اپنا حصہ دے دوں گا اور مسلمانوں سے بھی کہوں گا۔"

مفتوح قوم سے سلوک

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ آپؐ نے اپنا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ انہیں دے دیا۔ مہاجرین اور انصار نے کہا "ہمارا حصہ رسول اللہؐ کے سپرد ہے۔"

اب صرف بنی سلیم اور بنی فزارہ باقی رہ گئے۔ ان کے نزدیک یہ بات بالکل عجیب اور ملکی رواج کے خلاف تھی کہ مغلوب اور مفتوح دشمن پر اس قدر لطف وکرم کیا جائے اس لیے وہ اپنے حصہ کے قیدیوں کو رہا کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک قیدی کے عوض چھ اونٹ دے کر انہیں بھی رضامند کر لیا۔ اب تمام چھ ہزار کے چھ ہزار اسیرانِ جنگ رہا تھے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو لباس پہنا کر رخصت کیا۔

پھر اس کے بعد مالک بن عوف وفد لے کر آیا۔ آپؐ نے اسے بھی اس کا مال اور اہل واپس لوٹا دیا۔

نیک سلوک کا اثر

اس سلوک کا اثر مفتوح فریق پر یہ ہوا کہ وہی طائف کے لوگ جنہوں نے تبلیغ حق کے جواب میں ہجرت سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار مار کر لہولہان کیا اور انتہائی استہزاء اور تمسخر کر کے ناکام واپس کیا تھا۔ آج اپنی انتہائی معاندانہ کوششوں اور قتل وقتال کے بعد جب آں حضرت کی جانب سے کسی ذاتی رنجش اور انتقام کا شائبہ تک نہیں دیکھتے بلکہ الٹا لطف و کرم مشاہدہ کرتے ہیں، تو سب کے سب دلی ارادت مندی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں اور آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اللّٰھم اھد ثقیفا وأت بھم

اسلام چونکہ تمام تر خوبیوں کا مجموعہ ہے اور مسلمانوں کے پیش نظر صرف اسلام کی نشر واشاعت ہی اصل مقصد ہے۔ اس لیے اس سے بڑھ کر کامیابی اور دشمن پر خوشگوار اثر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ برضا و رغبت اسلام قبول کر لے۔

مسلمانوں کے لیے مقام عبرت

۳۔ یہ ان حالات کا جائزہ تھا جن کا اثر مخالف فریق پر پڑا۔ البتہ اس معرکہ میں ایک سبق مسلمانوں کو بھی حاصل ہوا جس کا ذکر قرآن کریم نے خاص طور پر کیا ہے تاکہ مسلمان آئندہ ایسی غلطی نہ کریں۔

مسلمانوں نے ہمیشہ ہر موقع پر قلت تعداد اور بے سروسامانی کی حالت میں محض قوت ایمانی اور تائید ایزدی کی بنا پر کامیابی حاصل کی ہے۔ اس معرکہ میں فوج کی کثرت نے انہیں مغرور کر دیا جس کے نتیجہ میں میدان جنگ میں قدم رکھتے ہی شکست ہوئی۔ فرمایا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ	بہت سے میدانوں میں اللہ تمہاری مدد کر
كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ	چکا ہے اور حنین کے دن بھی جب تم اپنی بھاری تعداد پر
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ	اترا گئے۔ پھر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (توبہ - ۳)

ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ دے کر ہٹ گئے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنوں پر تسکین نازل کی اور فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا۔ اور یہی سزا ہے منکروں کی۔

مالِ غنیمت اور حُبِّ رسول کا مقابلہ

۴۔ مالِ غنیمت میں چھ ہزار اسیرانِ جنگ کے علاوہ جنہیں آزاد کر دیا گیا۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ (تین من ساڑھے سترہ سیر) چاندی تھی اس مال کے حسبِ دستور پانچ حصّے کیے گئے۔ ایک حصّہ بیت المال میں داخل کر کے باقی چار حصّے فوج پر تقسیم ہوئے۔

ہر پیادہ فوجی کو فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں۔ اسوار کا چونکہ تگنا حصّہ ہوتا ہے، اس لیے ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ۱۲۰ بکریاں دی گئیں۔

اس موقعہ پر فوج میں مکہ کے اکثر نو مسلم شامل تھے جن میں کئی "اعاا" مذبذب بھی تھے، ایسے لوگوں کو مؤلفۃ القلوب کہتے ہیں، قرآن نے ایسے لوگوں کی دلجوئی کی ہدایت اور مالِ غنیمت و زکوٰۃ وغیرہ سے ان کی امداد و اعانت کا حکم دیا ہے۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے انہیں نسبتاً زیادہ حصّہ دیا۔ چنانچہ ابوسفیا(ن) کو م(ع) (ان) کی اولاد سمیت ۳۰۰ اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی۔ حکیم بن حزام نضر بن حارث۔ کلدہ ثقفی۔ صفوان بن امیہ۔ قیس بن عدی۔ سہیل بن عمرو۔ حویطب بن عبد العزیٰ۔ اقرع بن حابس۔ عیینہ بن حصین۔ مالک بن عوف کو سو سو اونٹ دیے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے انعامات تقسیم کیے اور ہمیں محروم رکھا. حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں. مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اَوروں کو ملتی ہے:۔

اِن سرگوشیوں کی اطلاع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کیا اور دریافت فرمایا۔ انصار چونکہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ صاف عرض کی کہ ہم میں سے قابلِ ذکر آدمیوں نے کوئی لفظ نہیں کہا۔ البتہ بعض نوجوانوں نے ضرور ایسا کہا ہے۔ آپؐ نے تمام کو مخاطب کر کے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں فرمایا:

یا معشر الانصار الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وکنتم عالۃ فاغناکم اللہ بی۔	اے گروہِ انصار کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا. پس خدا نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی اور تم آپس میں متفرق تھے خدا نے میرے ذریعہ تم کو متفق کر دیا اور تم مفلس تھے خدا نے تمہیں میرے وجہ سے دولتمند کر دیا۔

انصار جواب میں ہر بات پر کہتے جاتے تھے خدا اور اس کا رسول بہت امین ہے۔ آپؐ نے فرمایا، تم ایسا کیوں نہیں کہتے: اے محمدؐ! تم ایسی حالت میں آئے کہ لوگ تجھے جھٹلاتے تھے ہم نے تیری تصدیق کی. تمہارا کوئی مددگار نہ تھا، ہم نے تمہاری مدد کی۔ تم گھر سے نکالے ہوئے تھے، ہم نے گھر دیا، غمخواری کی۔ اس کے بعد اصل اعتراض کا جواب دیا۔ فرمایا:

الا ترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر وتذھبون بالنبی الی رحالکم فواللہ بما	کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم خود پیغمبر کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ. خدا کی قسم جو تم لے کر جاتے ہو وہ اس سے بہتر

تمام انصار بے اختیار چیخ اُٹھے اور یک زباں ہو کر پکارا: "رضینا" (ہم راضی ہیں یارسول اللہ!) - اکثر کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں - آپؐ نے سمجھایا کہ جو لوگ ابھی ابھی اسلام لائے ہیں - اُن کے تالیفِ قلوب کی ضرورت ہے اس لیے ایسے لوگوں کو زیادہ حصہ دیا گیا ہے۔

اس واقعہ سے جہاد کے مقصد کی وضاحت کے علاوہ یہ اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عرب جن کا ذریعہ معاش ہی غنیمت تھا اور لڑائی میں ہمیشہ صرف یہی مقصد پیش نظر رہتا تھا، آج اس بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ مال و دولت کے مقابلہ میں پیغمبرؐ کی صحبت اور ہمنشینی اور اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم و تربیت کو کس والہانہ جذبہ سے ترجیح دیتے ہیں۔

۵ - صحابہؓ کی اس درخواست کے جواب میں جو اُنہوں نے طائف والوں پر بددعا کے لیے کی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُلٹا یہ فرمایا: اللّٰھم اھد ثقیفاً وأتِ بھم - حضور اکرمؐ کے الفاظ اس جنگ کے تمام نتائج کا خلاصہ ہے اور لب لباب ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصل غرض و غایت محض ہدایتِ حق ہے نہ ذاتی رنج ہے نہ خواہشِ انتقام - نہ فتح و تسخیر مطلوب ہے نہ مال و دولت کا حاصل کرنا - کوئی اس حقیقت کو شروع ہی سے پالیتا ہے، کوئی عملی صورت دیکھ کر - کوئی ذاتی تجربے کے بعد اور کئی ایسے بدنصیب بھی ہیں جو اس سب کچھ کے بعد بھی نہیں سمجھتے۔

غزوۂ تبوک

رجب سنہ ۹ ہجری مطابق اکتوبر و نومبر سنہ ۶۲۵ء

تبوک مدینہ اور دمشق کے درمیان مدینہ سے چودہ منزل پر ایک مقام ہے۔

جنگ کیوں ہوئی؟

موتہ کی جنگ کے بعد جو سنہ ۸ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفیر حارث بن عمر ازدی کے قتل کی بنا پر عرب کے عیسائی قبیلہ غسان سے ہوئی جس میں ہرقل شاہ روم کی فوج بھی شامل تھی۔ اس قبیلہ نے اسی دن سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور مدینہ میں آئے دن ان کے حملہ کی افواہیں پہنچتی رہتی تھیں۔

آخر شام کے نبطی سوداگروں کا ایک قافلہ جو روغن زیتون لایا کرتے تھے، مدینہ میں آیا اور اطلاع دی کہ رومیوں نے شام میں ایک بھاری فوج جمع کی ہے جس میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب قبائل شریک ہیں۔ فوج میں سال بھر کی تنخواہیں پہلے تقسیم کر دی گئی ہیں۔ اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقا تک پہنچ گیا ہے۔

سابق افواہوں کے بعد اس اطلاع نے مسلمانوں کو بالکل یقین دلا دیا۔ اور اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا حکم دے دیا۔

جنگ کس طرح ہوئی؟

کچھ عرصہ پہلے سے ملک میں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ شدید گرمی کا موسم اور کھجوروں کے پکنے کا وقت تھا۔ دور دراز سفر اور پھر عیسائی قوم سے مقابلہ جس کی سلطنت نصف دنیا

پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کا نام تاریخوں میں جیش العسرۃ لکھا جاتا ہے

مومن اور منافق

دوست اور دشمن، مخلص اور منافق کی شناخت ایسے موقعوں پر ہو سکتی ہے منافقین خود ہی جی نہ چراتے تھے۔ بلکہ دوسروں کو شرکت جہاد سے روکتے تھے۔ قرآن پاک نے ان کی ناپاک سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ	خوش ہوئے پیچھے رہ گئے رسول اللہ سے
خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ	جدا ہوکر اپنے بیٹھ رہنے پر اور ناپسند کیا
يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	انہوں نے یہ کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا	جانوں سے خدا کی راہ میں اور کہنے لگے مت
فِي الْحَرِّ ۔ (توبہ - ۱۱)	کوچ کرو گرمی میں۔

اس کے مقابلہ میں مخلص مومنوں کی حالت یہ ہے کہ اس معرکہ کی اہمیت کے پیش نظر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام چندہ کی فہمائش فرمائی تو:

حضرت عثمانؓ نے ۹۰۰ اونٹ ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد پیش کیا اس پر بارگاہِ نبوت سے مُجَهِّزُ جيش العُسْرَة (فاقہ زدہ لشکروں کا سامان کرنے والا) کا خطاب ملا۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چالیس ہزار درہم۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے تمام اثاث البیت نقد اور جنس کا نصف حصہ جو کئی ہزار روپیہ کا تھا، پیش کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جو کچھ لائے، گو وہ قیمت میں کم تھا لیکن ان سے دریافت کیا گیا کہ هل بقيت لاهلك (کیا بال بچوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو؟) تو عرض کیا۔

بقيت الله ورسوله (اللہ اور اس کے رسول کی محبت چھوڑ آیا ہوں)۔

یہ اُن لوگوں کا حال تھا جو مالدار تھے۔ ایک صحابی ابوعقیل انصاری نے دو سیر چھوہارے لاکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کی کہ رات پانی نکال نکال کر ایک کھیت سیراب کر کے چار سیر چھوہارے وصول کیے تھے۔ دو سیر بھو کے بیوی بچوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ اور باقی دو سیر لے آیا ہوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان چھوہاروں کو تمام جمع شدہ مال پر بکھیر دو۔

اِسی پر بس نہیں، کئی لوگ ایسے بھی تھے جو سامان کے علاوہ نقدِ جان پیش کرنا چاہتے تھے لیکن اس پیشکش کے لیے بھی اُنہیں وسائل مہیا نہ تھے۔ اس مخلص اور جاں نثار جماعت کی آزردگی اور منافقین کے اضطراب اور پریشانی کا مقابلہ ایک قسم کے حالات میں ایمان اور نفاق کا کیسا شاندار تقابلی موازنہ ہے۔ منافق جان بچانے کے لیے پریشان ہیں، اور مومن جان دینے کے لیے مضطرب اور بے قرار۔

قرآنِ کریم ان کی بے بضاعتی کی بنا پر انہیں جہاد سے معذور اور مستثنیٰ قرار دیتا ہے لیکن وہ اس معذوری کو محرومی محسوس کرتے ہیں اور آنسو بہا رہے ہیں جو موت کے تصور یا موت کے غم میں نہیں بلکہ راہِ حق میں موت کی نایابی پر۔

نالہ از بہرِ رہائی نہ کند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

(پنجرے میں بند جانور رہائی کے لیے نہیں چیخ رہا، بلکہ اُس ضائع شدہ وقت پر نالاں ہے جتنا وقت وہ گرفتار نہ تھا)۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ	اور اُن لوگوں پر بھی کچھ اعتراض نہیں ہے
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا	کہ جب تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سوار کر
أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَ	دیجیے اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری

حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ   اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے

(توبہ-۱۲)   کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے کسی کو مدینہ کا حاکم مقرر کر جاتے۔ اب حسب معمول آپ نے سباع بن عرفطہ کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور چونکہ اس بار تبہ . . . . . ازواج مطہرات بھی ہمراہ نہیں جا رہی تھیں۔ اس لیے اہل بیت کی حفاظت اور انتظام کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی مدینہ میں رہنے کا حکم ہوا۔

الغرض تیس ہزار صحابہؓ کا لشکر تیار ہوا۔ سواریوں کی اس قدر قلت تھی کہ ۱۸ آدمیوں کے حصہ میں ایک اونٹ آتا تھا۔ رسد کی کمی کی وجہ سے درختوں کے پتے کھا کھا کر صحابہؓ کے ہونٹ سوج گئے اور سواریوں کی قلت کے باوجود اونٹوں کو ذبح کر کے اُن کی امعاء کا پانی پینا پڑا۔

فوج ابھی تبوک کے راستہ ہی میں تھی کہ حضرت علیؓ بھی فوج سے جا ملے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ منافقین نے طعن دیے اور چڑایا کہ تمہیں نکما سمجھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ غیرت کھا کر دو دو تین تین منزلیں طے کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا:

الا ترضٰی ان تکون منی   علی! تم پسند نہیں کرتے کہ تم میرے لیے

بمنزلة هارون من موسٰی   ویسے ہو جیسے کہ موسٰیؑ کے لیے ہارونؑ تھے۔ گو

الا انه لا نبی بعدی۔   میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے اور واپس چلے آئے۔

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی چڑھائی کی اطلاع غلط تھی۔ البتہ وہ مخالفانہ سازشوں میں مصروف ضرور تھے تاہم مقابلہ میں نہ آئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں تقریباً ایک مہینہ قیام فرمایا۔

ایلہ خلیج عقبہ [illegible]

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ منظور کرلیا۔ ایک خچر سفید رنگ بطور تحفہ پیش کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جواب میں اُسے اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی۔ جربا اور اذرح کے عیسائیوں نے بھی حاضر ہو کر جزیہ قبول کرلیا۔

دومۃ الجندل جو دمشق سے پانچ منزل کے فاصلہ پر ہے وہاں کا عرب حکمران اکیدر جو قیصر شاہِ روم کا زیرِ اثر تھا، اس کے مقابلہ کے لیے آپؐ نے خالد بن الولید کو چار سو کی جمعیت دے کر روانہ کیا۔ خالدؓ نے اس کو گرفتار کرلیا اور اس شرط پر رہا کیا کہ وہ خود دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر شرائط صلح طے کرے۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی سمیت مدینہ میں حاضر ہوا اور اُسے امان دے دی گئی۔

یہ ان لڑائیوں میں آخری لڑائی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لڑی گئیں۔

تتمہ جنگِ تبوک

منافقت

حق و باطل کے ان معرکوں میں مومن اور کافر دو کردار تو کھل کر سامنے آئے ہیں اور ان کی جاں بازیاں، قربانیاں اور سرگرمیاں بھی اپنی اپنی جگہ ظاہر ہیں جنہیں آپ مختصراً حسبِ گنجائش درج شدہ پڑھ چکے ہیں، لیکن اس کشمکش میں ایک تیسرا کردار بھی شروع سے کے آخر تک برابر سرگرم کار رہا ہے۔ اور وہ منافق اور منافقت کا وجود ہے۔

مومن کا مشن ہی حقائق پر ایمان لانا اور حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کرنا، اس پر خود عمل کرنا اور حتی الامکان دوسروں سے عمل کرانا ہے، جس سے اس کے ارادے، اعمال اور اس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ کھل کر سامنے آنا چاہیے اور آتا ہے ـــــ بالکل اسی طرح کافر کی زندگی بھی پردے میں نہیں رہ سکتی۔ گو کفر ایمان کا ظل اور ایک منفی پہلو ہے بذاتِ خود کوئی اصل چیز نہیں صرف حقیقت کو نہ ماننے کا نام کفر ہے، تاہم ماننے کے مقابلہ میں نہ ماننا بھی تو کھل کر سامنے آجاتا ہے، اس لیے جہاں ماننے والے مسلمانوں نے اپنی مانی ہوئی حقیقتوں کے ماننے اور منوانے پر پوری امکانی کوشش کے ساتھ کام کیا، نہ ماننے والے منکروں اور کافروں نے بھی انکار اور نہ ماننے پر کھلم کھلا زور دیا۔ کیونکہ اس راہ میں دو دلی اور دو رنگی بدترین جرم ہے، اور عقلاً بھی ان دونوں فریق کے لیے اپنے اپنے مقصد میں ـ مقصد صحیح ہو یا غلط ـ ناکامی اور نامرادی کی بنیاد ہے۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے:

دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیبے ست سالک را
پشیمانم از آں کفرے کہ دارد بوئے ایماں ہم

"اس راہ میں دو رُخی سے سفر کرنا سالک کے لیے بدترین عیب ہے، میں اس کفر سے بھی
حیران ہوں جس میں کچھ ایمان کی بو موجود ہو"
وہ کفر بھی کیا جس میں ایمان کی بھی کچھ آمیزش پائی جائے۔

منافق وہ ذلیل کردار ہے جو نہ ایمان پر مطمئن ہے، نہ کفر سے تسلی پذیر۔ مذبذبین
بین ذٰلک لا الیٰ هٰؤلاءِ ولا الیٰ هٰؤلاءِ۔

یہ کردار بھی شروع سے لے کر آخر تک ساتھ رہا ہے۔ غزوۂ تبوک کفر و ایمان کی
آویزش کا آخری معرکہ ہے جس کا ذکر آپ پڑھ رہے ہیں۔ یہ ذکر نا تمام رہے گا اگر
اس موقع پر منافقانہ کردار کا بھی کچھ نہ کچھ بیان نہ کیا گیا۔ لہٰذا صرف نمونتاً ایک واقعہ اس
سلسلہ میں لکھا جاتا ہے جسے قرآنِ کریم نے سورہ توبہ رکوع ۱۳ میں بیان کیا ہے۔

منافق اپنے عقیدے کو چھپاتا ہے، اپنے اعمال کو چھپاتا ہے، وہ جو کچھ ظاہر
کرتا ہے حقیقت نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ بُرائی کو نیکی کی شکل میں دکھانا چاہتا ہے۔

نیکی جسے معروف یعنی جانی پہچانی شئے کہا جاتا ہے، اس کی مقبولیت بالاتفاق عام
ایک ایسی اٹل اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح بُرائی جسے
قرآنِ حکیم نے منکر (ان جانی اور ناپسندیدہ شئے) کہا ہے ایسی غیر مقبول شئے ہے جس سے
انسانی فطرت طبعاً انکار کرتی ہے۔ کوئی عام سے عام آدمی بھی چور، زانی، جوا بازی شراب
نوشی کا عادی ہونے کے باوجود، چور، زانی، جواباز اور شرابی کہلانا پسند نہیں کرتا اور
نیکی نہ کرنے کے باوجود نیک کہلانے پر اصرار کرتا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں تک ڈھٹائی
سے کام لیتا ہے کہ اپنے صریح بُرے کاموں اور خدائی احکام کی کھلی خلاف ورزیوں کو
نیکیاں قرار دینے سے نہیں شرماتا۔ اس بات کی صداقت پر کھلی شہادت یہ ہے کہ بدکردار
لوگ ہر دور میں اکثر اپنے انتہائی بُرے اعمال کو نیکی کا لبادہ اوڑھا کر دنیا کے سامنے
پیش کرتے [illegible]

اس قسم کی تاریخ کے بے شمار واقعات میں سے ایک بڑا مشہور واقعہ جو عہد نبوت میں پیش آیا یہ ہے کہ ۹ ہجری میں مدینہ کے منافقوں نے اپنی دین دشمنی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حسد و عداوت کے ناپاک جذبات سے مغلوب ہو کر ایک مسجد تعمیر کی جس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ توبہ رکوع ۱۳ میں کیا گیا ہے۔

عبرت کا سامان

قرآن پاک کا بیان کردہ یہ واقعہ آج بھی اسی طرح عبرت کا سامان ہے اور ان بداعمال اور بدنیت لوگوں کے سامنے قیامت تک کے لیے روشنی کا مینار بن کر کھڑا ہے جو اپنے بُرے مقاصد کو نیکی کے بھیس میں چھپا کر پورا کرنے کے صبح و شام جتن کرتے اور سادہ ذہن عوام کو دھوکے میں ڈالنے کے آئے دن منصوبے بناتے رہتے ہیں زمانہ گو بہت آگے بڑھ چکا ہے لیکن ابن الوقت لوگ بھی ساتھ ساتھ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے خالم جواں ہیں لات و منات

اس واقعہ کا ذکر چونکہ قرآن کریم کے حوالہ سے شروع کیا گیا ہے، مناسب ہے کہ متعلقہ آیات کے ترجمہ سمیت تفہیم القرآن کا تفسیری نوٹ بھی درج کر دیا جائے جس میں ایک حد تک واقعہ اور واقعہ کے پس منظر کی ضروری وضاحت آگئی ہے۔

(ترجمہ آیات) "کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ (دعوت حق کو) نقصان پہنچائیں اور (خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں، اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کے لیے کمیں گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور رسول کے خلاف برسر پیکار ہو چکا ہے وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا

جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے۔
کہ تم اُس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا
پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔ ۱۰۲ پھر تمہارا
کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور
اُس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے
ثبات کگر ۱۰۳ پر اُٹھائی اور وہ اُسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری؟
ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا ۱۰۴ یہ عمارت جو انہوں نے
بنائی ہے، ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی کی جڑ بنی رہے گی (جس کے نکلنے کی
اب کوئی صورت نہیں) بجز اس کے ان کے دل ہی پارہ پارہ ہو جائیں ۱۰۵
اللہ نہایت باخبر حکیم و دانا ہے ؏،،

تفسیر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے سے پہلے قبیلہ خزرج میں ایک شخص
ابو عامر نامی تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی راہب بن گیا تھا۔ اس کا شمار علمائے اہل کتاب
میں ہوتا تھا اور رہبانیت کی وجہ سے اس کے علمی وقار کے ساتھ ساتھ اس کی درویشی کا
سکہ بھی مدینے اور اطراف کے جاہل عربوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
مدینے پہنچے تو اُس کی مشیخت وہاں خوب چل رہی تھی۔ مگر یہ علم اور یہ درویشی اس کے
اندر حق شناسی اور حق جوئی پیدا کرنے کے بجائے اُلٹی اس کے لیے زبردست حجاب
بن گئی۔ اور اس حجاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد
وہ نعمتِ ایمان ہی سے محروم نہ رہا بلکہ آپ کو اپنی مشیخت کا حریف اور اپنے کاروبار
درویشی کا دشمن سمجھ کر آپ کی اور آپ کے کام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ پہلے دو سال
تک تو اُسے یہ امید رہی کہ کفارِ قریش ہی کی طاقت ہی اسلام کو مٹانے کے لیے کافی ثابت

ہو گئی لیکن جنگِ بدر میں جب قریش نے شکستِ فاش کھائی تو اسے یارائے ضبط نہ رہا۔ اسی سال وہ مدینہ سے نکل کھڑا ہوا اور اس نے قریش اور دوسرے عرب قبائل میں اسلام کے خلاف تبلیغ شروع کردی۔ جنگِ احد جن لوگوں کی سعی سے برپا ہوئی، ان میں یہ بھی شامل تھا اور کہا جاتا ہے کہ اُحد کے میدانِ جنگ میں اسی نے وہ گڑھے کھدوائے تھے جن میں سے ایک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم گر کر زخمی ہوئے۔ پھر جنگِ احزاب میں جو لشکر ہر طرف سے مدینہ پر چڑھ آئے تھے ان کو بڑھا لانے میں بھی اس کا حصہ نمایاں تھا۔ اس کے بعد جنگِ حنین تک جتنی لڑائیاں مشرکین عرب اور مسلمانوں کے درمیان ہوئیں ان سب میں یہ عیسائی درویش اسلام کے خلاف شرک کا سرگرم حامی رہا۔ آخر کار اُسے اس بات سے مایوسی ہو گئی کہ عرب کی کوئی طاقت اسلام کے سیلاب کو روک سکے گی۔ اس لیے عرب کو چھوڑ کر اس نے روم کا رُخ کیا تاکہ قیصر کو اس خطرے سے آگاہ کرے جو عرب سے سر اُٹھا رہا تھا۔ یہ وہی موقع تھا جب مدینہ میں یہ اطلاعات پہنچیں کہ قیصر عرب پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے اور اسی کی روک تھام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبوک کی مہم پر جانا پڑا۔

ابو عامر راہب کی ان تمام سرگرمیوں میں مدینہ کے منافقین کا ایک گروہ اس کے ساتھ شریکِ سازش تھا اور اس آخری تجویز میں بھی یہ لوگ اس کے ہم نوا تھے کہ وہ اپنے مذہبی اثر کو استعمال کر کے اسلام کے خلاف قیصرِ روم اور شمالی عرب کی عیسائی ریاستوں سے فوجی امداد حاصل کرے۔ جب وہ روم کی طرف روانہ ہونے لگا تو اُس کے اور ان منافقوں کے درمیان یہ قرارداد ہوئی کہ مدینہ میں یہ لوگ اپنی ایک الگ مسجد بنا لیں گے تاکہ عام مسلمانوں سے بچ کر منافق مسلمانوں کی علیحدہ جتھہ بندی اس طرح کی جا سکے کہ اس پر مذہب کا پردہ پڑا رہے اور آسانی سے اس پر کوئی شبہ نہ کیا جا سکے، اور وہاں نہ صرف یہ کہ منافقین منظم ہو سکیں بلکہ ابو عامر کے پاس سے جو ایجنٹ خبریں اور ہدایات لے کر آئیں وہ بھی غیر مشتبہ فقیروں اور مسافروں کی حیثیت سے اس مسجد میں ٹھہر

سکیں۔ یہ تھی وہ ناپاک سازش جس کے تحت وہ مسجد تیار کی گئی تھی جس کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

مدینہ میں اس وقت دو مسجدیں تھیں، ایک مسجد قبا جو شہر کے مضافات میں تھی۔ دوسری مسجد نبوی جو شہر کے اندر تھی، ان دو مسجدوں کی موجودگی میں ایک تیسری مسجد بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اور وہ زمانہ ایسی احمقانہ مذہبیت کا نہ تھا کہ مسجد کے نام سے ایک عمارت بنا دینا بجائے خود کار ثواب ہو قطع نظر اس سے کہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ بلکہ اس کے برعکس ایک نئی مسجد بننے کے معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی جماعت میں خواہ مخواہ تفریق رونما ہو جسے ایک صالح اسلامی نظام کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا۔ اسی لیے یہ لوگ مجبور ہوتے کہ اپنی علیحدہ مسجد بنانے کے لیے پہلے اس کی ضرورت ثابت کریں۔ چنانچہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس تعمیر نو کے لیے یہ ضرورت پیش کی کہ بارش میں اور جاڑے کی راتوں میں عام لوگوں کو اور خصوصاً ضعیفوں اور معذوروں کو جو ان دونوں مسجدوں سے دور رہتے ہیں پانچوں وقت حاضری دینی مشکل ہوتی ہے لہذا ہم محض نمازیوں کی آسانی کے لیے یہ ایک نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

ان پاکیزہ ارادوں کی نمائش کے ساتھ یہ مسجد ضرار جب بن کر تیار ہوئی تو یہ اشرار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپ ایک مرتبہ خود نماز بڑھا کر ہماری مسجد کا افتتاح فرما دیں۔ مگر آپؐ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس وقت میں جنگ کی تیاری میں مشغول ہوں اور بڑی مہم در پیش ہے، اس مہم سے واپس آکر دیکھوں گا۔ اس کے بعد آپ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے اور آپ کے پیچھے یہ لوگ اس مسجد میں جتھہ بندی اور سازش کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک طے کر لیا کہ اُدھر رومیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قلع قمع ہو اور اِدھر فوراً ہی عبداللہ ابن ابی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیں۔ لیکن تبوک میں جو معاملہ پیش آیا اس نے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ کے قریب ذی اوان کے مقام پر پہنچے تو یہ آیات نازل ہوئیں اور آپؐ نے اسی

وقت چند آدمیوں کو مدینہ کی طرف بھیج دیا تاکہ آپ کے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے پہلے وہ اس مسجدِ ضرار کو مسمار کردیں۔

۱۰۳ متن میں لفظ "جُرُف" استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق عربی زبان میں کسی ندی یا دریا کے اُس کنارے پر ہوتا ہے جس کے نیچے کی مٹی کو پانی نے کاٹ کاٹ کر بہا دیا ہوا ہو اور اُوپر کا حصہ بے سہارا کھڑا ہو۔ جو لوگ اپنے عمل کی بنیاد خدا سے بے خوفی اور اُس کی رضا سے بے نیازی پر رکھتے ہیں ان کی تعمیرِ حیات کو یہاں اُس عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایسے کھوکھلے بے ثبات کنارۂ دریا پر اُٹھائی گئی ہو۔ یہ ایک بے نظیر تشبیہ ہے جس سے زیادہ بہتر طریقہ سے اس صورتِ حال کی نقشہ کشی نہیں کی جاسکتی۔ اس کی پوری معنویت ذہن نشین کرنے کے لیے یوں سمجھیے کہ دُنیوی زندگی کی وہ ظاہری سطح جس پر مومن، منافق، کافر، صالح، فاجر غرض تمام انسان کام کرتے ہیں، مٹی کی اس اوپری تہ کی مانند ہے جس پر دنیا کی ساری عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ یہ تہ اپنے اندر خود کوئی پایداری نہیں رکھتی بلکہ اس کی پایداری کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے نیچے ٹھوس زمین موجود ہو۔ اگر کوئی تہ ایسی ہو جس کے نیچے کی زمین کسی چیز مثلاً دریا کے پانی سے کٹ چکی ہو تو جو ناواقف انسان اس کی ظاہری حالت سے دھوکا کھا کر اس پر اپنا مکان بنائے گا اُسے وہ اس مکان سمیت لے بیٹھے گی اور وہ نہ صرف خود ہلاک ہوگا بلکہ اس ناپایدار بنیاد پر اعتماد کرکے اپنا جو کچھ سرمایۂ زندگی وہ اس عمارت میں جمع کرے گا وہ بھی برباد ہوجائے گا۔ بالکل اسی مثال کے مطابق حیاتِ دنیا کی وہ ظاہری سطح بھی جس پر ہم سب اپنے کارنامۂ زندگی کی عمارت اُٹھاتے ہیں بجائے خود ثبات و قرار نہیں رکھتی۔ بلکہ اس کی مضبوطی و پایداری کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے نیچے خدا کے خوف، اُس کے حضور جوابدہی کے احساس اور اس کی مرضی کے اتباع کی ٹھوس چٹان موجود ہو۔ جو نادان آدمی محض حیاتِ دنیا کے ظاہری پہلو پر اعتماد کرلیتا ہے اور دنیا میں خدا سے بے خوف اور اُس کی رضا سے بے پروا ہو کر کام کرتا ہے وہ در اصل خود اپنی تعمیرِ زندگی کے نیچے سے اس کی بنیادوں کو کھوکھلا

کر دیتا ہے۔ اور اس کا آخری انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ بے بنیاد سطح، جس پر اس نے اپنی عمر بھر کا سرمایۂ عمل جمع کیا ہے ایک دن یکایک گر جائے اور اُسے اس کے پورے سرمائے سمیت لے بیٹھے۔

۱۰۴ سیدھی راہ یعنی وہ راہ جس سے انسان بامراد ہوتا اور حقیقی کامیابی کی منزل پر پہنچتا ہے۔

۱۰۵ یعنی ان لوگوں نے منافقانہ مکر و دغا کے اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر کے اپنے دلوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایمان کی صلاحیت سے محروم کر لیا ہے اور بے ایمانی کا روگ اس طرح ان کے دلوں کے ریشے ریشے میں پیوست ہو گیا ہے کہ جب تک ان کے دل باقی ہیں یہ روگ بھی ان میں موجود رہے گا۔ خدا سے کفر کرنے کے لیے جو شخص علانیہ بُت خانہ بنائے یا اس کے دین سے لڑنے کے لیے کھلم کھلا مورچے اور دمدمے تیار کرے اُس کی ہدایت تو کسی نہ کسی وقت ممکن ہے، کیونکہ اُس کے اندر راست بازی، اخلاص اور اخلاقی جرات کا وہ جوہر تو بنیادی طور پر محفوظ رہتا ہے جو حق پرستی کے لیے بھی اسی طرح کام آسکتا ہے جس طرح باطل پرستی کے لیے کام آتا ہے۔ لیکن جو بزدل جھوٹا اور مکار انسان کفر کے لیے مسجد بنائے اور خدا کے دین سے لڑنے کے لیے خدا پرستی کا پُر فریب لبادہ اُوڑھے، اس کی سیرت کو نفاق کی دیمک کھا چکی ہوتی ہے۔ اس میں یہ طاقت ہی کہاں رہ چکی ہوتی ہے اور رہ سکتی ہے کہ مخلصانہ ایمان کا بوجھ سہار سکے۔ (تفہیم القرآن جلد دوم۔ ص ۲۳۲ تا ص ۲۳۵)

نتائجِ جنگ

اس موقع پر دشمن سے مقابلہ نہیں ہوا البتہ عیسائیوں کے مختلف قبائل سے حسبِ حال معاملات پیش آئے۔ تبوک میں مہینہ بھر کے ۲۰ دن قیام کی مصروفیات کے نتیجہ میں جو تاثرات مسلمانوں کے ذہنوں پر اثر انداز ہوئے اور ان سے پیشِ نظر ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حیثیت سے رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی، اس ساری کیفیت کو یکجا

دیکھنے کے لیے مناسب نظر آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مختصر مگر جامع خطبہ یہاں نقل کر دیا جو آپ نے ایک دن نماز کے بعد تمام مجاہدین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ کسی مقرر کی تقریر لازماً اُس کے ذاتی تاثرات کی پوری تصویر اور مخاطبین کے دلی جذبات، طبعی تقاضوں اور وقتی ضروریات کا سیر حاصل سرمایہ ہوتا ہے۔ اور پھر اس افصح عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر جس کی بعثت نے اس ضرورت کو اس طرح مکمل کر دیا کہ اس کے بعد کسی پیغامبر کی ضرورت ہی باقی نہ رہ گئی۔ اس غزوہ کے نتائج کے سلسلہ میں یہ خطبہ یقیناً کافی ہوگا۔

خطبہ

۱۔ فان اصدق الحدیث کتاب اللہ۔

"ہر ایک کلام سے سچائی میں بڑھ کر اللہ کی کتاب ہے۔"

۲۔ واوثق العریٰ کلمۃ التقویٰ۔

"سب سے بڑھ کر بھروسے کی بات تقویٰ کا کلمہ ہے۔"

۳۔ وخیر الملل ملۃ ابراھیم۔

"سب ملتوں سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔"

۴۔ وخیر السنن سنۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

"سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔"

۵۔ واشرف الحدیث ذکر اللہ۔

"سب باتوں پر اللہ کے ذکر کو شرف ہے۔"

۶۔ واحسن القصص ھٰذا القرآن۔

"سب بیانات سے پاکیزہ تر یہ قرآن ہے۔"

"بہترین کام اولوالعزمی کے کام ہیں ۔"

٨ ۔ و شر الامور محدثاتها ۔

"امور میں بدترین امر وہ ہے جو نیا نکالا گیا ہے ۔"

٩ ۔ واحسن الهدی هدی الانبیاء ۔

"انبیاء کی روش سب روشوں سے خوب تر ہے ۔"

١٠ ۔ واشرف الموت قتل الشهداء ۔

"شہیدوں کی موت موت کی سب قسموں سے شریف تر ہے ۔"

١١ ۔ واعمی العمی الضلالة بعد الهدی ۔

"سب سے بڑھ کر اندھاپن وہ گمراہی ہے جو ہدایت کے بعد ہو جاتے ۔"

١٢ ۔ خیر الاعمال ما نفع ۔

"عملوں میں وہ عمل اچھا ہے جو نفع دہ ہو ۔"

١٣ ۔ خیر الهدی ما اتبع ۔

"بہترین روش وہ ہے جس پر لوگ چل سکیں ۔"

١٤ ۔ و شر العمی عمی القلب ۔

"بدترین اندھاپن دل کا اندھاپن ہے ۔"

١٥ ۔ والید العلیا خیر من الید السفلی ۔

"اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے ۔"

١٦ ۔ وما قل وکفی خیر مما کثر والهی ۔

"تھوڑا اور کافی مال اس بہتات سے اچھا ہے جو غفلت میں ڈال دے ۔"

١٧ ۔ شر المعذرات حین یحضر الموت ۔

۱۸۔ وشر الندامة یوم القیامة۔

"بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت کو ہوگی۔"

۱۹۔ ومن الناس لا یأتی الجمعة الا دبرًا۔

"بعض جمعہ کو آتے ہیں مگر دل پیچھے کو لگے ہوتے ہیں۔"

۲۰۔ ومن لا یذکر اللہ الا ھجرًا۔

"ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں۔"

۲۱۔ ومن اعظم الخطایا اللسان الکذوب۔

"سب گناہوں سے عظیم تر جھوٹی زبان ہے۔"

۲۲۔ وخیر الغنیٰ غنی النفس۔

"سب سے بڑی تونگری دل کی تونگری ہے۔"

۲۳۔ وخیر الزاد التقویٰ۔

"سب سے عمدہ توشہ تقویٰ ہے۔"

۲۴۔ ورأس الحکمة مخافة اللہ عزوجلّ۔

"اصل دانائی یہ ہے کہ دل میں خدا کا خوف ہو۔"

۲۵۔ والارتیاب من الکفر۔

"شک پیدا کرنا کفر کی شاخ ہے۔"

۲۶۔ والنیاحة من عمل الجاھلیة۔

"بین سے رونا جاہلیت کا کام ہے۔"

۲۷۔ والغلول من حر جھنم۔

"چوری کرنا عذابِ جہنم کا سامان ہے۔"

۲۸۔ والسکر کیّ من النار۔

"بدمست ہونا آگ میں پڑنا ہے"

۲۹۔ والشعر من ابلیس۔

"شعر ابلیس کا حصہ ہے"

۳۰۔ والخمر جمّاع الاثم۔

"شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے"

۳۱۔ وشر الماکل ماکل مال الیتیم۔

"بدترین روزی یتیم کا مال کھا جانا ہے"

۳۲۔ والسعید من وعظ بغیرہٖ۔

"سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت پکڑتا ہے"

۳۳۔ الشقی من شقی فی بطن امّہٖ۔

"اصل بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو"

۳۴۔ وملاك العمل خواتمہٗ۔

"عمل کا سرمایہ اس کا بہترین انجام ہے"

۳۵۔ وشر الرؤیا رؤیا الکذب۔

"بدترین خواب وہ ہے جو جھوٹا ہو"

۳۶۔ وکل ما ھو اٰتٍ قریبٌ۔

"جو بات ہونے والی ہے وہ قریب ہے"

۳۷۔ وسباب المؤمن فسوق۔

"مومن کو گالی دینا فسق ہے"

۳۸۔ وقتالہٗ کفرٌ۔

"مومن کو قتل کرنا کفر ہے"

۳۹۔ واكل لحمه معصية الله۔

"مومن کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) اللہ کی معصیت ہے۔"

۴۰۔ وحرمة ماله كحرمة دمه۔

"مومن کا مال دوسرے پر ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اس کا خون۔"

۴۱۔ ومن يتعالى على الله يكذبه۔

"جو خدا سے استغنا کرتا ہے خدا اُسے جھٹلاتا ہے۔"

۴۲۔ ومن يغفر يغفر الله له۔

"جو کسی کا عیب چھپاتا ہے، خدا اُس کے عیب چھپاتا ہے۔"

۴۳۔ ومن يعف يعف عنه۔

"جو معافی دیتا ہے، اُسے معافی دی جاتی ہے۔"

۴۴۔ ومن يكظم الغيظ يأجره الله۔

"جو غصہ کو پی جاتا ہے، خدا اُسے اجر دیتا ہے۔"

۴۵۔ ومن يصبر على الرزية يعوضه الله۔

"جو نقصان پر صبر کرتا ہے، خدا اُسے اجر دیتا ہے۔"

۴۶۔ ومن يتبع السمعة يسمعه الله۔

"جو چغلی کو پھیلاتا ہے، خدا اُس کی رسوائی عام کر دیتا ہے۔"

۴۷۔ ومن يصبر يضعف الله له۔

"جو صبر کرتا ہے خدا اُسے بڑھاتا ہے۔"

۴۸۔ ومن يعص الله يعذبه الله۔

"جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے، خدا اُسے عذاب دیتا ہے۔"

۴۹۔ ثم استغفر ثلثاً۔

عام نتائج

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (انفال۔ رکوع ۳)

"اور یاد کرو جب تم تھوڑے اور ملک میں دبے ہوئے تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں، تو خدا نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے نوازا۔ اور تم کو پاکیزہ روزی دی تاکہ شکر گزار بنو۔"

آں حضرتؐ کی زندگی میں جنگ کا حصّہ

ان چند اوراق میں ان لڑائیوں کے واقعات اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مخالفین اسلام کے ساتھ لڑی گئیں۔ ان لڑائیوں کا سلسلہ جنگ بدر ۲؁ ہجری سے شروع ہو کر غزوۂ تبوک ۹؁ ہجری پر ختم ہوتا ہے۔

ہجرت سے پہلے تقریباً ۱۳ سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی زندگی مکہ میں گزاری، پھر مدینہ میں تشریف لائے اور یہاں پہنچنے کے بعد دوسرے سال پہلی جنگ مقام بدر میں پیش آئی۔ گویا دعوت و تبلیغ کے ابتدائی تیرہ چودہ سال کے حالات ہم نے نہیں لکھے۔ بلکہ جنگ بدر ۲؁ ہجری سے لے کر غزوہ ۹؁ ہجری تک سات سال کی زندگی کے بھی وہ واقعات آپ پڑھ رہے ہیں جن کا تعلق صرف جنگ سے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کی ۲۳ سالہ زندگی میں سے آپ کے سامنے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف

وہ تمام واقعات قلم انداز کیے گئے ہیں اور ان اوراق میں درج نہیں کیے گئے جن کا تعلق خاص منصبِ نبوت اور دعوت و تبلیغ سے ہے۔

اِس لیے کتاب کے مطالعہ سے یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمایاں پہلو محض جنگ سے متعلق ہے۔ بلکہ اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ جس ذاتِ مقدس کی جنگ ایسے پاکیزہ جذبات، ہمدردانہ اصول اور رحم و کرم کی نوازشات سے مالا مال ہے، اس کی پیغمبرانہ اور مصلحانہ زندگی کن رحمتوں اور برکتوں کی حامل ہوگی کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد جنگ نہیں بلکہ فرائضِ نبوت و رسالت کی ادائیگی اور انجام وہی ہے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگیں محض ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے لڑی گئیں جو مخالفین نے حق اور آزادی کی راہ میں کھڑی کیں۔

کتاب کے مقدمہ میں مسلمانوں کی ان دفاعی جنگوں کے وجوہ و اسباب کا تعارف مجموعی طور پر بقدرِ گنجائش ہم کرا چکے ہیں اور پھر ہر واقعہ کے شروع میں ان خاص اسباب کا ذکر آچکا ہے جو لڑائی کا باعث بنتے رہے۔ تاہم اس کتابچہ میں چونکہ کفارِ قریش کے ان مظالم اور جور و ستم کے بے رحمانہ افعال کا قطعاً ذکر نہیں جو مسلمانوں پر ابتدائی پندرہ سال تک مسلسل ہوتے رہے جن مظالم سے مجبور ہو کر مظلوموں کو اپنا ملک و دیار چھوڑنا پڑا اور جن کے نتیجہ میں مسلمانوں جیسی امن پسند اور عافیت کوش جماعت کو بھی بالآخر مدافعت کی اجازت ملی۔ اس لیے بجائے اس کے کہ ہم اس ساری تاریخ کو دُہرا کر واقعات میں ربط اور تسلسل پیدا کرنے کی کوشش کریں بہ نظرِ اختصار مناسب خیال کرتے ہیں کہ عرب قوم کے جنگی رجحانات کا تھوڑا سا ذکر کر دیں تاکہ قریش کے طبعی میلانات، خاندانی اور نسلی روایات اور ملکی رسم و رواج کی واقفیت کتاب کے مندرجات کو سمجھنے میں مزید امداد دے سکے۔

نیز ان نتائج کی بھی وضاحت ہو جائے جو ان تمام جنگوں سے مجموعی طور پر موافق اور

عام حالات اور واقعات کے مطالعہ کے بعد مجموعی نتیجہ اخذ کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ انفرادی شجاعت میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع الصفات یکتا تھی اور بطور سپہ سالار آپؐ کی جنگی قابلیت اور مہارت بھی بے مثل تھی۔ مشہور واقعہ ہے درخت کے نیچے اکیلے استراحت فرما رہے تھے، تلوار درخت سے لٹکی ہوئی ہے، دشمن سر پر آکھڑا ہوتا ہے اور تلوار سونت کر کہتا ہے اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ اور اس جلال سے فرماتے ہیں کہ دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر پڑتی ہے۔ آپ تلوار سنبھال کر اس سے پوچھتے ہیں اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟ وہ ممیانے اور گھگھیانے لگتا ہے اور آپ اُسے معاف کر دیتے ہیں۔

اتنے معرکے لڑے مگر ہر معرکہ میں نیا انداز جنگ تھا۔ بدر میں قلیل تعداد اور بہت کم ہتھیاروں کے ساتھ دشمن کو شکستِ فاش ہوئی۔ اُحد میں جب آپ کے ایک حکم کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے مسلمانوں کو پسپائی نصیب ہوئی، تو اس کے بعد بھی آپؐ کو ثابت قدم پاکر جاں نثار صحابہ نے از سرِ نو صف بندی کی حتیٰ کہ دشمن نے وہاں سے نکل جانے میں عافیت جانی۔ دوسرے دن پھر میدان میں تشریف لائے مگر دشمن کا سپہ سالار مقابلے پر نہ آیا۔ مجاہدین اسلام نے پیچھا کیا تو دشمن راہِ فرار اختیار کر گیا۔

جنگِ خندق بالکل نئے انداز سے لڑی سارا عرب چڑھ آیا تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت، نئے دفاعی انتظام اور جامع منصوبہ بندی کے باعث کثیر تعداد کے حملہ آوروں کو بھاگنا پڑا۔

حنین میں آپؐ نے خود اپنی سواری کو آگے بڑھا کر چند ثابت قدم جاں نثاروں کے ساتھ پسپائی کو فتح میں بدل دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ستائیس غزوات کیے اور مختلف اوقات میں پینتیس جنگی مہمات روانہ فرمائیں۔ مفتوحہ علاقوں کو دونوں میں تقسیم کیا جائے

تو ۲،۷ مربع میل یومیہ نبتا ہے۔ اپنا نقصان ایک جان ماہانہ، دشمن کا ڈیڑھ صد ماہانہ دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ علاقہ زیرنگیں تھا۔ ہے کہیں مثال ایسی جنگی قیادت کی؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح و نصرت کا راز آپؐ کی بے مثال شخصی شجاعت اور باکمال منصوبہ بندی میں مضمر تھا۔ انتہائی خطرناک اور بڑے نازک حالات میں بھی آپؐ ہمیشہ ثابت وقائم رہے۔ آپؐ کے عزم صمیم میں کبھی ہلکی سی کمزوری بھی نہ آنے پائی۔ نہ اپنے مقصدِ عظیم کے بارے میں کبھی مایوسی ہوئی نہ شک و شبہ قریب آیا۔

قدیم عرب کی حالت

ماحول کا اثر

انسان کی خواہشات، خیالات اور عادتیں ماحول کے سانچے میں ڈھلتی ہیں۔ تجارت پیشہ خاندان میں پیدا ہونے والا بچہ بچپن ہی سے تجارتی دل و دماغ کا مالک ہوتا ہے اور جوان ہوکر بھی اسی قسم کے کاروبار میں دلچسپی لیتا ہے جن کا تعلق تجارت سے ہو۔ زمیندار کو زمینداراہ کاروبار ہی سے دلبستگی ہوگی۔ اور ایسے ہی ہر اہل فن کو بھی اپنے خاندانی پیشہ اور صنعت ہی پر فخر و ناز ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے۔

جس طرح افراد کی طبیعتیں گھر کی چاردیواری یا خاندانی حالات سے متاثر ہوتی ہیں، اسی طرح قوموں کی ذہنیتیں بھی ملکی حالات کی پیداوار ہوتی ہیں۔

عرب کا ماحول

عرب ایک وادی غیر ذی زرع (غیر آباد) ملک تھا جس میں پانی کی سخت قلت تھی اور اسی وجہ سے کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی۔ عام لوگوں کی حالت یہ تھی کہ جہاں پانی کا نشان ملا اپنے ٹوٹے پھوٹے خیمے اٹھائے اور وہاں چل دیئے۔ اس لیے جمعیتی اور خانہ بدوشی کی وجہ سے یہ لوگ تمدن کی تمام نعمتوں سے محروم تھے۔ کوئی تعلیم نہ تھی اور نہ کوئی مستقل جائداد۔ بس اونٹ اور بھیڑ بکریاں ان کا اثاثہ اور کل جائداد تھی۔ دودھ اور گوشت کھانے پینے کے کام آجاتا اور اون سے کپڑے تیار کر لیتے۔ اکثر کے پاس یہ چیزیں بھی ضرورت کے مطابق موجود نہ تھیں۔

متمدن قوموں کے خاندان، قبیلے بلکہ مختلف ممالک اپنی ضرورتوں کی بنا پر ایک دوسرے سے تجارتی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی معاہدے کر کے محبت کے تعلقات پیدا کرنے کے

لیے مجبور ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ تمدن کی محرومی اور ذرائع معاش کی قدرتی کمی کے باعث دوسرے ممالک تو بجائے خود رہے خود اپنے ملک عرب میں بھی اس قسم کے تعلقات سے نا آشنا تھے بلکہ ان کی معاش کا انحصار ایک دوسرے سے محبت کے بجائے ایک دوسرے کے قتل و غارت پر تھا۔ ایک جگہ سے لوٹا اور کسی دوسری جگہ چلے گئے۔

طبعی میلانِ جنگ

اب اس امر کا سمجھنا مشکل نہیں ہوگا کہ قوم کو ملکی حالات نے قتل و غارت پر بطور ذریعہ معاش مجبور کر رکھا ہو، اُس ملک کے معزز خاندانوں کے ہونہار فرزند آخر اسی پیشہ اور اسی فن میں ہی کمال حاصل کر کے دوسروں کی نگاہ میں معزز ٹھیر سکتے ہیں۔ ان میں سے جو شخص غارت گری میں زیادہ باکمال اور ممتاز ہوگا وہی زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

وحشیانہ افعال

یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو اسی فن پر ناز تھا اور اس فن میں کمال اور نام پیدا کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے اور نئے نئے طریقے اور انداز اختراع کرتے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) عام رواج تھا کہ دشمن پر رات کو بے خبری میں حملہ کرتے اور ایسے حملہ یا فعل کا نام فخر سے لیا کرتے۔

(۲) اسیرانِ جنگ کو قتل کرتے وقت بچوں اور عورتوں تک کو قتل کر دیتے۔

(۳) زندوں کو آگ میں جلا دیتے۔

(۴) معصوم بچوں کو میدان میں بطور نشانہ کھڑا کر کے چاند ماری کرتے۔

(۵) ہاتھ، پاؤں، زبان کاٹ کر یا آنکھیں نکال کر چھوڑ دیتے تاکہ مظلوم تڑپ تڑپ کر جان دے۔

(۶) مرنے کے بعد بھی ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ دیتے۔

(۷) حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیتے اور اس پر فخر کرتے۔

(۸) ایسی منتیں مانتے کہ فلاں شخص کی کھوپڑی میں شراب پیوں گا۔

(۹) لاش کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ کو دانتوں سے چباتے۔

زمانۂ جاہلیت کے اشعار سے دیوان بھرے پڑے ہیں جن میں ان وحشیانہ افعال پر فخر کیا گیا ہے۔

قتل وغارت اور بدامنی

لوٹ، قتل اور بدامنی، تینوں چیزیں لازم ملزوم ہیں۔ روٹی حاصل کرنے کے لیے عرب غارت گری پر مجبور تھے۔ غارت گری قتل اور خوں ریزی کے بغیر ناممکن ہے۔ اور جہاں غارت گری اور خوں ریزی عام ہو اس کا نتیجہ عام بدامنی کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ یہ تمام خرابیاں عرب کی معاشرتی زندگی میں پورے کمال پر موجود تھیں۔ اور یہ قتل و غارت گری ان کے اخلاق بلکہ رسوم وعادات میں شامل ہو چکی تھی۔ اور بنیادی حیثیت سے شامل تھی۔ زندگی کے تمام مسائل کو وہ اسی نقطۂ نگاہ اور زاویۂ فکر سے سوچنے اور سمجھنے کے لیے مجبور تھے یہاں تک کہ ان کی زندگی تو درکنار موت بھی وہی آبرومندانہ سمجھی جاتی تھی جو میدانِ جنگ میں واقع ہو۔ ان کا عقیدہ تھا کہ زخم کھا کر مرنے والے کی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے اور جو بیمار ہو کر مرے اُس کی روح ناک کے راستہ نکلتی ہے جس موت کو وہ حتف انف (ناک کی موت) کہتے تھے اور یہ ذلیل موت سمجھی جاتی۔ انہیں فخر اس پر ہوتا کہ ؎

وَمَا مَاتَ مِنَّا سَيِّدٌ حَتْفَ اَنْفِهٖ

(ہمارا کوئی سردار ناک کی موت نہیں مرا) ۔

اصل وجہ

ان حالات سے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہو گا کہ تمام وحشیانہ اعمال کا باعث اور محرک محض نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض تھیں، خواہ وہ غرض وسائل معاش کو وسیع کرنے پر

مبنی ہو خواہ وہ دوسروں کی نگاہ میں بڑا بننے، نام آوری اور شہرت حاصل کرنے کی بنا پر ہو۔

یہی وجہ تھی کہ ان انفرادی نفس پرستیوں اور ذاتی غرضمندیوں نے ان لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے کا بدترین دشمن بنا رکھا تھا کیونکہ خود غرضی ایک آدمی کو دوسرے آدمی، ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ بلکہ ایک ملک کو دوسرے ملک کے خلاف برسرِ پیکار رکھتی ہے۔

عرب میں یہ جذبہ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ ایک قتل کا بدلہ صدیوں تک بھی قاتل کے خاندان سے نہ چھوڑتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک انتقام نہ لیا جائے مقتول کی روح پرندہ بن کر قتل کے مقام پر العطش العطش (پیاس پیاس) پکارتی رہتی ہے۔

جنگ و قتال کی بنیادی اصلاح

اسلام نے بنیادی طور پر اس داعیے اور غیر فطری جذبے کا ہی خاتمہ کر دیا جس سے ذاتی اغراض کی بنا پر کسی بنی نوع سے دشمنی اور عداوت پیدا ہو سکے بلکہ سرے سے ذاتیت کا سوال ختم کر کے عداوت و محبت کا دارومدار رنگ و نسل، ملک و قوم اور رشتہ و خون جیسے ذاتی تعلقات کے بجائے نیک و بد اعمال کی عقلی بنیادوں کو قرار دے دیا جس سے عصبیت کے تمام دعوے اور تعصب و ناجائز حمایت کے سارے مفسدانہ جذبات یک قلم مٹ گئے جسے قرآن پاک نے جاہلانہ حمیت کے جامع لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اب اس کی جگہ دنیا میں صرف دو ہی پارٹیاں باقی رہ گئیں، ایک نیک اور دوسری بد یا مسلمان اور کافر۔

مسلمان کی برادری اور خویشاوندی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ آدم کی تمام نسل خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں آباد ہے اصولاً آپس میں ایسی متحد ہو گئی کہ اس اتحاد اور تعلق کے مقابلہ میں بھائی بھائی بلکہ باپ بیٹے کے خونی اور نسلی تعلق کی کوئی حقیقت باقی نہ رہ گئی۔

اسلام کا تصور جنگ

جنگ [illegible] جو مسلمانوں نے پہلی لڑائی [illegible] اس نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کے

قابل ہے حضرت ابوبکرؓ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے مقابلہ اور حضرت حذیفہؓ اپنے باپ عتبہ کے مقابلہ میں شمشیر بکف نکلتے ہیں ۔ یہ واقعات اس حقیقت کی عملی شہادت ہیں کہ اسلام نے عرب کی جنگ جویانہ وحشت اور قبائلی عداوتوں کا اصولاً خاتمہ کر دیا جو ان کی قتل و غارت اور بدامنی کا اصل سبب تھا۔ خواہ مخالف اسے بھی جنگ ہی کہتے چلے جائیں، لیکن ہم اسے جہاد کے مقدس نام سے تعبیر کریں گے جو جنگ کی فتنہ سامانیوں کو مٹانے کی غرض سے مسلمانوں کی حق پرست جماعت نے کسی ذاتی عداوت کی بنا پر نہیں عین عبادت بلکہ افضل الاعمال یقین کر کے کیا اور انسانیت پر ایک ایسے احسان کی بنیاد رکھی جسے انسانی نسل بھول نہیں سکتی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے خطاب عام میں جو شہنشاہی اسلام کا منشور بیان ہے فرمایا، اس میں بھی یہی حقیقت منکشف فرمائی۔

الا کل ماثرۃ او دم او مال تحت قدمی ھاتین۔ — ہاں تمام فخر و غرور، پرانے انتقام اور خون بہا سب کے سب میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔

پھر قریش کو مخاطب کر کے نخوت جاہلیت کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور بنی آدم کی وسیع برادری کی حقیقت اور اہمیت جتائی۔

الناس من آدم و آدم من تراب۔ — تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے تھے۔

جنگ بدر اس مہم کا آغاز تھا اور فتح مکہ انجام۔

ان وحشیانہ اعمال و افعال کی اصلاح

جنگ و قتال کے سلسلہ میں اس بنیادی اصلاح کے علاوہ ان عملی اصلاحات پر غور کرو جو اسلام نے ان تمام وحشیانہ اعمال میں کیں جو عرب اپنے مخالف فریق کے خلاف انجام دیتے تھے اور اس ظلم پر فخر کرتے تھے۔

ان میں رات کو حملہ کرنا، عورتوں اور بچوں کا قتل، زندوں کو آگ میں جلانا، لاشوں کو

بے حرمت کرنا اور اسیرانِ جنگ سے ہزناروا سلوک روا رکھنا وغیرہ اعمال ہیں۔

۱۔شب خون

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو حملہ کرنے سے ہمیشہ پرہیز کی اگر کہیں رات کو دشمن کے سر پر پہنچ بھی گئے، پھر بھی صبح تک انتظار کی جنگ خیبر اور حنین وغیرہ شاہد ہیں

۲۔ عورتوں اور بچوں کا قتل

عورتوں اور بچوں کے قتل کی نسبت آپ کے وہ الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں جو بالعموم آپ میدان میں بھیجتے وقت فوج کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے۔

غزوہ موتہ کے موقع پر فوج کو روانہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

"میں تمہیں اللہ کے ساتھ پرہیزگاری اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ خدا کی راہ میں اللہ کے نام پر اس شخص سے لڑو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے اور وعدہ خلافی اور زیادتی نہ کرنا۔ بچے، عورت، بڈھے اور عبادت خانہ کے گوشہ نشینوں کو قتل نہ کرنا۔ باغ کے نزدیک نہ جانا، درخت نہ کاٹنا اور مکانات کو نہ ڈھانا"

ان ہدایات پر لوگ اب اس پابندی سے عمل کرتے تھے کہ جنگ اُحد میں حضرت ابو دجانہ رض کی تلوار کی زد میں ہندہ زوجہ ابوسفیان آجاتی ہے اور آپ اُسے پہچان لینے کے بعد سر کے قریب پہنچی ہوئی تلوار پیچھے کھینچ لیتے ہیں۔ کسی نے کہا یہ ہندہ ہے (یعنی دشمن اسلام اور دشمن اسلام کی بیوی) تو حضرت ابو دجانہ جواب دیتے ہیں "میں جانتا ہوں لیکن نبی کی تلوار عورت کے خون سے رنگی نہیں جا سکتی"

۳۔ لاشوں کی بے حرمتی

لاشوں کے بے حرمت کرنے سے ہمیشہ روکا۔ اور ان تمام لڑائیوں میں کوئی ایک بھی ایسی مثال نظر نہیں آتی جس میں مسلمانوں نے کسی لاش کو بے حرمت کیا ہو۔

بھی آگ کا عذاب دینے سے سختی سے منع فرما دیا ہے۔

۴۔ اسیرانِ جنگ

اسیرانِ جنگ کی کیفیت ہم سے نہیں بدر میں قید ہونے والے کفار سے دریافت کرو۔ جو مکہ میں واپس آکر اپنے ساتھیوں سے کہتے ہیں کہ خدا بھلا کرے مسلمانوں کا جو خود بھوکا رہتے اور ہمیں کھانا کھلاتے تھے۔

اور پھر اسیرانِ جنگِ حنین سے شہادت لو جو قدیم عرب کے رواج کے مطابق ایک ایک عضو کاٹ کر ہلاک کرنے کے بجائے چھ ہزار کے چھ ہزار قیدی خلعتیں پہن کر دداع ہوتے ہیں۔

۵۔ مفتوح فریق سے سلوک

مغلوب و مفتوح فریق کے ساتھ مجاہدینِ اسلام کا سلوک دیکھنا ہو تو وہ منظر سامنے لاؤ جب ہادیٔ اسلام مکہ کی سرزمین میں فاتحانہ داخل ہوتا ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں مسلمانوں پر انتہائی مظالم ہو چکے تھے۔ آج اگر یہاں خون کی ندیاں بھی بہا دی جائیں تو دنیا کا کوئی قانون اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا لیکن انہیں مظلوم لوگوں کو ظالم دشمن پر پوری دسترس حاصل ہونے کے باوجود حکم دیا جاتا ہے :

ہتھیار رکھ دینے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

حرم میں داخل ہو جانے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

اپنے گھر میں بیٹھ رہنے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

ابوسفیان کے گھر جا رہنے والے کو قتل نہ کیا جائے۔

بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

ان بدترین دشمنوں کی عام معافی کا اعلان حرم کعبہ میں کھڑے ہو کر رحمت عالم صلی اللہ

علیہ وسلم ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

لا تثریب علیکم الیوم — آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم

اذھبوا فانتم الطلقاء۔ — آزاد ہو۔

اور ان ہدایات پر پوری پابندی سے عمل ہوتا ہے۔

۶۔ لُوٹ

جنگ کی خرابیوں میں بہت بڑا درجہ لُوٹ کا ہے۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو قتل پر انگیز کرنے والی در اصل یہی تحریک ہے۔

عرب کی جائداد اونٹ بکریاں ہی تھیں۔ اور لُوٹ میں عموماً بکریاں ہی ہاتھ آتی تھیں۔ چونکہ عربی میں بکری کو 'غنم' کہتے ہیں اسی لیے لُوٹ کے مال کو غنیمت کہا جاتا ہے۔

عربوں میں اس کی وسعت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی اپنے کسی عزیز کو وداع کرتا ہے تو کہتا ہے سالماً غانماً یعنی سلامتی سے واپس آؤ اور لُوٹ کر لاؤ۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی ہر نقل و حرکت کی غرض و غایت محض لُوٹ مار تھی۔

۷۔ لُوٹ قرآن کی روشنی میں

اسلام کے پہلے ہی جہاد یعنی جنگ بدر میں جب لوگوں نے غنیمت کے سلسلہ میں کچھ بے ضابطگی کی تو قرآن نے اس پر تنبیہہ کی

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ — اگر ایک بات نہ ہوتی کہ اللہ پہلے لکھ چکا

لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ — تھا تو اس مال لینے میں ضرور تم پر عذاب

عَظِيْمٌ — اُترتا۔

جنگِ بدر میں بہت مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس کی تقسیم میں اختلاف پیدا ہوا بعض کی رائے تھی کہ نوجوان ہی اس کے حقدار ہیں بوڑھوں کا کوئی حق نہیں۔ بعض اطرنے اور نہ

لڑنے والوں میں فرق کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا جس کا ذکر سورۂ انفال کی پہلی آیت میں ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ	تجھ سے مالِ غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں۔
قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ	کہہ دو مالِ غنیمت اللہ اور رسول کا ہے۔ پس
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ	تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کرلو۔ اور
بَيْنِكُمْ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	اگر تم مومن ہو تو اللہ اور رسول کا کہا مانو!
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال۔۱)	(انفال۔ رکوع ۱)

۸۔ مال مقصود نہیں

آیتِ بالا میں سمجھا دیا گیا کہ مال سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ کفر کے مقابلہ میں متحد و متفق ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اعلائے کلمۃ اللہ کرتے رہو۔ تم میدانِ جنگ میں مال سمیٹنے نہیں آئے۔ تمہاری شان اس سے اعلیٰ و ارفع ہے، مالِ غنیمت کا مالک اللہ ہے، وہ جس طرح چاہے گا اس مال کی تقسیم کا حکم اپنے پیغمبر کو دے گا۔

اسلام نے جس طرح جنگ کو ذاتی اغراض سے پاک کر کے جہاد بنا دیا جس سے قبائلی اور خاندانی جھگڑے پیدا ہونے کی بجائے جہاد ان جھگڑوں کے خاتمے کا سبب بن گیا، بالکل اسی طرح مالِ غنیمت کو بھی ذاتی خواہشات کی دستبرد سے علیحدہ کر کے مسلمان کی توجہ اس سے ہٹا دی۔

۹۔ غنیمت کی خواہش دنیا طلبی ہے

جنگِ اُحد میں بعض مسلمانوں نے جب مالِ غنیمت میں طمع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی اور مقررہ جگہ سے ہٹ گئے تو خدا نے فتح کو شکست میں تبدیل کر کے سزا دی۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو ملامت کی گئی۔ فرمایا:

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ	تم میں کچھ لوگ دنیا کے طلبگار تھے اور
مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۔	کچھ آخرت کے۔

اصلاح یافتہ حالت

یہاں تک کہ جنگِ حنین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے خطاب فرمایا:

الا ترضون ان یذھب الناس	کیا تم اس پر رضامند نہیں کہ لوگ اونٹ
بالشاۃ والبعیر و تذھبون	لے کر جائیں اور تم نبی کے ہمراہ اپنے
بالنبی الیٰ رحالکم؟	گھروں میں جاؤ۔؟

مالِ غنیمت اور نبیؐ کی ہم نشینی اور صحبت میں سے ایک چیز کے اختیار وقبول کا موقع دیا گیا تو سب نے مالِ غنیمت کے مقابلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تحصیل دین کو ترجیح دے کر یک زبان ہو کر رضینا رضینا کا نعرہ لگایا۔

جنگ کے سلسلہ میں فتحمندی کی آخری منزل مسلمانوں کے لیے فتح مکہ ہے۔ اس موقع پر مالِ غنیمت تو درکنار مہاجر صحابہؓ کو اُن کے جدی مکانات بھی واپس نہیں دلائے گئے۔

جہاد کا مرتبہ

یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ جہاد سے محض خدا کا نام بلند کرنا مقصود ہے مال و دولت، شہرت و ناموری اور بہادری کی نمائش منظور نہیں۔ اور عبادت کا یہ بلند مقام اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کا یہ وہ آخری درجہ ہے کہ جہاں نماز بھی میں بھی قصر کیا جاتا ہے بلکہ قضا کی جا سکتی ہے۔ جنگ احزاب میں آپؐ نے دن کی ساری نمازوں کو جمع کر کے پڑھا۔

بدامنی

قتل وغارت کا لازمی نتیجہ جو کسی قوم اور ملک کو بھگتنا پڑتا ہے وہ عام بدامنی ہوتی ہے جس میں انسانی حقوق پامال اور تباہ و برباد ہوتے ہیں خواہ یہ حقوق مال واملاک کے ہوں یا عزت و ناموس کے یا کسی بھی قیمتی سے قیمتی سرمایے کے۔ جب قتل رُک جائے اور غارت گری کو بدترین جرم قرار دیدیا جائے، تو بدامنی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

اسلام کا انسانیت پر احسان

اسلام نے سب سے بڑا احسان جو انسان پر کیا وہ یہ ہے کہ اسے حقوق و فرائض کا احساس کرا دیا جس کی بنا پر کوئی شخص دوسرے کے مال و دولت، آزادی و راحت اور عزت و ناموس میں تصرف بے جا کرنا ایسا ہی نامناسب خیال کرتا ہے جس طرح اس کو اپنی آبرو اور اپنے آرام و آسائش میں خلل آتا برا محسوس ہوتا ہے۔

حقوق کی حفاظت اور جہاد

بلکہ جہاد کی غرض و غایت اور اس کا مدعا و مقصود تو اس سے کہیں بلند و برتر ہے۔ مجاہد دوسرے کے راحت و آرام اور عزت و ناموس کو صرف اپنی عزت و آبرو کے برابر ہی نہیں سمجھتا بلکہ ان مرغوبات سے بڑھ کر اپنی جانِ عزیز تک محض اس لیے قربان اور فدا کر دیتا ہے کہ دوسروں کے انسانی حقوق کو محفوظ رکھ سکے تاکہ وہ آبرومندانہ اور آزاد زندگی بسر کر سکیں۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	اور تم کو کیا ہے کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں
اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ	اور واسطے ان کے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں
وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ	اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال
رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ	ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں لوگ اس کے
الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ	اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی
لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا	حمایتی اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے
مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (النساء - ۱۰)	کوئی مددگار۔

یہ صرف حکم ہی نہیں بلکہ مسلمانوں نے اس پر عمل کر کے عرب جیسے بدامن ملک کو امن و امان کا گہوارہ بنا دیا۔ اور اس بستی کو ابدی حیثیت سے دارالامن قرار دیدیا جہاں ظالموں کے ستائے ہوئے بے بس مظلوم اپنے آبائی وطن اور اپنے گھروں سے نکلنے کی چیخ کر دعائیں مانگتے ہیں۔ اس سے ایک بدامنی کی [illegible]

ایمان بالآخرۃ

اور پھر جو چیز سب سے بڑھ کر حقوق کی نگہداشت اور قیامِ امن میں مؤثر ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے انسان کو براہِ راست خدا کے سامنے جواب دِہ قرار دیا ہے جس سے ہر مسلمان دنیا میں پیش آنے والے نتائج سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں منہمک ہو جاتا ہے۔

بدامنی کے ختم ہونے کا اندازہ واقعات کی روشنی میں اس سے ہو سکتا ہے کہ فتحِ مکہ اور فتحِ حنین وغیرہ کے بعد ملک میں کوئی قوت ایسی باقی نہ رہ گئی تھی جو اپنے مفسدانہ ارادوں کو بروئے کار لا سکے۔

ایک تاریخی شہادت

تاریخی شہادت کی حیثیت سے اس سلسلہ میں عدی بن حاتم کا بیان قابلِ غور ہے جو اُس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات کے متعلق دیا ہے۔ کہتے ہیں:

"جب میں اپنی بہن کے مشورہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے دورانِ گفتگو میں فرمایا کہ عدی! اس دین میں داخل ہونے سے تم کو یہ امر مانع ہے کہ یہ لوگ غریب ہیں، خدا کی قسم ان میں اس قدر مال ہونے والا ہے کہ کوئی شخص مال لینے والا باقی نہ رہے گا۔"

"عدی! اس دین میں داخل ہونے سے تم کو شاید یہ امر مانع ہے کہ ہم لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں اور ہمارے دشمن زیادہ ہیں۔ خدا کی قسم وہ وقت قریب آ رہا ہے جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور کعبہ کا حج کرے گی اور خدا کے سوا اُسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔"

"عدی! اس دین میں داخل ہونے سے شاید تم کو یہ امر مانع ہے کہ حکومت اور سلطنت آج دوسری قوموں میں ہے، خدا کی قسم وہ وقت قریب آ رہا ہے جب تو سُن لے گا کہ ارضِ بابل کا سفید محل مسلمانوں کے ہاتھ پر مفتوح ہوگا۔"

عدی کا بیان ہے کہ اس ارشادِ نبوی کے بعد دو سال پورے ہو چکے تھے اور تیسرا جا رہا

تھا کہ میں نے ارضِ بابل کے محلات کو بھی فتح شدہ دیکھ لیا اور ایک بڑھیا کو قادسیہ سے مکہ تک حج کے لیے اکیلی آتے بھی دیکھ لیا اور مجھے امید ہے کہ تیسری بات بھی پوری ہو کر رہے گی۔

حیوانوں پر رحم

ایک وہ زمانہ تھا کہ حضرت عمر اسلام لانے سے پہلے اپنی لونڈی لبینہ کو قبولِ اسلام کے جرم میں مار مار کر جب چھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ مجھے تم پر رحم آگیا ہے نہیں بلکہ تھک گیا ہوں اس لیے چھوڑتا ہوں لیکن جب خود اسلام قبول کرتے ہیں تو اسی بے رحم عمر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک دن عہدِ خلافت کے زمانہ میں مچھلی کا گوشت کھانے پر دل آتا ہے۔ نوکر جب تازہ مچھلی لے کر آتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں اُس کی سواری کے اونٹ کو کانوں کے نیچے پسینہ آگیا ہے۔ آج مسلمان عمر دیرینہ آرزو کے باوجود مچھلی کھانے سے انکار کر دیتا ہے اور اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے کہ تیری وجہ سے ایک حیوان کو تکلیف ہوئی۔

کہاں وہ زمانہ کہ سرزمین عرب کے میدانوں میں انسان کے معصوم بچوں کو کھڑا کر کے چاند ماری کا مشغلہ دلچسپ سیاسی کھیل سمجھا جاتا تھا۔ اور کہاں یہ مبارک دور کہ حیوان رحمۃ للعالمین کی طفیل رحم و کرم سے بہرہ یاب ہو رہے ہیں۔

اسلام کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

ان لڑائیوں میں مقتولین کی تعداد

تہذیب کے نام پر خود غرضی کی لڑائیوں میں کروڑہا جانیں تلف کرنے اور عین بے خبری کے عالم میں ایٹم بم سے بڑے بڑے آباد ملکوں کے کروڑوں متنفس آنِ واحد میں بے نام و نشان کر دینے والی مہذب دنیا یہ سُن کر حیران ہو گی کہ وحشی عرب کو مہذب و متمدن بنانے اور صحرائے عرب کے تمام قزاقوں کو انسانیت کا بے مثال خادم بنانے میں مسلمانوں اور کافروں ہر دو فریق کے صرف ایک ہزار اٹھارہ آدمی کام آئے جن میں سات سو کا فر اور باقی تین

سو اٹھارہ مسلمان تھے

ایک دل کش جائزہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی زندگی اور اس کے نتائج کا ایک مختصر مگر جامع جائزہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے اپنے چھوٹے سے کتابچہ "النبی الخاتم" میں لکھا ہے۔ نفس مضمون، انداز بیان، اظہار حقائق اور اعداد و شمار کے لحاظ سے نہایت دل کش ہے۔ اس کا مطالعہ قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ تبرکاً درج ذیل ہے۔

مؤلف وآلمرتی

حیرت ہے کہ بکھرا ہوا وحشی عرب جس میں وثنی، بت پرست، یہودی، عیسائی، صابی، عقل پرست سبھی ہیں، ان مختلف اقوام و قبائل کے باہمی انتشار اور جنگ و جدال کو ختم کر کے ایک پُر امن آئینی نظامِ سلطنت کے ساتھ وابستہ کرنے میں جھوٹوں نے جس قدر بھی جھوٹ چاہا پھیلایا، لیکن واقعہ صرف اس قدر اور اسی قدر ہے کہ دس لاکھ مربع میل کی طویل و عریض سرزمین کا پایۂ تخت جس وقت کسانوں کا وہی قصبہ ہو گیا تو دس سال کی اس لمبی اور دراز مدت میں وثنیوں (عربی ہندوؤں)، یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں سب میں سے امن و امان کی اس جد و جہد میں طرفین کے جتنے آدمی کام آئے ان کی تعداد کروڑ، لاکھ بلکہ دو ہزار چار ہزار بھی نہیں، اتنی بھی نہیں جتنی "نیویارک" کی سڑکوں یا "لندن" کی شاہراہوں پر موٹروں کے نیچے سے روزانہ اٹھاتے جاتے ہیں، یا ہندوستان کی معمولی جھڑپوں لاشوں کی جو فہرست تیار ہوتی ہے بلکہ کل لے دے کر سب کی کل تعداد اٹھارہ سو ہے، یہ ہے "خونی پیغمبر" کا بہایا ہوا خون، یا قصابوں کی وہ دکان جس کے شور سے گنبدِ گرداں بھی تھرا اٹھا ہے، غیر تو غیر اپنے بھی پریشان ہیں۔

اُف! برگشتہ باد آنکھوں سے بد اندیشوں کو صرف وہیں خون نظر آیا جہاں سے انسانیت کی مُردہ لاش میں زندگی کا خون دوڑایا گیا۔ جہاں موت ہے، مردوں کو، دل کے مُردوں کو وہاں

کی زندگی نظر آ رہی ہے، اور جہاں سے صرف زندگی بٹ بٹ رہی ہے، انصاف کرنے والوں نے کیسا انصاف کیا، جب موت کی وادی کے نام سے انہوں نے دنیا میں اس کا پراپیگنڈہ کیا، اٹھارہ سو طرفین کی اٹھارہ سو تعداد تو اس وقت ہے جب اس میں بلا وجہ بنی قریظہ کے ان یہودیوں کو شریک کر لیا جائے جن کو خود اُن کی کتاب اور اُن کی شریعت نے ان ہی کی مرضی سے اپنے ہی قانون کے رو سے اُس وقت نابید کیا جب سمجھا گیا کہ اس چھوٹی سی جماعت کی زندگی سے سارے عرب بلکہ ممکن ہے کہ عرب کے اطراف کی بڑی بڑی جماعتوں کی موت پیدا ہوگی، آخر جب تین کروڑ والے مقتولوں والی یورپ کی گزشتہ عالمگیر جنگ کی آگ یہودی پھونک کی سلگائی ہوئی مانی جاتی ہے، تو اگر ان ہی یہودیوں کے متعلق یہ سمجھا گیا تو کیا غلط سمجھا گیا؟ ۔ اور صرف یہی نہیں اسی اٹھارہ سو میں بیچارے ان شہید معلموں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے جن کو نجد والے اپنے ملک میں وعظ وتلقین، تعلیم و تذکیر کے لیے لے گئے، اور معونہ نامی کنوئیں پر ستر آدمیوں کو شہید کر دیا۔ ان ہی میں وہ دس مبلغ بھی ہیں جنہیں بے دردی کے ساتھ بلا وجہ رجیع کے مقام پر ذبح کر دیا گیا۔ یہ تو مسلمانوں کی طرف سے شہدا ہوئے، اسی طرح فریقِ ثانی کے ان مقتولوں کو اسی تعداد میں شریک کر گیا ہے، جو بجرم قصاص یا ڈاکہ یا چوری مارے گئے یا گرفتاری کے سلسلہ میں قتل ہوئے۔ لوگ سوچتے نہیں ورنہ دس سال کی اس طویل مدت میں اگر جنگ کا اطلاق کسی معرکہ یا مہم پر ہو سکتا ہے تو "بدر" ہے، جس میں بائیس ۲۲ مسلمانوں اور ستر قریش کے، اسی طرح "اُحد" میں ستر مسلمانوں اور تیئس قریشیوں کے آدمی کام آئے۔ بشرطیکہ ہزار پندرہ سو آدمیوں کے مجمع اور ان کی باہمی آویزش کا نام بجائے جھڑپ کے جنگ اور (بیٹل) رکھا جائے۔

بہر حال قریشیوں سے جو کچھ چھیڑ چھاڑ ہوئی، وہ اسی پر ختم ہوگئی، تو "خندق" میں بازار قتال گرم ہوا، نہ مکہ میں [illegible]

ہوئے جس میں خیبر سب سے اہم ہے، اس میں اٹھارہ مسلمان شہید اور ترانوے یہودی مارے گئے۔ عیسائیوں سے "موتہ" میں گھمسان کی لڑائی ہوئی، لیکن اس گھمسان میں بھی کل مسلمانوں کے بارہ شہیدوں کا حال معلوم ہوا، اس کے سوا کچھ ڈاکوؤں کا تعاقب ہے، چوروں کا پیچھا کیا گیا ہے۔ باغیوں کی سرکوبی کے لیے کوئی دستہ روانہ کیا گیا تھا جن میں اکثر مواقع میں جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بہرحال اگر خالص لڑائی اور جہاد کے شہیدوں اور مقتولوں کا حساب کیا جائے تو ان کی تعداد پانچ چھ سو سے زیادہ اس کل دس سال کی مدت کے اندر سارے ملکِ عرب میں ان شاء اللہ ثابت نہ ہوگی، حالانکہ مقابلہ میں عرب کے وحشی قبائل، طاقت ور جمہوریتیں، اور بعض سلاطین بھی تھے، لیکن جن کو طائف کے بعد سب کچھ دے دیا گیا تھا کیوں سوچا جاتا ہے کہ اُس کو یہ کیونکر ملا، اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا جس کی زندگی کا ہر واقعہ اُس کے کلمۂ دعوت و دعویٰ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی دلیل ہے۔ آخر ان واقعات میں بھی اُسی کو کیوں نہیں ڈھونڈھا جاتا؟

الغرض یہ ہیں کل دس سال اور وہ سارے جنگ و جدال جن کے خون کا افسانہ ہزارہا بوقلموں رنگوں سے رنگین کر کے دنیا کو سُنایا جاتا ہے۔

اقوامِ عالم کی لڑائیاں اور جہادِ اسلام

عرب کی جنگجویانہ وحشتناکیوں اور ظالمانہ طرزِ انتقام و اقدام کے مقابلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ جہاد و مدافعت کو واقعات کی روشنی میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور ملک کی اصلاح یافتہ صورتِ حال کا ایک مختصر نقشہ "عام نتائج" کے ایک آخری عنوان کے تحت نظر سے گزر چکا ہے جس سے صاف عیاں ہے کہ اس مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ تربیت نے جنگ جیسے وحشتناک فعل کو بھی کس خیر و برکت کا حامل بنا دیا ہے۔ اور وحشی عرب اصولِ جنگ کے لحاظ سے نہایت قلیل عرصہ میں تہذیب و شائستگی کے ایسے بلند مقام پر پہنچ گیا ہے، جہاں دنیا کے مہذب سے مہذب لوگوں کے لیے اسلام کی رہنمائی کے بغیر پہنچنا مشکل ہی نہیں محال ہے۔

لیکن جس ذاتِ مقدس کی پاکیزہ زندگی کے صرف ایک پہلو کے ذکر کا فخر ہم حاصل کر رہے ہیں، اس ذاتِ گرامی کا تعلق صرف جزیرہ نمائے عرب اور بادیہ نشینانِ حجاز و نجد ہی سے نہیں۔ بلکہ یہ ہادیٔ اعظم ساری دنیا کا مصلح ہے اور جن و انس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ایسا کامل عملی نمونہ بن کر آیا ہے جو اپنی ہر ادا میں بے مثال ہے اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مصلح اور ہادی یا حکمران و شہنشاہ انسانی زندگی کے کسی صحیح و پاکیزہ ترین شعبہ میں اس کا سہیم و شریک نہیں۔ اس لیے نامناسب نہ ہوگا کہ اس موضوع میں صرف عرب نہیں بلکہ ساری مہذب دنیا کی تاریخ سے کچھ واقعات ہم مقابلۃً پیش کر دیں تاکہ اس سلسلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی حیثیت اور بھی نمایاں ہو جائے اور دنیا کا یہ رہنما مصلحانِ عالم کی صف میں ممتاز نظر آسکے۔

ابتدائی دور

عہدِ عتیق یعنی تورات و زبور اور دیگر صحائف انبیاء، تاریخ عالم کے علاوہ قدیم مذہبی و روحانی تعلیم کا واحد ماخذ اور ہدایت و راہنمائی کا سرچشمہ بھی ہے۔ دنیا کی بیشتر آبادی اس پر ایمان رکھتی ہے بالخصوص اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی دینی اور دنیوی دستاویز یہی ذخیرہ ہے۔ اس میں پہلے انبیاء کے جنگی کارنامے بہ تفصیل مذکور ہیں جستہ جستہ ذیل میں درج ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

"اور مدیانیوں سے لڑائی کی۔ جیسا خداوند نے موسیٰ سے فرمایا تھا۔ اور سارے مردوں کو قتل کیا۔ اور انہوں نے ان مقتولوں کے سوا آوی اور رقم اور صور اور حور اور ربع اور مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا اور بعور کے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا اور اُن کے مواشی اور بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور اُن کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور اُن کے سب قلعوں کو پھونک دیا۔" (گنتی ب ۳۱: ۱۵)

جنگ سے واپس آنے پر موسیٰؑ مجاہدین سے ناراض ہو کر کہتے ہیں:-

"کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا؟" (گنتی ب ۳۱: ۱۵)

مخالفین کے قلع قمع کی ہدایت الفاظِ ذیل میں دی جاتی ہے:-

"پر اگر تم اس زمین کے باشندوں کو اپنے آگے سے دفع نہ کرو گے تو یوں ہوگا کہ وے جنہیں تم باقی رہنے دو گے تمہاری آنکھوں میں خار ہوں گے اور کانٹوں کے مانند تمہارے پہلوؤں میں چھبیں گے۔" (گنتی ب ۳۳: ۵۵)

ملک گیری کا انداز ملاحظہ ہو:-

"اور ہم نے اُسی وقت اس کے سب شہر لے لیے۔ وہاں ایک شہر بھی نہ رہا جو ہم نے اُن سے نہ لے لیا ساٹھ شہر ارجوب کا سارا ملک۔" (استثناء ب ۳: ۴)

عبادت گاہوں کی تباہی اور بربادی کا حکم :

"ان کے مذبحوں کو ڈھا دیجیو اور اُن کے ستونوں کو توڑیو اور اُن کے گھنے باغوں میں آگ لگائیو۔" (استثناء ب۱۲ ۳)

مفتوح قوم سے سلوک (فتح مکہ کے واقعات کو پیش نظر رکھ کر پڑھو) :

"اور جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور حرم کیجیو، نہ تو اُن سے کوئی عہد کریو نہ اُن پر رحم کریو۔" (استثناء ب۲)

بوڑھوں، عورتوں اور حیوانوں تک کا تہ تیغ کرنا دیکھیے یہ یشوع نبی کے جہاد کا نمونہ ہے

"اور اُنہوں نے اس سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بوڑھا کیا بیل کیا بھیڑ اور گدھا سب کو یک لخت تہ تیغ کر کے حرم کیا" (یشوع ب۶ ۲۱)

حضرت داؤد کے جہاد کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ اور یاد رہے کہ یہ سلوک مفتوح قوم سے تاج وتخت حاصل کر لینے اور سب کچھ لے لینے کے بعد کیا جا رہا ہے :-

"اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکالا اور آروں سے اور لوہے کے ہلوں سے اور کلہاڑوں سے انہیں کاٹا اور داؤد نے بنی عمون کے سارے شہروں سے ایسا سلوک کیا۔" (۱ تواریخ ب۲۰ ۳)

ایک جنگجو مناحم نامی نے اس جرم میں کہ دشمن نے دروازے بند کر لیے، اُن کی حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے :-

"اُس نے اس کو اس واسطے مارا کہ انہوں نے اس کے لیے دروازے کھول نہ دیئے اور اس نے اُن سب کے جو پیٹ والیاں تھیں پیٹ پھاڑ ڈالے۔" (۲ سلاطین ب۱۵ ۱۶)

اِس طریقِ جنگ کا مقابلہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان سے کرو جو فتحِ مکہ کے دن ان الفاظ میں کیا جاتا ہے: "جو گھر اپنا دروازہ بند کر لے اُس سے کوئی تعرض نہ کیا جاتے۔"

"اور جب یوسیاہ نے منہ پھیرا اُس نے پہاڑ پر قبریں دیکھیں تو اُس نے لوگ بھیج کر اُن قبروں کی ہڈیاں نکلوائیں اور مذبح پر جلائیں اور اُن پر نجاست ڈالی"
(۲ تواریخ ۲۳ : ۱۶)

یہ اُس مقدس سرزمین کا حال ہے جو انبیائے بنی اسرائیل کا مولد و مسکن ہے اور جسے صرف نبیوں کی تربیت اور تعلیم ہی سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع نہیں ملا بلکہ ان لوگوں کو پیغمبروں کی اولاد ہونے کے علاوہ صدہا سال پیغمبروں کی آسمانی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے کا شرف حاصل رہا۔

اسی زمانہ کے ہندوستان کی تاریخ کو بھی اگر سرسری نگاہ سے دیکھو گے تو مہابھارت کی مشہور لڑائیوں اور کورو، پانڈو کے جُدھ میں کروڑوں انسانوں کی وحشیانہ ہلاکت نظر آئے گی جس کی بنیاد محض ہوائے نفس اور عورتوں کے تنازعات کے سوائے کوئی دوسری چیز نہیں۔

دوسرا دَور

قدیم زمانہ کی ناتمام تاریخ اور غیر مکمل تہذیب سے آگے بڑھو اور خاص اُس زمانہ کے حالات پر غور کرو جس میں پیغمبر آخرالزماں مبعوث ہوتے۔

عرب کے دائیں بائیں فارس اور روم کی دو زبردست اور قدیم مہذب حکومتیں قائم ہیں۔ فارس کا حکمران مشہور نوشیران عادل کا پوتا خسرو، اور سلطنتِ روم کا فرمانروا مسیحی مذہب ہرقل ہے۔ بعثتِ نبوی کے پانچویں سال ۶۱۳ء میں دونوں حکومتوں میں جنگ چھڑ جاتی ہے جو ایک مدت تک جاری رہی۔ آخر ہرقل شاہِ روم کی فوجیں پسپا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ایرانی افواج بڑھتے بڑھتے عراق، شام، فلسطین، مصر اور ایشیائے کوچک کے تمام وسیع علاقے ایرانی حکومت کے زیر نگیں آجاتے ہیں۔ اور فلسطین کے مقدس شہر یروشلم پر صلیبی علم کے بجائے درفشِ کاویانی (ایرانی جھنڈا) لہراتا ہے۔ اور اس فتح

ہر مذہبی شعار کی توہین ہوتی ہے۔ ساٹھ ہزار بے گناہ عیسائیوں کا قتل عام ہوتا ہے تیس ہزار مقتولوں کے سروں سے شہنشاہِ ایران کے محل کو سجایا جاتا ہے۔ اور پھر اسی قتل و غارت اور سفاکی و بے رحمی پر بس نہیں بلکہ مغلوب اور بے بس دشمن جب صلح کی درخواست کرتا ہے تو ایرانی سپہ سالار نوشیرواں کے جانشین کی طرف سے جہاں باج ادا کرنے، ایک ایک ہزار ٹالنٹ سونا چاندی، ایک ہزار ریشمی تھان اور ایک ہزار گھوڑے رومیوں سے طلب کرتا ہے، وہاں ایک ہزار کنواری لڑکیاں لینے کی شرط بھی پیش کرتا ہے۔ اور جب ہرقل یہ سب کچھ دینا منظور کر لیتا ہے تو نشۂ فتح سے مدہوش مغرور خسرو، رومی قاصد کو کہتا ہے کہ "مجھے یہ نہیں بلکہ ہرقل زنجیروں میں جکڑا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے اور میں اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہِ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکائے۔"

یہ واقعات کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس تمام عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور تباہی، انسانی جانوں کے بے رحمانہ اتلاف اور عورتوں کی بے عزتی میں محض جوشِ انتقام اور درندگی کارفرما ہے نہ کہ کوئی نظریاتی اصول اور تعمیری یا اصلاحی مقصد۔

ان واقعات کو غزواتِ نبوی کے پہلو میں رکھ کر بطور تقابل پیش کرنا بھی ذوقِ سلیم پر گراں ہے۔ جہاں ایک سپاہی (ابودجانہ) عین معرکہ بدر میں (دشمنِ اسلام) ہند زوجہ ابوسفیان کے سر تک پہنچی ہوئی تلوار یہ کہہ کر روک لیتا ہے کہ:

"محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار عورت کے خون سے نہیں رنگی جا سکتی۔"

تیسرا دور

ایک زمانہ تھا ظہورِ اسلام سے پہلے، دوسرا دور عین زمانۂ نبوت، اب تیسرے دور کے واقعات کو نگاہِ عبرت بیں سے دیکھو، جو زمانۂ نبوت سے لے کر آج تک چل رہا ہے۔ اس دور

ان میں سب سے پیش پیش عیسائی دنیا ہے۔

ان اغراض اور ان ذلیل مقاصد پران کی مالی اور جانی قربانیوں کا اندازہ لگاؤ۔ فرانس اور امریکہ کو جمہوریت حاصل کرنے اور انگلستان کو پارلیمنٹ تک پہنچنے میں جس قدر خون بہانے پڑے انہیں شمار کرو۔

دنیا کے تازہ واقعات میں دو جنگیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۱۴ء کی جنگِ عظیم اور دوسری عالم گیر جنگ جو ۳۹ء سے شروع ہو کر ۱۹۴۵ء میں ختم ہوئی۔

یہ تہذیب کی انتہائی ترقی کا دور ہے اور دنیا کی متمدن اقوام کو اپنی ان کوششوں پر فخر ہے جو مختلف صورتوں میں عالمی انجمنوں اور جمعیتوں کے قیام سے جنگ کی وحشتناکیوں کو روکنے کے سلسلہ میں انجام دی گئیں۔ اور دی جارہی ہیں۔

موجودہ دور میں چونکہ جانی نقصانات کے علاوہ مالی نقصان بھی خاص لحاظ اور توجہ کے قابل ہے بلکہ کئی وجوہ کی بناپر اقتصادی تباہی جانی نقصان سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس لیے ان جنگوں کے نقصانات زیادہ قابلِ غور ہیں۔

نیز موجودہ زمانہ کے اعداد و شمار[1] اس لحاظ سے بھی زیادہ قابلِ التفات اور یقین و اذعان کے لیے سبق آموز ہیں کہ وسائل تقریر و تحریر کی بناپر بالکل یقینی اور ناقابلِ انکار حقیقت کے مترادف ہیں۔

یہ وہ جنگیں ہیں جو محض تہذیب کے نام پر لڑی گئیں۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ ان ہولناک تباہیوں کا مقصد اس کے سوائے کچھ نہیں تھا کہ جلبِ زر کے تمام ذرائع پر ان ممالک کا کامل قبضہ ہو، جو پہلے بھی قوت اور دولت میں دوسروں سے بڑھے ہوتے ہیں۔

---

[1] یہ اعداد و شمار

جنگِ عظیم ۱۹۱۴ـ۱۸ء کے اعداد و شمار

نام ملک	ہلاک شدگان	مجروحین	قیدی اور لاپتہ	مصارف ڈالروں میں
آسٹریلیا ہنگری	۱۲۰۰۰۰۰۰۰	۳۶۲۰۰۰۰	۲۲۰۰۰۰۰	۲۰۶۲۹۶۰۰۰۰
بلجیم	۱۳۷۱۶	۴۴۶۸۶	۳۴۶۵۹	۱۱۵۴۴۶۷۰۰۰
برطانیہ	۹۰۸۳۷۱	۲۰۹۰۲۱۲	۱۹۱۶۵۲	۴۴۰۲۹۰۱۲۰۰۰
بلغاریہ	۸۷۵۰۰	۱۵۲۳۹۰	۲۷۰۲۹	۸۱۵۰۰۰۰۰۰
فرانس	۱۳۵۷۸۰۰	۴۲۶۶۰۰۰	۵۳۷۰۰۰	۲۵۵۱۲۷۸۳۰۰۰
جرمنی	۱۷۷۳۷۰۰	۴۲۱۶۰۵۸	۱۱۵۲۸۰۰	۳۷۷۷۵۰۰۰۰۰۰
یونان	۵۰۰۰	۲۱۰۰۰	۱۰۰۰	۲۷۰۰۰۰۰۰۰
اٹلی	۶۵۰۰۰۰	۹۴۷۰۰۰	۶۰۰۰۰۰	معلوم نہیں ہوسکا
جاپان	۳۰۰	۹۰۷	۳۰	″
مانٹی نیگرو	۳۰۰۰	۱۰۰۰۰	۷۰۰۰	″
پرتگال	۷۲۲۲	۱۳۷۵۱	۱۲۳۱۸	″
رومانیہ	۳۳۵۷۰۶	۱۲۰۰۰۰	۸۰۰۰۰	۱۶۰۰۰۰۰۰۰۰
روس	۱۷۰۰۰۰۰	۴۹۵۰۰۰۰	۲۵۰۰۰۰۰	۲۲۵۹۳۹۵۰۰۰۰
سربیا	۴۵۰۰۰	۱۳۳۱۴۸	۱۵۲۹۵۸	۳۹۹۴۰۰۰۰۰
ترکی	۳۲۵۰۰۰	۴۰۰۰۰۰	۲۵۰۰۰۰	۱۴۳۰۰۰۰۰۰۰
امریکہ	۱۲۶۰۰۰	۲۳۴۳۰۰	۴۵۰۰	۲۷۷۲۹۰۰۰۰۰۰

جنگِ عالمگیر ۴۵-۱۹۳۹ء

نام ملک	ہلاک شدگان	مجروحین	قیدی اور لاپتہ	مصارف ڈالروں میں
بلجیم	۷۷۶۰	×	۷۰۰۰۰	۳۲۵۰۰۰۰۰۰۰
برطانیہ	۳۵۳۶۵۲	۴۷۵۰۷۰	۴۱۷۳۰۳	۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰
چین	۱۳۱۰۲۲۴	۱۷۵۲۵۹۱	۱۱۵۲۴۸	معلوم نہیں ہوسکا
فن لینڈ	۵۲۶۰۹	۱۲۵۰۰۰	×	〃
فرانس	۱۶۱۹۵	۴۰۸۸۹۵	۱۵۰۰۰۰۰	۹۷۹۴۰۰۰۰۰۰۰
جرمنی	۳۲۵۰۰۰۰	۴۰۰۰۰۰۰	۱۱۷۴۱۰۰۰	۲۷۲۹۰۰۰۰۰۰۰۰
یونان	۷۷۲۰۰	×	×	۲۲۰۰۰۰۰۰۰
ہالینڈ	۶۲۳۸	۲۰۰۰۰	۲۵۰۰۰	×
ہنگری	۷۵۰۰۰	×	×	×
اٹلی	۶۰۰۰۰	×	۷۰۰۰۰۰	۹۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰
جاپان	۱۸۶۲۲۴۹۹	۴۶۱۶۰۰۰	۶۳۵۴۶۴	۵۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰
پولینڈ	۱۲۵۰۰۰	۱۴۱۰۰۰	۵۴۲۰۰۰	۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰
رومانیہ	۸۰۰۰۰	×	۵۹۴۰۰۰	×
روس	۶۷۵۰۰۰۰	×	×	۱۹۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰
امریکہ	۳۱۳۸۴۲	۶۳۲۵۳۹	۱۹۹۶۵۲	۳۱۷۶۰۰۰۰۰۰۰
یوگوسلاویہ	۵۵۰۰۰	×	۱۲۵۰۰۰۰	۲۲۰۰۰۰۰۰۰
ہندوستان	×	×	×	۲۱۴۵۰۰۰۰۰۰۰
میزان	۲۲۱۰۴۵۳۲	۲۱۲۱۹۴۵[illegible]	۴۴۸۴۰۹۱۹	۳۰۲۸۶۸۵۰۷۲۰۰

کہا جا سکتا ہے کہ یہ دنیاداروں کی اقتصادی کشمکشوں کا نتیجہ ہے، مذہبی دنیا اس سے الگ ہے لیکن صلیبی جنگیں جو محض مذہب کے نام پر لڑی گئیں کیا ان کی ہلاکت انگیزیاں کم ہیں؟

قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری نے اعجاز التنزیل کے حوالہ سے جان ڈیون پورٹ کی زبانی مذہبی عدالت کے احکام سے عیسائیوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے عیسائیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے جس میں صرف سپین کی سلطنت نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا۔ ان میں تیس ہزار آدمی زندہ آگ میں جلائے گئے۔"

بہر حال تہذیب نے جس قدر ترقی کی ہے، آلاتِ حرب میں اسی قدر اضافہ ہو رہا ہے جس کا نتیجہ واقعات کی روشنی میں انسانی جانوں کی حفاظت نہیں بلکہ تباہی ہے یہ مشاہدہ اس پر گواہ ہے۔ کیونکہ ان جنگوں کا مقصد وہ نہیں جو اسلام نے پیش کیا ہے۔

اسلامی جہاد کا مقصدِ وحید جنگ کو ترقی و فروغ دینا نہیں بلکہ ختم کرنا ہے۔ اور یہی اصل نکتہ ہے جس پر اسلام کو بجا فخر ہے۔ اور اسی بنا پر اسلامی طریق جنگ کو رحمتِ عالم پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اوصاف کی طرح بے مثال کہتے ہیں۔

قرآن کریم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آنے والے تمام معرکوں میں سے صرف حدیبیہ کے واقعہ کو فتح مبین فرمایا ہے اور ظاہر کہ یہ واقعہ جنگ نہیں اور نہ لڑنے کے بعد دشمن کی شکست ہے، بلکہ صلح ہے، اور صلح بھی ایسی شرائط پر جن کو مادی فوائد کے نقطہ نگاہ دیکھنے والا ہر سیاست داں مسلمانوں کے خلاف یقین کرے گا لیکن یقین کیجیے کہ انہیں شرائط کی بنا پر یہ فتح مبین ہے جو سب سے زیادہ سخت نظر آتی ہیں۔

دس سال تک فریقین میں جنگ بند ہونے اور اسلام قبول کرنے والوں کو بالجبر قریش کے قبضے میں رہنے کی شرط کے نتائج اصل فتح و کامرانی تھی۔ کیونکہ اس سے دعوتِ اسلام کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل تھیں ہٹ گئیں۔

اس واقعہ کی تفصیلات پر جس قدر غور کیا جائے یہ حقیقت روشن تر ہوتی جائے گی کہ جہاد

کی غرض لڑنا نہیں، لڑائی کو ختم کرنا ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ۔ "اور اُن (کافروں) سے لڑو یہاں تک فتنہ نہ رہے۔"

اور

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۔ "یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔"

ان آیات سے یہ مقصد صاف واضح ہے۔

حضور اکرمؐ کی ذاتی شجاعت

اِس سارے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی شجاعت، انفرادی حیثیت کی سیاست اور بے مثال نیک نفسی ہی اصل کردار تھا جہاں دلیروں کی دلیریاں، بہادروں کی بہادریاں جنگجو لڑاکوں کی لڑائیاں اور بڑے بڑے سیاسی مدبروں کی سیاسی تدبیریں جواب دے جاتی تھیں وہاں حضور اکرمؐ کے یہی بے مثال کمالات کام آتے۔ اور چونکہ ان کمالات میں محض خلوص ہی خلوص تھا، للّٰہیت کے بغیر کوئی چیز نہ تھی اس لیے اس مبارک مشن میں بھی کوئی غرض شامل نہ ہو سکتی تھی۔

ایک مرتبہ بالکل تنہائی کی حالت میں آپؐ ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، تلوار درخت سے لٹکی ہوئی ہے، بے خبری میں دشمن تلوار سونت کر للکارتا ہے "بتاؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟" آپ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ"۔ اِس پُرجلال آواز سے دشمن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، تلوار ہاتھ سے گر پڑتی ہے۔ آپؐ وہی تلوار ہاتھ میں لے کر اُسے پوچھتے ہیں۔ "بتاؤ اب تمہیں کون بچانے والا ہے؟" وہ کہتا "آپ نیک برادر اور نیک برادر زادے ہو مجھے آپ سے نیک سلوک کی توقع ہے۔" آپ فرماتے ہیں: "تم بھی وہی الفاظ کہو جو میں نے کہے ہیں"۔ آپؐ اُسے معاف فرما دیتے ہیں۔

جنگِ بدر میں جگہ کے انتخاب سے لے کر صفوں کی ترتیب اور لڑنے والوں کی نام زدگیوں تک آپؐ کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مٹھی بھر بے سروسامان مجاہدین نے اپنے تین گنے سے بھی زیادہ باسامان لشکر پر بے مثال فتح حاصل کی۔ جنگِ اُحد میں آپ کی ایک جنگی تدبیر کی خلاف ورزی سے شکست کا سامنا ہوا تو آپؐ ہی میدانِ جنگ میں موجود تھے۔ آپ ہی کی پامردی سے جنگ کا نقشہ تبدیل ہوا اور دشمن کے تعاقب تک نوبت آئی اور نتیجہ شکست کے بعد فتح کی صورت میں حاصل ہوا۔

جنگ خندق (احزاب) بالکل ایک نئے انداز میں لڑی گئی جس سے عرب بے خبر محض تھے۔ جنگِ حنین جس میں کثرتِ تعداد کے باوجود اسلامی فوج تتر بتر ہو گئی، تنہا آپ ہی نے بے مثال ثابت قدمی دکھائی جس کی بنا پر ایسی کامیابی حاصل ہوئی جس کی نظیر نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ستائیس غزوات کیے اور مختلف اوقات میں ۵۳ جنگی مہمات کا اہتمام فرمایا۔ مفتوحہ علاقوں کو دنوں میں تقسیم کیا جائے تو ۲۷۴ مربع میل یومیہ بنتا ہے۔ اپنا نقصان ایک جان ماہانہ، دشمن کا ڈیڑھ صد ماہانہ دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ علاقہ زیرِ نگیں تھا۔ یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال ذاتی شجاعت اور پُر حکمت منصوبہ بندی ہی کا نتیجہ تھا۔

آپؐ کے عزم صمیم میں کبھی ہلکی سی کمزوری بھی نہ آنے پائی اور پیش نظر مقصدِ عظیم کے بارے میں مایوسی یا شک وشبہ کا ذرہ برابر دخل نہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حرفِ آخر

مذکورہ واقعات پر پھر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لو اور دیکھو کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک ہوس ملک گیری کے علاوہ مخالفوں کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ہلاک کرنے، مال مویشی کو تباہ کرنے، سرسبز باغات اور ملکوں کے ملک نذرِ آتش کرنے، زندہ انسانوں کو آگ میں جلانے، قبروں سے ہڈیاں تک نکال کر پھونکنے اور حاملہ عورتوں کے

پیٹ پھاڑنے کے مقابلہ میں اس رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ کوششوں کو کیا
جنگ ہی کہو گے اور کہتے جاؤ گے؟ جس نے حکمرانی کی آرزو، توسیع ملک کی خواہش،
غلبہ وقوت کے اظہار، نمائش، مال و دولت کے حصول اور جوشِ انتقام کی بنا پر جنگ کرنے
سے صرف منع ہی نہیں فرمایا ہے بلکہ اسے قطعاً حرام قرار دے دیا ہے۔

جوشِ انتقام پر لڑی جانے والی جنگ کا عقلاً لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ فریقِ
مخالف پہلے سے زیادہ قوت فراہم کرنے اور سامانِ جنگ میں وسعت و فراوانی کی انتہائی
کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نوعیت کی جنگوں نے دنیا کو ایسے ایسے آلاتِ حرب
ایجاد کرنے پر مجبور کر دیا ہے جو بندوق، توپ، بم، ہوائی جہاز، بھاری ٹینک، راکٹ بم،
تارپیڈو جیسے بری و بحری تباہیوں سے گزر کر ایٹم بم تک پہنچ چکے ہیں۔

اس کے برعکس اسلام نے جنگ کو ایک اخلاقی اور عقلی حد میں محدود کر دیا ہے تاکہ
جس وقت متحارب فریق اس صحیح شعور تک پہنچ جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ اتحادِ فکر اور
اتحادِ عمل کے بغیر کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ لوگ جو ابتدا میں اسلام کے بدترین دشمن تھے شدید مقابلوں
کے بعد سمجھنے اور پرکھنے کے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے جان نثار دوست بنتے گئے۔

عمرو بن العاص جو ایک وقت میں نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس قریش کی طرف سے اس
غرض کے لیے جاتا ہے کہ مہاجر پناہ گزین مسلمانوں کو واپس حاصل کرے، دوسرے وقت میں
یہی عمرو مبلغِ اسلام بن کر جاتا ہے اور ملکِ عمان کے داخلِ اسلام ہونے کی بشارت حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر دیتا ہے اور آخر فاتحِ مصر بنتا ہے۔

سہیل بن عمرو جو صلحِ حدیبیہ میں کفار کی طرف سے کمشنرِ معاہدہ تھا، وہی خطیبِ اسلام
بن کر مسلمانوں کی استقامت کا سبب بنتا ہے۔

طائف کا رئیس عبد یا لیل ثقفی جس نے ایک زمانہ میں آں حضرت پر شہر کے اوباش

لڑکوں اور غلاموں سے پتھر برسوائے، آخر ایمان لاتا ہے اور اپنی قوم میں مبلغ بن کر واپس جاتا ہے۔
عکرمہ بن ابوجہل، خالد بن ولید، ابوسفیان بن حارث، ثمامہ بن اثال، حکیم بن حزام قرشی اور اسی قسم کے سینکڑوں رؤسا تاریخ اسلام میں موجود ہیں جن کا اس امر کی ناقابل انکار شہادت ہے کہ جہاد نے جنگ کو ترقی نہیں دی بلکہ ختم کیا ہے۔

جنگ جو قوموں کو شکست ہمیشہ پہلے سے زیادہ مشتعل کر دیتی ہے اور جوش انتقام میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ لیکن ان بار بار کی شکستوں کا نتیجہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار رہتیں۔ اور ان کا جوش انتقام کبھی ٹھنڈا نہ پڑتا۔ بالخصوص قریش جنگ و جدال جن کی گھٹی میں شامل تھا اور ان کی قومی روایات اور تاریخ سے جس طرح ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اسلامی جنگوں کے مجموعی نتیجہ سے تاریخی واقعات کی روشنی میں صاف یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگوں میں کام آنے والے بڑے بڑے کام کے آدمیوں اور سرداروں کے بھائی بیٹے، پوتے اور عزیز و اقرباء اسلام کے فدائی تھے گئے اور اپنے عزیزوں کے قاتلوں پر جانیں قربان کرتے رہے یہاں تک کہ عرب میں ایک ایسا قبیلہ بھی باقی نہ رہ گیا جو اسلام کی سربلندی پر قربان ہونے کے لیے دل سے شیدائی نہ تھا۔

اسلام کی لڑائیاں اگر لڑائیاں ہوتیں تو نتائج اس سے مختلف ہوتے۔ یہ لڑائیاں نہ تھیں ایک سچے نظریے اور فطری ہدایت کا عملی سبق تھا جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اور صالح فطرت لوگوں نے قبول کیا اور بالکل ایک نئی دنیا پیدا کی۔ یہ ایک نظریاتی مشن تھا۔ ذاتی اغراض اور نفسانی عداوتوں کی بنا پر جنگ نہ تھی، بلکہ نسل انسانی کی سچی ہمدردی اور بہی خواہی کی مخلصانہ جدوجہد تھی۔ لوگوں کو جوں جوں اس حقیقت کا یقین آتا گیا توں توں اس نظریہ پر متفق ہوتے اور ایک مرکز پر جمع ہوتے اور ذاتی عصبیتوں سے دست بردار ہوتے گئے۔

یہ سلسلہ زمانۂ نبوت سے بعد تک بدستور چلتا رہا۔ جو قوم بھی اسلام کے مقابلہ میں آئی خواہ فاتح کی حیثیت اور خواہ مفتوح کی صورت میں نتیجہ یہی رہا کہ اس نے اسلام قبول کیا۔ ہلاکو خاں کی نسل عالمِ اسلام کو تباہ کرنے اٹھی۔ آخر اسلام کی حلقہ بگوش ہو کر رہی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو مظلوم عورتوں بچوں اور عاجز و مجبور، کمزور اور ناتوانوں کے بچاؤ کا آخری حیلہ اور تمام اہلِ مذاہب کی عبادت گاہوں کو محفوظ و برقرار رکھنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ آیاتِ ذیل کو ایک مرتبہ پھر پڑھیں جن کی رو سے جہاد کی اجازت دی گئی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ	”جن مسلمانوں سے قتال ہوا اُن کو جنگ کی
بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ	اجازت دی گئی کیونکہ وہ مظلوم تھے اور خدا اُن
نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ	کی نصرت پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے
أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ	گھروں سے بغیر کسی وجہ کے نکالے گئے ہیں
حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ	صرف اس لیے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا پروردگار
وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم	مان لیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ اجازت دے کر
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ	بعض (دشمنوں) کو بعض لوگوں (مسلمانوں) کے
بِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ	ذریعہ سے روک نہ دیتا تب عیسائیوں کے
فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (حج - ۶)	گرجے، یہودیوں کے عبادت خانے، پارسیوں

کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا بہت نام لیا جاتا ہے ضرور گرا دی جاتیں۔“

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي	تم خدا کی راہ میں اور ضعیف و ناتواں مردوں
سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ	اور عورتوں اور بچوں کے بچاؤ کے لیے کیوں
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ	جنگ نہیں کرتے حالانکہ وہ دعائیں کر رہے
الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا	ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جہاں

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ (النساء - ۱۰) کے باشندے بڑے ظالم ہیں۔

کیا دنیا کے کسی سیاسی یا مذہبی راہنما نے ایسے پاکیزہ مقاصد پر اس نوعیت کی کوئی مقدس جنگ آج تک لڑی ہے جو محض دوسروں کے لیے ہو۔؟

یہ اسی رحمۃ للعالمین ہی کا کارنامہ ہے جس نے جنگ کو بھی ایک مقدس عمل بنا دیا جس کی پاکیزگی اور تقدس سے دنیا کا کوئی باانصاف انسان انکار نہیں کر سکتا۔

اب آخر میں غور کرو کہ غزوات نبوی میں دونوں طرف سے کام آنے والے صرف ۱۸۱۰ افراد کی قربانی نے نہ صرف یہ کہ اقوام عالم کی جنگوں میں تباہ ہونے والے اربوں نفوس کی ہلاکت کے سلسلہ کو یک قلم روکنے کی طرح ڈالی بلکہ مومن و منکر دنیا پر اس کے علاوہ ہزارہا تمدنی، معاشی، اخلاقی، روحانی اور اقتصادی نعمتیں تقسیم کیں جن کے بارِ احسان سے عالم انسانیت کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

اللھم صل علی محمد و علی اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی اٰل ابراھیم انک حمید مجید۔

محمد عنایت اللہ وارثی

ایڈیٹر العصر کوٹ وارث

ائمہ تلبیس

ابو القاسم رفیق دلاوری

دلچسپ تاریخی حالات

عہد نبوی سے لے کر آج تک جتنے دجال، فرعونی دعووں کے ساتھ اسلام میں رخنہ انداز ہوتے رہے۔ ان کا مجموعہ،

قیمت : جلد اول : روپے
کتابت طباعت: آفسیٹ جلد دوم : "

مُحسنِ اعظمؐ اور مُحسنین

فقیر وحید الدّین

★ حضور پاکؐ اور خلفائے راشدین کی حیاتِ طیبہ

★ عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی خصوصی تحریریں

★ نیا رنگ ، نیا انداز

روزگارِ فقیر

فقیر وحید الدّین

★ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے واقعات، ملفوظات، نادر اشعار اور تصاویر کا مجموعہ

★ مشرق کے عظیم شاعر اور عاشقِ رسول کی سیرت و کردار

قرآن مجید کی انقلابی دعوت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے لیے چند بہترین کتب

تفسیر ابن کثیر قرآن مجید کی مستند تفسیر پانچ جلدوں میں۔

قرآن حکیم کی تین سورتیں مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر۔

تمثیلات قرآنی سید مودودیؒ کی شاندار تالیف۔

قرآن فہمی کے بنیادی اصول قرآن پاک سمجھنے کے لیے بنیادی کتابچہ۔

معلومات قرآن علی اصغر چودھری کی سینکڑوں معلومات پر مشتمل کتاب۔

مطالب قرآن ایک نظر میں یعقوب سروش کی تالیف پارہ بہ پارہ ایک نظر میں۔

مناظر قیامت قطب شہید کی شہرۂ آفاق کتاب کتاب و سنت کی روشنی میں۔

الاسماء الحسنیٰ مولانا محمد عبدالحیٰ کے قلم سے۔

قرآن اور پیغمبر سید مودودیؒ کے قلم سے۔

دعائیں قرآن و حدیث سے عمدہ انتخاب۔

مکتبہ تعمیر انسانیت ★ اردو بازار لاہور